رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۵۵۲

چندہ سالانہ { رؤسا سے ۵ / عوام سے ۳ }

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پیام اسلام

علمی و تبلیغی ماہوار صحیفہ

مدیر:- عبدالحق عباس   مدیر معاون:- محمد احمد خان ایم اے

سرپرست

انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر

قواعد

۱) پیام اسلام ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے۔
(۲) رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع اسی مہینے کی بیسویں تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ بشرط موجودگی قیمت پر ملیگا
(۳) چندہ سالانہ رؤسا و امراء سے پانچ روپے۔ عوام سے تین روپے۔ ششماہی ایک روپیہ بارہ آنے۔ فی پرچہ ۶ر؎
غیر سے سالانہ چار روپے۔ غیر مسلم حضرات سے ۳ر۔
(۴) مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہئیں۔
(۵) جو حضرات کم استطاعت اصحاب اور غیر مسلموں میں رسالہ تقسیم کرنے کے لئے ۵ روپیہ سالانہ چندہ دیں ان
گرامی مربیان رسالہ کے زمرے میں درج ہوگا۔
(۶) ہر شخص بلا لحاظ مذہب و ملت پیام اسلام میں مضمون بھیج سکتا ہے۔ اپنے شبہات پیش کرسکتا ہے مگر شانت و تہذیب
(۷) ایڈیٹر نامہ نگاروں کی رائے کا ذمہ دار نہیں۔
(۸) اشتہارات کی اجرت کا تصفیہ منیجر سے بذریعہ خط و کتابت کرنا چاہئے۔

مقاصد

۱) قرآن پاک کی تعلیمات کو سنت صحیحہ کی روشنی میں پھیلانا۔
۲) بدعات شرک و رسوم سے احتراز کی تاکید کرنا۔
(۳) مخالفین اسلام کو بطرز سنجیدہ جواب دینا۔
(۴) امت محمدیہ کو اتحاد کی دعوت اور قائلین لا الٰہ الا اللہ کے درمیان حتی المقدور مناظرے سے بچنا۔ البتہ بطریق احسن
غلط فہمیوں کو دور کرنا۔
(۵) اسلام، قرآن اور سنت صحیحہ میں ہے، قرآن وحی قولی، اور سنت نبوی اسکی توضیح عملی ہے۔ اسکی اشاعت کرنا۔
۶) اسلام ایمان اور عمل دونوں کا مجموعہ ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے ان دونوں اجزا کی طرف دعوت دینا۔
۷) معاملات اور اخلاق کی درستی کی دعوت دینا۔
۸) اسلام کے عقائد و عبادات کو جدید طرز استدلال میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا۔

باہتمام مولوی عبدالحی عباس پرنٹر و پبلشر ایجوکیشنل الیکٹرک پریس ریلوے روڈ جالندھر شہر میں طبع ہوکر دفتر انجمن اشاعت اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالہ "پیام اسلام" جالندھر شہر

فہرست مضامین

جلد ۴	یکم ستمبر سنہ ۱۹۳۲ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۱ھ	نمبر ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلامِ نیاز

بہ حضور شاہِ حجاز

بہ وساطت جناب مولانا غلام رسول صاحب مہر بی اے مدیرِ اعلیٰ روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ عازم دیارِ حبیب

(حضرت نشتر جالندھری)

جالندھر کے قابل ناز شاعر صاحبزادہ ابو نعیم عبد الحکیم خاں نشتر کی ذات گرامی اب کسی تعارف سے بے نیاز ہے۔ آپ نظیری کے رنگ کے متبع ہیں۔ آپ کا روح افزا کلام "زبور ہند" کے نام سے اس سال شائع ہونے والا آپ نے از راہ عنایت یہ نظم پیام اسلام کے لئے بھیجی ہے۔ یہ سلام اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ مولانا مہر حج کے لئے عازم حجاز ہوئے۔ جناب حفیظ کا مشہور "سلام" بھی اسی تقریب پر لکھا گیا تھا۔ یہ "سلام" بھی دیکھئے۔ (مدیر معاون)

السلام اے رہروِ راہ حجاز — اے جبیں سائے درِ شاہ حجاز!
الفراق اے گُل بداماں عندلیب! — اے ترنم ریزِ گلزارِ حبیب!
تو ہے اس وادی میں سرمستِ خرام — جس کے ذرے ہیں خدا سے ہمکلام
جس کو محبوبِ خدا پر ناز ہے — عرش جس کا فرش پا انداز ہے
جس کا ہر کانٹا ہے جنت در کنار — کہکشاں افروز ہے جس کا غبار
ہے جنوں انگیز جس کی سرزمیں — جس کا ہر ذرہ ہے محمل آفریں
جس کے ویرانے ہیں رشکِ صد بہار — حُسنِ فطرت کی ہے جو آئینہ دار
جس کے صحرا ہیں سراپا جانِ عشق — عقل نے باندھا جہاں پیمانِ عشق

جب رسائی ہو تری اے خوش گہر! — آستانِ سرورِ لولاک پر
عرض کرنا اک فقیرِ بے نوالا — ہند کے زنداں میں ہے صیدِ بلا

وقفِ غم ہے۔ موردِ آلام ہے | پائمالِ جورِ صبح و شام ہے
اشک ہے حسرت کشِ دانائے راز | زخمِ دل کو ہے تلاشِ چارہ ساز
اک مسافر ہے مگر منزل سے دور | ایک کشتی ہے مگر ساحل سے دور
ایک مجنوں ہے مگر محمل سے دور | شمعِ روشن ہے مگر محفل سے دور
اک چمن ہے باغباں نا آشنا | ایک بلبل آشیاں نا آشنا
اک بصیری ہے ردا سے بے نصیب | طور ہے لیکن ضیا سے بے نصیب

تحفۂ شایانِ شاں کوئی نہیں | پاس میرے ارمغاں کوئی نہیں
اور میرے دامنِ تر میں ہے کیا | قطرۂ اشکِ ندامت کے سوا
بوسہ دے کر آستانِ شاہ پر | میری جانب سے بس اتنا عرض کر
آرزوئے دید میں ہوں بے قرار | اب ہوائے ہند ہے ناسازگار

اے خوش آں روزے کہ در یثرب رسم
می رسد بر عرش بختِ نارسم

قہر ما! اے یوسفِ کنعانِ ما! | قہر ما! اے درد و درمانِ ما!
ما کلیمانیم و تو سینا ستی | آفتابِ خاورِ دلہا ستی
چوں شوی بر درگہِ شہ جبہہ سا | چوں رسی تا عزِّ عرضِ مدعا
یاد آور حسرتِ دیدارِ من | یاد آور دیدۂ خونبارِ من

باز آئی قاصدِ فرخندہ سیر
مژدۂ جاں پرورے آری بخیر

عارب صاحب کا والا نامہ

عزیز پیام اسلام!

تم نے ہمارا والا نامہ پورے ماپ میں چھاپ دیا۔ شاد باش! جیتے رہو، برخوردار! پھولو بتاشہ پیتے رہو برخوردار! بس بھی آگے قافیہ تنگ ہے، ترکی تمام ہے۔ رہنے الا اللہ کا نام ہے، اسی کی تسبیح صبح ہے، اسی کی تسبیح شام ہے۔ فَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔

اب بعد "اَمَّا بعد کے" اور پیچھے دعائے بخت سعد کے" این بندہ خوش خندہ" اَعْنِی الْعَبْدَ الْعَارِبَ الْمَخْلُوْقَ مِنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ، اَلرَّاكِبَ الْقَوِيَّ رَبِّ لِلْمَارِبِ الشیخ عبدالحق عارب پکا باغی چمن برائے جہاں اسکے باغ کو تا قیام ہشت بہشت ہرا بھرا و پکا رکھیو، اور دشمن کج سرشت کو آگے و سامنے اسکے سرنگوں و ہکا بکا رکھیو، اپنے خامۂ کیسر شامہ کو او پر قرطاس اس والا نامہ کے ساتھ قوت یمین یمنت قرین اپنے کے دیتا ہے حَرَكَتْ ، ساتھ اس وجہ کے کہ وہ جاننے والا ہے اس بھید کا اور کھولنے والا ہے اس چھید کا کہ اندر حَرَكَتْ ہی کے ہوتی ہے بَرَكَتْ و اور ہے یہ مقام غور و موقع عبرت کہ ہے کون و مکان کو حرکت، زمین و زمان کو حرکت، آسیائے آسمان کو حرکت، مگر نہیں ہے مسلمان کو حرکت۔ پس ہے یہی نہ ہونا حرکت کا باعث نہ ہونے برکت کا۔ پس واسطے اسی کے ہیں ہم خوار و زار و زبون فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

المرام اینکہ۔ اے قارئین پیام، رہو تم ہمیشہ شاد کام، پڑھو جو کچھ ہم لکھتے ہیں ایک نادر قصہ، اگر ملا ہے تم کو چشم اعتبار سے وافر حصہ کہ راویان صدق توامان اس داستان عبرت نشان کو زبان فیض ترجمان سے سیاحان وشت معانی و بیان کی اسطرح آویزہ گوش ہوش بناتے ہیں۔ کہ سن انیس سو بچاس عیسوی کے آسپاس شہر شاد بھر جالندھر کے محلہ با فراغ المعروف بہ پکا باغ میں وقت حاضر کے فرزانۂ عصر، عہد ماضی کے یگانۂ دہر، اور زمان مستقبل کے قرۃ العین ایک جنٹلمین مشہور و مشارق و مغارب المسٹے بہ عبدالحق عارب دامت ظِلُّهُ الْعَالِیْ عَلٰی رُؤُوْسِ الْاَدَانِیْ وَالْاَعَالِیْ ہمیشہ ساکن و متحرک رہا کرتے تھے۔ بطرق اہل فرنگ چہرہ رشک مہر کو فارغ البال اور تشنگ رکھتے، تکوٹ تبوٹ اور تہیٹ کے ساتھ پتلون کا جنون بھی گلے کا ہار رہتا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ صبح کو حسب معمول استاحجام نائی داڑھی کی تر و تازہ صفائی کیلئے کسوت لے کر سامنے جو آیا تو حضور موصی الیہ نے اس بدقسمت کو یہ کہکر دھتا بتایا کہ: ۔ اے نائی! بپی امروز بیش من نائی۔

جونہی حجام نافرجام نے قدم پیچھے ہٹایا ریش نے شیر ہو کر سر اٹھایا۔ اور چند ہی دنوں میں یہ کشت خانہ زاد حلق روزانہ سے آزاد ہو کر ایک مشت و دو انگشت سے گز ایک بالشت تک بڑھ گئی اس اثنا میں حضرت عارب مدظلہ خانہ نشین رہے، یعنی اپنے ہی مکان میں مکین رہے۔

ایک دن مقراض ہاتھ میں لی آئینہ اٹھایا۔ مونچھیں جو جھالر کیطرح لب بالا سے نیچے لٹک آئی تھیں انکو شرعی پر بٹھایا۔ اب رخ فرخ کا جو نظارہ فرمایا تو تقدس کا ایک فرشتہ فریب عالم نظر آیا۔ یہ ملاحظہ فرما کر بصد تاسف نفس نفیس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ اے سیاہ رو، اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ۔ دیکھو یہ صورت بھلے آدمی کی تجھکو بڑی لگتی رہی، گویا اس ہیئت نورانی سے کلیجے میں چھری لگتی رہی۔ ریش دراز پر ہمیشہ تجھکو پھبتی سوجھی، ہمیشہ اسکی ہنسی اڑائی او بے حیا! تجھ کو باپ دادا کی داڑھیوں سے بھی شرم نہ آئی۔ کبھی اسکو جھاڑ کا جھاڑ کہا۔ گاہے ٹٹی کی آڑ بتایا، کبھی سفید ریش پر چنوری نکل جانے کا بہتان لگایا۔ اے خبیث تجھے خدا کا بھی دھیان نہ آیا۔ مرد مذکر کی شباہت سے نفرت اور مخنث مشکل بلکہ مونث مشکل کی مماثلت پر ناز و نخوت، یہ زنخہ وشی بلکہ زن روشی نہیں تو اور کیا ہے۔ تو منہ سے اقرار کر یا انکار، اور پھر اس انکار پر اصرار کر یا تکرار، ہمارے قلب معلّٰے مصفاد مجلّٰے پر جو اصل حقیقت تھی وہ کَالشَّمْسِ فِی النَّھَار آشکار ہو گئی ہے۔ یہ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں مل جانیکا کا فلسفہ خالی از علت نہیں، اور علّت ہے۔ پر بچھڑوں کو دیکھنے دکھانے کا شوق، جو گلے کا طوق بن رہا ہے۔

اگر تو یہ کہے کہ یہ داڑھی کے بال روئے صبحی کو شامی بنا دیتے ہیں اور چاند سے چہرے کو داغ لگا دیتے ہیں، تو یہ بھی ایک فہم سراسر وہم ہے، اندیشۂ پختہ نہیں۔ ایک خیال خام ہے۔ ام الوسوسات ہے بل ابوالاوہام ہے۔ کیونکہ اس سبزۂ حسن کو باغبان قدرت نے جہاں جہاں اگایا ہے حسن لالہ رخ کی بہار بڑھانے کیلئے، نہ کہ آکاش بیل کی طرح نونہال جمال کو مرجھانے اور سکھانے کیلئے، اگر اس قول کا باور نہ ہو تو ابروئے خمدار کو منڈا دیکھو۔ ذرا سر کو گھٹا دیکھو کہ کیسی چھلے ہوئے کیسرو کی برزخ نکل آتی ہے۔ جوانی میں بچپن کی آن، بڑھاپے میں جوانی کی شان دکھانا عاقبت اندیشی نہیں، حماقت کی کمی نہیں، عقل کی بیشی نہیں۔

جب نفس امارہ نے دیکھا کہ یہ وعظ کا فوارہ ساون کی جھڑی کی طرح کسی طرح تھمنے ہی میں نہیں آتا تو ناچار سر نیچا کر لیا، گردن دبا لی، اور ناک رگڑ کر توبہ کی کہ گذشتہ پر صلوات کہیئے اور آئندہ ہماری احتیاط دیکھیئے۔

حضرت شیخ عارب رحمۃ اللہ نے جب اس اعدیٰ عدو کو اس طرح چاروں شانے چت دیکھا خم ٹھونک کر ڈنٹر پیلا اور پھر ایک بیٹھک لگائی اور لاحول ولا قوۃ کا وظیفہ پڑھتے مظفر و منصور بازار شیخاں کی طرف چکلے پر حملہ آور ہونے، ابلیس کا قلعہ اور نفس امارہ کا گڑھ توڑنے کیلئے چڑھ دوڑے۔ آگے یار زندہ صحبت باقی ؛

روحانیات

(۴)

(پیوستہ بگذشتہ)

مغرب میں روحانی نظر کے حیرت انگیز مظاہرے

اندھوں کی بصارت۔ بہروں کی سماعت

(از جناب الفاضل دبیح الدبع مدظلہ العالی)

مسز کروڈ[1]۔ ریڈلینڈ برسٹل[2] میں رہتی تھی۔ اس کے حواس ظاہری کی یہ کیفیت تھی کہ وہ قطعاً اندھی۔ نیست بہری اور بالکل گونگی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ مرض فالج کے حملے کا اثر اس کے جسم کے نصف حصہ پر موجود تھا۔ لیکن قدرت کاملہ نے اس کو حواس ظاہری سے محروم کرکے حواس باطنی اس درجہ عطا فرمائے کہ وہ باوجود بہری ہونے آہستہ سے آہستہ باتیں بھی کی جائیں اور اس قدر آہستہ کہ عام لوگوں کی قوت سامعہ ان کے سننے سے قاصر رہے تو بھی مسز کروڈ لفظ لفظ اور حرف حرف سن سکتی تھی۔ قطعاً نابینا ہونے پر بصارت کا یہ عالم تھا کہ اندھیرے میں تحریریں اور تصویریں پہچان لیتی تھی۔ اس کے دماغ میں خیالات منتقلہ کے قبول کرنے کی وہ صلاحیت تھی کہ ادھر کسی کے دل میں کوئی خیال گذرا ادھر مسز کروڈ نے معلوم کر لیا۔ اپنی لڑکی کے ادنیٰ ادنیٰ خیالات سے بھی مسز کروڈ بلا اظہار واقف ہو جاتی تھی۔ اگر لڑکی نے چائے لانے کا ارادہ کیا تو مسز کروڈ چائے پینے کے لئے طیار ہو کر بیٹھ جاتی۔ کھانا طیار ہو کر میز پر لانے لگی تو مسز کروڈ طیار ہو گئی۔ مسز کروڈ کے لباس تبدیل کرنے کا لڑکی کو خیال ہوا تو مسز کروڈ اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ گویا ماں بیٹی کے قلوب میں ایک برقی تعلق اس قدر عجلت اور صحت سے کار فرما ہونے لگا کہ کسی معاملہ میں ظاہری حواس سے کام لینے کی ضرورت باقی انتقال خیالات کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ مسز کروڈ صرف ہاتھ سے چھو کر رنگ بتا سکتی تھی۔ تصاویر اور فوٹو شناخت کر سکتی تھی۔ مسز کروڈ کے قوائے باطنی کے متعلق مختلف اخبارات اور رسائل میں مضامین شائع ہوتے رہے اور طبی مبصرین نے سائیکولاجیکل میگزین ادیڈیسن Psychological magzine of medicine

---

(1). Mrs Crude (2) Redland, Bristol.

میں اپنی آرائ کا اظہار کیا۔ ریویرنڈ ٹیپس Rev : Tapps نے ریویو اور ریویوز Review of Reviews میں اس پر ایک بسیط اور عالمانہ مضمون لکھا تھا۔ ہاتھ سے چھو کر یا سونگھ کر رنگ بتا دینے کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ ضلع میرٹھ میں ایک نابینا صاحب ہیں۔ ابھی کم سن ہی تھے کہ چیچک کے ظالمانہ حملہ میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد قوائے دماغی میں عجیب تبدیلی واقعہ ہوئی اور ان کی قوت شامہ اور لامسہ نے باصرہ کا جزوی کام دینا شروع کیا۔ وہ کاغذ کپڑا کسی رنگ کا ہو محض سونگھنے سے اس کا رنگ بتا سکتے تھے ایک مرتبہ ایک ریاست کے افسر اعلیٰ نے جو اس پر یقین نہ رکھتے تھے حافظ کے ہاتھ میں امتحاناً ایک نکٹائی ایسی دی جس پر تین مختلف رنگوں کی دھاریاں تھیں۔ حافظ صاحب نے سونگھتے ہی بتلایا کہ اس میں مختلف رنگ ہیں اور پھر ٹائی کو اپنی ناک کے قریب رکھکر اس طرح لپیٹنا شروع کیا کہ ایک ایک رنگ کی دھاری علیحدہ علیحدہ کر دی اور بتلا دی۔ اس پر حاضرین سخت متعجب ہوئے تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ بوجہ نزلہ کے آج میرا دماغ صاف نہیں ہے ورنہ میں ایک ہی مرتبہ سونگھ کر تینوں رنگ بتلا سکتا تھا۔ اس کے بعد تمباکو کی بیڑیوں کے بنڈل پر جو مختلف رنگ کے سرخ اور بسنتی کاغذ ہوتے ہیں وہ دو تین حافظ صاحب کو دے گئے تو ایک ایک کا رنگ انہوں نے درست طور پر بتا دیا۔ حافظ صاحب بہ بیان کرنے سے قاصر تھے کہ وہ کونسی طاقت ہے یا کیا خاص قسم کی بو ان کا دماغ محسوس کرتا ہے جس سے وہ الوان مختلفہ میں تمیز کر سکتے ہیں۔

حافظ صاحب کی اس غیر معمولی قوت کا باعث خواہ کچھ ہی ہو مسز کرڈ میں قوائ باصرہ۔ سامعہ کا فقدان اور دوسروں کے خیالات اخذ کر لینے کی قوت اور روحانی نظر یا بصیرت سے سماعت و بصارت کی کمی پوری کر لینے کی طاقت نے علم طب اور علم نفسیات کے ماہرین کو ایک زمانہ سرگرداں رکھا۔ اور اس مسئلہ پر اس قدر بحث و تمحیص ہوئی کہ مختلف رسائل کے کالموں کے کالم سیاہ ہوتے رہے اور پبلک بھی مضطربانہ اس بحث کا انتظار کرتی رہی۔

مزمن امراض سے روحانی قوت کا پیدا ہونا

ا۔ مس الیزا ہملٹن کے حالات سے پایا جاتا ہے کہ مزمن اور شدید امراض میں مبتلا رہنے سے روح کی آلودگی دور ہو کر صفائی پیدا ہو جاتی ہے اور مریض کے قوائے باطنی حیرت انگیز طریقہ پر ترقی کر جاتے ہیں۔ مس الیزا ہملٹن پہ فالج کا حملہ ہوا۔ اس کے اعضا اور دایاں ہاتھ شل ہو گئے۔ بہ سبیل علاج چار ماہ تک متواتر وہ ہسپتال میں داخل رہی۔ اور اس عرصہ میں وہ خاموش اور معمول سے زیادہ متین تھی۔ اس کا باعث مرض ہو یا جسمانی تکلیف یا دماغی صدمہ۔ بہر حال جب چار ماہ کے بعد اس کو اپنے گھر لے گئے تو اس کی یہ کیفیت ہونے لگی کہ کسی کسی وقت وہ نیم مدہوش ہو جاتی اور اس کے بعد

ہوش میں آکر بتاتی کہ وہ فلاں فلاں شخص سے ملی۔ ان سے یہ باتیں ہوئیں اور بسا اوقات ان لوگوں سے اپنی ملاقات کا اظہار کرتی جو عرصہ سے داعی اجل کو لبیک کہہ کر دنیائے فانی کو چھوڑ چکے تھے اور وہ آئندہ وقوع پذیر ہونے والے معاملات کا بھی تذکرہ کرتی جو بالکل اس کی پیشگوئی کے مطابق وقوع میں آئے۔

مسٹر ہڈسن ٹٹل کا بیان ہے کہ مس الیزا کے والد کا ایک دوست لیڈس میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کا خط آیا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اس کی لڑکی عرصہ تقریباً ایک ماہ سے غائب ہے اور وہ اسکی جدائی میں نہایت بیتاب ہے۔ الیزا کے والد نے یہ خط الیزا کے سامنے پڑھا۔ الیزا پر خط سنتے ہی نیم خوابی یا نیم مدہوشی کا عالم طاری ہو گیا اور وہ بول اٹھی "خوش ہو جاؤ کہ بیٹے گم شدہ لڑکی کو پا لیا ہے۔ وہ فرشتوں کی دنیا میں ہے اور بہت خوش ہے اس نے پھر بتلایا کہ لڑکی ایک ایسے مقام پر جہاں رنگریز اپنے کپڑے دھوتے ہیں پانی میں گر کر ڈوب گئی تھی۔ اگر تلاش بھی کی جاتی تو اس کی لاش دستیاب نہ ہو سکتی۔ البتہ اب اس کی لاش پانی کے اوپر آ کر بہ رہی ہے اور دریائے ایر[1] میں فلاں مقام پر مل جائیگی۔ چنانچہ وہ لاش عین اس مقام سے مل گئی۔

مس الیزا کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ سن نہیں سکتی تھی اور اس کے حواس جسمانی تعطل کی حالت میں تھے تو اسکی اسقدر دوربینی اور صاف دیکھنے کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟

اس کے حالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح جسمانی قوٰے کی پابند نہیں ہے اور نہ جسمانی حواس کی محتاج ہے۔ روح بغیر آنکھوں کی مدد کے دیکھ سکتی ہے کانوں کے بغیر سن سکتی ہے۔ اعصاب جب بے حس ہوں تو یہ محسوس کر سکتی ہے۔ اور اس سے بھی یہی نکلتا ہے کہ یہ ظاہری حواس سے متعلق نہیں ہے اور خارجی دنیا سے اس کا کوئی اور خاص ذریعہ رسل و رسائل بھی ہے +

(باقی باقی)

1. River Aire

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غریب نونہال

میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ باکلوتا۔ وہ اپنی عمر کے سترھویں برس میں ہے۔ مجھے اس سے بہت محبت ہے میں اس کا مفتون ہوں۔ مگر باوجود اسکے میں اسکو اپنے بعد تونگری کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا، کیونکہ میں مفلس ہوں لیکن مجھ کو نہ اس کا غم ہے نہ افسوس، کیونکہ مجھے اللہ کے فضل، اسکی مدد، اسکی رحمت، اسکے احسان سے یہ امید ہے کہ میں اسکے واسطے عقل وادب کی ثروت پیچھے چھوڑوں گا جو میرے نزدیک سونے چاندی کی ثروت سے ہزار بار بہتر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس طور پر پروان چڑھے کہ اپنی روزی کمانے اور زندگی بنانے میں اسکا بھروسہ اپنے آپ پر ہو۔ کسی اور چیز پر نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس دولت پر بھی نہ ہو جو اس کا باپ اسکے لئے اپنے پیچھے چھوڑے اور جس شخص کی نشوونما اس ڈھب پر ہوئی ہو۔ اور جس کا وتیرہ یہ ہو کہ وہ اپنے ہی ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی کھائے گا۔ تو وہ ایسا خوددار اور بلند نظر اٹھے گا کہ دوسرے ہاتھ کی چیز کی طرف نگاہ بھی نہ اٹھائے۔ اور صدقہ وخیرات کے مال کو کبھی ہاتھ بھی نہ لگائے۔

میں چاہتا ہوں کہ اسکی نشوونما مردانہ ہو۔ اور مردانگی کیطرف جو راستہ جاتا ہے وہ محنت مشقت ہی کیطرف سے ہو کر جاتا ہے۔ اور محنتی آدمی بلاضرورت اور بغیر حاجت کے کمتر ہی کام کیا کرتا ہے۔ کام کام میں فرق ہوتا ہے۔ ایک شخص تونگر ہے ۔ لالچ کے مارے بلاضرورت کام کرتا ہے۔ دوسرا مفلس ہے جو اپنی روٹی کمانے اور جان رکھنے کے لئے کام کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس ہولناک جماعت کا ایک فرد بن کر جیسے جو میدان حیات میں معرکہ آرا ہو کر معیشت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس پر غالب آنے کیلئے دوسرے محنتیوں کیساتھ شانہ بہ شانہ بھڑتی ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ سوچے سمجھے، جانچے، پرکھے، اور کاموں کو اسی رنگ کے کاموں کے ساتھ رکھکر مقابلہ کرلے اور چیزوں کے نتیجے انکے مقدمات سے نکالے۔ ایک بار ٹھوکر کھائے تو دوسری بار اٹھے۔ ایک وقت غلطی کرے تو دوسرے اوقات میں درستی پر رہے۔ کیونکہ جو غلطی نہیں کرتا وہ صواب کو بھی نہیں پاتا اور جو گرتا نہیں وہ اپنی زندگی کے کاموں کو سیدھی طرح چلانے کے لئے اٹھ بھی نہیں سکتا۔

یہ اس کے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ اپنے رنگ محل کے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا محنتیوں اور مزدوروں کا اسلح تماشا دیکھا کرے گویا کسی تھیئٹریکل کمپنی میں کسی ناٹک کا تماشا دیکھ رہا ہے

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ ہر طبقے سے آشنا ہو۔ سب لوگوں سے ملے۔ تلخی حیات کا مزہ چکھے، اپنی آنکھوں سے دکھیوں کے دکھ اور مصیبت زدوں کی بدبختی کا مشاہدہ کرے۔ دکھیاروں کا رونا اور دردمندوں کی آہیں اپنے کانوں سے سنے تاکہ اگر

ان سے بہتر حالت میں ہو تو اللہ کے احسان کا شکر کرے۔ اگر اس کا بھی انھیں کا سا حال ہو تو انکے رنج والم میں انکے ساتھ شرکت کرے۔ اور تاکہ اسکے دل میں مہربانی اور ہمدردی کا جذبہ پرورش پائے۔ اور وہ مفلسوں پر اس طرح شفقت کرے جیسے بھائی بھائی پر۔ اور مسکینوں پر ایسا مہربان ہو جس طرح دوست دوست پر۔

وہ تونگر جس نے اپنی زندگی میں افلاس کا ذائقہ نہیں چکھا۔ وہ بہت کم لوگوں کی مصیبتوں اور تکلیفوں پر ترس کھاتا ہے۔ اور بہت کم انکی سختیوں اور کلفتوں پر اس کا دل بھر آتا ہے اگر وہ کسی مصیبت زدہ یا غم کے مارے کی دستگیری بھی کریگا تو اس پر ترس کھا کر نہیں بلکہ احسان رکھنے اور مرہون منت بنانے کے لیئے۔

درد ہی وہ سرچشمہ ہے جس سے خیر واحسان کے تمام جذبات پھوٹ کر زمین میں بہتے ہیں۔ اور درد ہی انسانی سوسائٹی کے افراد میں سے سب سے بڑا رشتہ اور وہ ایسا ابندھن ہے جو اسکے اجناس وطبقات میں وابستگی پیدا کرتا ہے بلکہ وہی انسانیت کا مقصد اسکی روح اور اسکا جوہر ہے۔ جو شخص اس سے محروم رہے۔ وہ نفس کی تمام فضیلتوں اور اسکی تمام بزرگیوں سے محروم رہ جائے گا۔ اور انسان ناطق کی نسبت ٹھوس کڑے پتھر سے زیادہ مشابہ ہوگا۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ بھوکا رہے تاکہ سیری کی لذت سے آشنا ہو اور پیاسا رہے تاکہ سیرابی کی لذت معلوم کر سکے مشقت کرے تاکہ راحت کی خنکی کا احساس حاصل ہو اور جاگے تاکہ جی بھر کے سو سکے۔ یعنی میں اس کے لیئے وہ حقیقی سعادت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی سعادت دنیا میں نہیں ہے۔

اب دنیا کی سعادت ہے کیا؟ یہی چند لمحے جو بجلی کی چمک کی طرح ہیں یا بدبختی کی تاریکیوں میں وقتاً فوقتاً چمکتے رہتے ہیں۔ تو جو شخص ان تاریکیوں کو نہیں دیکھتا وہ لمحات سعادت کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔

سب سے زیادہ بدبخت وہ آرام طلب دولت مند ہیں جنکے لیئے زمانہ دنیا کی ساری لذتیں اور خواہشیں بہم پہنچاتا ہے۔ اور وہ ان میں لوٹتے اور اس حد تک محظوظ ہوتے رہتے ہیں کہ آخر کار وہ انکی طبیعت کو ناگوار ہو جاتی ہے۔ پھر انکی عقلوں پر تنگ دلی اور ملول کا مرض غالب ہو جاتا ہے۔ تو ان کو اپنی اس راحت سے اس سے زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے جتنی محروم کو اپنی محرومی کے عذاب سے۔ اور کبھی کبھی یہ انکے دلوں میں اس گھبراہٹ کو دور اور اپنے دلوں کو مسرور کرنے کیلئے ایسی غیر معمولی لذتوں کی ریجھ پیدا کر دیتی ہے جو نہ تو طبیعت بشری کے موافق ہوتی ہیں۔ نہ اسکے حکم کے نیچے داخل ہو سکتی ہیں۔ اور یہ بیچارے جن کو ہم ساری ساری رات جوئے کے اڈوں، شرابخانوں، گھوڑ دوڑ کے میدانوں میں جاگتے ہوئے دیکھا کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو تنگ دلی اور ملول کے قید خانوں سے مفرور ہو کر بیماری سے بیماری کا علاج کرتے اور ایک موت سے دوسری موت کی طرف بھاگتے ہیں۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ حقیقی معنوں میں غنی ہو اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ یعنی وہ بنفس خود دوسرے سے

مستغنی ہو۔ نہ کہ مالدار اور دولت مند اور مال کو اسی اعتبار سے غنا کہا گیا ہے کہ وہ غنا حاصل کرنیکا وسیلہ اور اس کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ اعتبار بے شبہ غلط ہے کیونکہ مال کے سب سے زیادہ محتاج، اسکو جمع کرنے کے سب سے زیادہ حریص اور اپنی فضیلتوں اور کرامتوں کو سب سے بڑھکر اسکے لئے خطرے میں ڈالنے والے بھی مالدار اور دولتمند لوگ ہیں اگر دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جسکو قناعت اور اعتدال کہہ سکتے ہیں تو وہ مالداروں اور دولتمندوں کے پاس اتنی نہیں پائی جاتی جتنی غریبوں اور فقیروں کے پاس۔ آدمی مال کو زندگی کا وسیلہ اور اسکے ذریعوں میں سے ایک ذریعہ سمجھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بہت سا اسکے ہاتھوں میں جمع ہو جاتا ہے، تو وہ یک لخت خود اسکی نظر میں زندگی بن جاتا ہے وہ اس کو جوڑتا رہتا ہے اور نہیں جانتا کہ کس مطلب کے لئے۔ وہ اسکو پوجتا رہتا ہے۔ حالانکہ نہ تو اسکو اسکے ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ اس عقاب کا اندیشہ۔ وہ اسکو بڑھاتا رہتا ہے اور اسکو یہ یقین ہوتا ہے کہ کثیر اس کا تو ایک طرف وہ اسکے قلیل سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ جب آدمی اپنی عقلی حالت میں اس درجے کو پہنچ جائے کہ جہاں کی حقیقتیں اسکی نظر میں منقلب اور دنیا کے قوانین متغیر ہو جائیں اور وہ سروں کو دُمیں اور دُموں کو سر، وسیلوں کو غائتیں اور غایتوں کو وسیلے سمجھنے لگے تو اسکی عقل کو سلام کہدو۔ میں یہ ناپسند نہیں کرتا کہ میرا بیٹا تونگری کی حالت میں پھلے پھولے، اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اسکو مفلسی اور اسکی آفتوں کے خطرات میں ڈالدوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تونگری اس کے حق میں غریبی سے زیادہ خوفناک ہوگی۔

مجھے خطرہ ہے کہ وہ مال کو بہت کچھ سمجھ لے، اس کا اندازہ اسکی قدر سے بڑھکر کرے۔ اسکو پورا انسانی کمال یا در کر بیٹھے اور اپنے اخلاق کی اصلاح اور نفس کی تہذیب کی فکر نہ کرے اور اس کو اپنے دوست آشناؤں میں کوئی ایسا آئینہ نہ ملے جو اسکے عیب اور نقص اسکو دکھاتا رہے کیونکہ مالداروں کے ہمصحبت عموماً خوشامدی اور چاپلوس ہوتے ہیں جو ان کی برائیوں کو چھپاتے اور خوبیوں کو سنگارتے رہتے ہیں۔

مجھے خطرہ ہے کہ اس کا نفس "ایک ٹھوس مادی چیز" نہ بن جائے کہ شئونِ حیات میں سے ایک مادہ کے سوا کچھ سمجھ نہ سکے اور اسکے سوا کسی چیز سے سروکار نہ رکھے، حاصل یہ کہ ایک سنگدل مردہ نفس مردہ جذبات شخص بن جائے نہ کسی مصیبت زدہ پر رحم کرے، نہ کسی غمگین کو دلاسا دے، نہ اپنی ماں پر ترس کھائے، نہ وطن کے حال پر گریہ کرے اور نہ دنیا جہان کے کسی نیک یا بد کام میں شریک ہو اور جب تک کہ قسمت یاور اور خوشحالی میسر ہے اس کو اس بات کی پروا بھی نہ ہو کہ آسمان زمین پر گر پڑا یا اپنی جگہ پر باقی ہے؟

مجھے خطرہ ہے کہ وہ علم کو ناچیز سمجھے گا اور فنون و آداب اور عقول و فضائل کی تحقیر کریگا اور اپنی قوم کیلئے مایہ ننگ و عار اور ایک ایسا کلنک کا ٹیکا بن جائے گا جو کبھی اس کے ماتھے سے اتر نہ سکے۔

جس شخص کے دل میں مال کی محبت رچ جاتی ہے، وہ زر پرست بن جاتا ہے وہ مالداروں کے سوا کسی کا کوئی وزن نہیں سمجھتا، اس کو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ مالداروں کے سوا جتنے لوگ ہیں ان کی عالم زندگی میں کوئی شان نہیں بلکہ جہان ہستی میں ان کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

مجھے خطرہ ہے۔ کہ اگر وہ شادی کریگا تو کسی مالدار عورت ہی سے شادی کریگا، وہ دیکھے گا کہ وہی اس کی منزلت اورشان کے لائق ہے۔ اور جو شخص اپنی بیوی کیلئے مالداری کو شرط ٹھہرائے وہ اسکے سوا کسی اور شرط کو درمیان میں نہیں لاسکتا پھر وہ ایسی بدبختی کے گڑھے میں گرا کرتا ہے جہاں سے ساری عمر نکلنا نصیب نہ ہو، اور نہ وہاں کوئی مال کام آئے نہ جاہ۔

مجھے خطرہ ہے کہ اگر اسکے ہاں بچہ پیدا ہو تو وہ اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کیلئے کوئی فرصت کی گھڑی نہ نکال سکے، اور اسکو بچپن میں نوکروں چاکروں کے ہاتھ اور جوانی میں برے دوستوں کے ہاتھوں میں چھوڑ رکھے تو وہ اسکی زندگی میں ایک بہت بڑی آفت اور موت کے بعد ایک دائمی عار ثابت ہو۔

مجھے خطرہ ہے کہ اسکے دن اور اسکی راتیں خوف وہراس ترسیدہ دلی اور پریشان خاطری میں گزرینگی۔ اگر خسارہ ہو، تو خسارہ اسکو مارہی ڈالے گا۔ اگر نفع نہ ہوا تو نفع نہ ہونے کا غم اسکو کھائے گا۔ نرخوں کا گرنا، بھاؤ کا اترنا، بازار کا مندا، مقدمات کا ہرنا آسمان کی آفتیں، زمین کی بلائیں اس پر آرام وآسائش اور خواب وخورش حرام کردینگی وہ مفلس اتنا غمناک نہیں ہوتا جسکے پاس ایک ہی آخری درم ہو اور دوسرا حاصل کرنیکی کوئی سبیل اسکے پاس نہ ہو اور وہ اسکو اپنی جان پر خرچ کردے جتنا ایک بخیل مالدار اپنے اس پیسے کا غم کھاتا ہے جو اسکے ایک کروڑ میں سے کم ہو جاتا ہے اور اسکی خواہش ہوتی ہے کہ اس سے اپنا کروڑ پورا کرلے۔ اس فلاکت زدہ مسکین کی رات جسکے بچے بھوک کے مارے اسکے ارد گرد چلارہے ہیں اور اسکے پاس اتنا بھی نہیں جس سے انکی رہی سہی جان بچاسکے اس زردار کی رات سے زیادہ لمبی نہیں ہوتی جسکو اچانک یہ خبر گوش زد ہو جاتی ہے۔ کہ تیرا فلاں سامان تباہ ہو گیا ہے یا فلاں حصہ تیرے ... میں سے گر گیا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے ایک شخص دیکھا ہے کہ وہ کھڑا اپنی ایک کوٹھی کو جلتے دیکھ رہا تھا اور وہیں پاگل ہو گیا۔ اور میں نے ایسے بہت سے حوادث سنے ہیں کہ مالدار اپنے مالی نقصانوں اور تجارتی گھاٹوں کے بعد خود کشی کرکے مر گئے یا غش کھا کر گر گئے، حالانکہ وہ نقصانات اور خسارے اتنے بڑے نہ تھے کہ ان کو مفلس ونادار کردیں بلکہ بسا اوقات ان کا اثر اتنا ہی تھا کہ ان کی ثروت کا درجہ ذرا نیچا ہو جاتا ہے۔

مجھے خطرہ ہے کہ مبادا وہ ایسے وارثوں کی مانند ہو جن کو اپنی عمر بھر سوا اپنی زندگی تباہ اور باپ دادا کا ترکہ برباد کرنے کے اور کوئی شغل ہی نہیں ہوتا۔ پھر میں اپنی قبر میں اپنی قسمت پر روتا، دانت پیستا اور یہ حسرت کرتا ہوں

کہ کاش جب میں دنیا سے منہ موڑتا تو نہ وہاں کوئی مال چھوڑتا اور نہ کوئی اولاد۔
مجھے یہ بات بھولتی ہی نہیں کہ میں چند سال ہوئے قاہرہ کی ایک سڑک پر گزر رہا تھا میں نے اسکے ایک ہی مکان میں دو مختلف منظر دیکھے۔ بالکل ایک دوسرے کے برعکس۔ ایک نوجوان دیکھا جس کو مال ورثہ میں ملا تھا، ایک دکان میں بیٹھا نازو نعمت کی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ اور دوسرا مصیبت کا مارا قریب ہی ایک چبوترے کے نیچے اپنی بدحالی میں مضطرب ہے۔

پہلا شراب اور جوئے کے دو میزوں کے بیچ بیٹھا ہوا تھا ایک میز اسکی عقل سلب کر رہا تھا۔ دوسرا اس کا مال ایک بدلگاموں اور بے مہاروں کی جماعت اسکو حلقہ کئے ہوئے اسطرح اسکی عقل سے کھیل رہی تھی جسطرح اطفال گوئے میدان سے۔ یہ لوگ اسکے نکات پر ہنستے، اسکے اقوال پر آمنا و صدقنا کہتے، اسکی گپوں کی تصدیق کرتے، اسکی حرکت پر ہلتے اور اسکے سکون پر ساکن ہوتے تھے۔ اور وہ انکے درمیان بگلوں کی طرح ہنستا اور لومڑوں کی طرح چلاتا تھا۔ اور دوسرا بیچارہ بالکل برہنہ تن صرف ایک پارچہ بدن پر جو بمشکل ستر پوشی کیلئے سکتنی تھا۔ کبھی کبھی جب ان کی ہنسی اور شور و غل کی آواز کان پڑتی تو ایک آنکھ کھول لیتا، اور جب کبھی کسی پاس سے گزرنیوالی گاڑی کی آہٹ پاتا تو اپنے گھٹنے سمیٹ کر سینے سے لگا لیتا۔ یا کسی وقت اس کے تصور میں کوئی احسان کا ہاتھ اسکی طرف بڑھتا نظر آتا تو آنکھیں بند کئے اپنا ہاتھ پھیلا دیتا۔ مگر وہاں نہ تو کوئی ہاتھ تھا نہ کوئی احسان۔ جب میں نے یہ دو نو عجیب اور ایک دوسرے کے متخالف منظر دیکھے تو اسوقت میرے دل میں دو مختلف جذبے پیدا ہوئے۔ پہلے کیلئے بغض و نفرت کا جذبہ۔ اور دوسرے کے لئے رحمت و شفقت کا جذبہ۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ اگر میرا کوئی لڑکا ہوا اور اس کا ان دونوں میں سے ایک ہونا ناگزیر ہو۔ یا تو ایسا وارث چبوترے پر بیٹھا زر بکھیر رہا ہے یا ایسا بدبخت جو اسکے نیچے لیٹا ہوا لوگوں سے ایک لقمے کا سائل ہے اور نہیں پاتا۔ تو میں اسی کو ترجیح دیتا کہ میں اس کو ان وارثوں کی جماعت میں دیکھنے کی بجائے ان فلاکت زدوں کے گروہ میں دیکھوں۔ کیونکہ اس دوسری حالت میں مجھے یہ امید تو ہوتی کہ کوئی رحمدل اس پر احسان کرکے اسکو اسکی بدبختی سے چھڑا دے گا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حیات طیبہ کی راہ میں اس کو ڈال دے گا۔ لیکن دوسری حالت میں مجھے اس کے لئے کوئی امید نہیں۔

رحمدلی اور مہربانی میں بھی ایک ویسی ہی بے احتیاطی ہوتی ہے جیسی سنگدلی اور سختی میں۔ اور سب سے بے احتیاط وہ مہربان ہے جو ساری عمر اپنی اولاد کے لئے ثروت جمع کرنے میں۔ رات دن ایک کرتا رہتا ہے اور انکی تعلیم و تربیت کے کام سے اس لئے غفلت کرتا ہے کہ کاروبار زندگی سے انکے دلوں کو کسی طرح کی بے آرامی نہ ہو پھر جب آپ دنیا سے کوچ کر جاتا ہے اور انکے اور اس مال کے درمیان جو انکے واسطے جمع کیا تھا راستہ خالی

کر جاتا ہے تو انکو اس مال سے اس سے زیادہ سروکار نہیں ہوتا جتنا کہ قلیوں اور پلّے داروں کو اپنی اپنی لادی سے، جس کو اٹھا کر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں۔ سو یہ بھی اس مال کو اپنے خزانے سے میفروشوں، سودخواروں، اور بھڑووں کے خزانوں میں ڈھو ڈھو کر ڈالتے رہتے ہیں یہانتک کہ وہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر فارغ ہو کر اپنے سنسان آنگنوں میں رونی صورت غم کی مورت تہی دست تہی جیب بے حیلہ بے وسیلہ سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی زندگی تباہ کی، باپ کی زندگی برباد کی، اور داداؤں کی زندگیاں خراب کیں اور صرف ایک بادہوسی سال میں ایک پوری صدی کو سر سے پا تک منہدم کر کے چھوڑ دیا اور یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ بعد اسکے ان کی کیا درگت ہوگی۔

اگر باپ ان پر حقیقی رحمت اور سچی شفقت کرتا تو انکو اس تلخ انجام اور نافرجام میراث سے بچانے کے لئے کرتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ مفلسی جرائم پر آمادہ کرتی ہے، قتل و سرقہ پر ابھارتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اگر ہم جرم کو اس کے اصلی معنی پر سمجھ سکیں اور الفاظ کی صورتوں سے دھوکا نہ کھائیں تو ہم کو معلوم ہو جائے کہ جس طرح نادار جرم کرتے ہیں زردار بھی جرم کرتے ہیں بلکہ انکے جرائم ان سے زیادہ پرخطر اور ہولناک ہوتے ہیں۔ اگر ناداروں میں چور، ڈاکو، گٹھ کترے، اٹھائی گیرے اور خونی ہوا کرتے ہیں تو زرداروں میں بھی مکار، حیلہ گر، چاپلوس، خائن، غاصب اور طرفدار ہوا کرتے ہیں۔ کارخانے دار، کمپنیوں کے مالک جو اپنے مزدوروں کا لہو پی پی کر پلتے ہیں۔ سوداگر جو تجارتی آزادی کے نام سے لوگوں کا اتنا مال چرا لیتے ہیں جتنا سارے شہر کے چور اور اچکے سارے سال میں نہیں چرا سکتے، اسی طرح منتظم ہیں اور سرپرست ہیں جو وارثوں کی بجائے ترکوں کے وارث ہو کر یتیموں اور بیہوشوں کا مال انتظام اور حفاظت کے بہانے کھاتے ہیں، دلال جو بازاروں کو سموچہ لوٹ لیتے ہیں اور مہاجن جو ساری دولت و ثروت کو جھپٹ لے جاتے ہیں۔

مزید برآں چوری اور قتل ناداری کے جرائم نہیں ہیں بلکہ زرداری کے جرائم ہیں۔ اگر زردار حریص بخیل ہونیکی وجہ سے اپنے مالوں کو غریبوں سے سمیٹ سمیٹ کر نہ رکھتے تو روئے زمین پر نہ کوئی قاتل ملتا نہ چور نہ بیمار۔ چور چوری کرتا ہے، لٹیرا لوٹتا ہے، تو محض اس لئے کہ اس کو اس کا وہ حق نہیں دیا گیا جو اسکو پہنچنا چاہیئے تھا۔ اگر مال کی زکوٰۃ ہوتی اور رحمت کو دلوں کی طرف رستہ ملتا تو زردار مدرسے کھولتے، غریب خانے بناتے، بیکاروں اور لاوارثوں کے لئے کارخانے جاری کرتے۔ اور خستہ حالوں اور افتادوں کی طرف اعانت کا ہاتھ بڑھاتے۔ پھر اسکے بعد بھی اگر چور خونی اور مجھے نظر آتے تو ناداری پر الزام لگاتے اور اسکے جرموں اور گناہوں کی شکایت کرتے۔

میں نہ تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زرداری اخلاق کے بگڑ جانے کی علت ہے۔ نہ یہ کہ ناداری انسان کی درستی کا سبب ہے۔ لیکن تجربہ اور تلاش کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ناداروں کے بیٹے تو اکثر کامیاب دیکھے ہیں اور زرداروں کے قدر قلیل سے زائد نہیں۔

علوم و معارف، مخترعات، اور زمانہ حال کی نئی نئی ایجادیں یہ سب کی سب ناداری کی نیکیوں میں سے ایک نیکی اور اسکے پھلوں میں سے ایک پھل ہیں۔ یہ روشنائی جس سے رسالے اور کتابیں لکھی جاتی ہیں کیا ہے ؟ فاقہ اور مصیبت کے آنسو، یہ اونچے افکار اور پختہ خیالات جنہوں نے مدنیتِ حاضرہ کی شان کو بلند کر رکھا ہے۔ کیا چیز ہیں ؟ یہی غموں اور فکروں کی آگ سے جلے ہوئے دماغوں کے بخارات۔ خیالات شعریہ اور تصورات فنیہ کے چشمے اگر پھوٹے ہیں تو ان ہی محزون قلبوں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کے شگافوں سے۔ اور عقل و ذکا کے سورجوں نے اگر زمین کے پوربوں اور پچھموں میں طلوع کیا ہے تو انہی سنسان گوشوں اور ناچیز جھونپڑیوں کی تاریکیوں سے۔ اگر فلسفیوں عالموں حکیموں اور ادیبوں نے ناداری کے پالنوں اور مفلسی کی گودوں میں کمال حاصل نہیں کیا تو کہاں سے کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ اگر مفلسی نہ ہوتی تو تونگری بھی نہ ہوتی، اور اگر بدبختی نہ ہوتی تو نیک بختی بھی نہ ہوتی۔

آج انسانی سوسائٹی میدان حرب بنی ہوئی ہے۔ جس میں لوگ معرکہ آرا اور مصروف جنگ و پیکار ہیں، کوئی کسی پر رحم نہیں کرتا، آگے بڑھنے والا پیچھے بھاگنے والے کی طرف منہ پھیر کر نہیں دیکھتا، دوڑتے بھاگتے بھڑتے ٹکراتے، بہکتے بھٹکتے چلے جارہے ہیں ہر ایک دوسرے کا گلا دبائے ہوئے ہے۔ گویا کسی معرکے یا پاگل خانے کے بھگوڑے ہیں شرف و فضیلت کے خون انکے پاؤں کے نیچے بہتے اور سمندر کی موجوں کی طرح لہراتے ہیں۔ ڈوبنے والے ان میں ڈوب رہے اور بچنے والے بچ رہے ہیں۔

تم جانتے ہو کہ یہ سوشل حالت اس خوفناک حد تک کہ کسی گذشتہ زمانے میں اسکی مثال نہیں ملتی کیوں گر گئی ہے؟ اور خاص و عام عالم و جاہل ہر شخص کے دماغ میں یہ اجتماعی جنون کیوں گھول رہا ہے۔ اور یہ آئے دن کی جنگیں، ہمیشہ کی بغاوتیں اور لگاتار نزاعیں نوع بشر کی جماعتوں، فردوں، قبیلوں، قوموں ملکوں اور حکومتوں کے درمیان کیوں برپا ہیں ؟

اس کا صرف ایک ہی سبب ہے اور کوئی نہیں، وہ یہ کہ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ مال ہی خوشحالی کی اساس ہے۔ اور اسی میزان سے وہ تلتی ہے۔ سو وہ اسی کی طرف بھاگتے دوڑتے ہیں۔ زندگی کے ضروری گزارنے کے لئے نہیں، جوڑنے اور اکٹھا کرنے کے لئے۔ اور مال کی مقدار ہے دنیا میں محدود، اتنا موجود نہیں جس سے سارے خزانے لبریز اور ساری خواہشوں کا پیٹ بھر جاتے، اس لئے ان کی آپس میں نوچ کھسوٹ اور چھینا جھپٹی اسی طرح ہوتی رہتی ہے جیسی مردار کے گرد کتوں کی۔ اور وہ اپنی اس کارگزاری کا نام رکھتے ہیں، کشمکش حیات یا تنازع للبقاء۔ حالانکہ وہ کوئی کشمکش یا تنازع نہیں۔

بلکہ جنگ و پیکار ہے، خون رواں ہے، عداوت دائمی ہے، شقاوت جاودانی ہے۔ اور اس خطرناک اضطراب خیز حالت کا علاجِ وحید یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو معلوم کر لیں کہ مال اور خوشحالی میں کوئی جوڑ میل نہیں اور دل کی راحت اور زندگی کی سعادت کا ایک ہی رستہ ہے جس کو اعتدال کہتے ہیں۔

اب میں ملامت و عتاب سے بے خوف ہو کر امیر نوجوان کے مقابل غریب نوجوان کے حق میں بے رو و ریا بغیر کسی رعایت یا طرفداری کے فیصلہ کر سکتا ہوں، اور کون غریبوں کی رعایت اور طرفداری کیا کرتا ہے؟ اور اس نوجوان کو کہہ سکتا ہوں۔ کہ بیٹا صبر کر اور تسلی رکھ کہ تو صرف کام کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ سو کام کرتا رہ اور محنت کرتا رہ، اور اپنی زندگی میں بجز اپنی ذات کے اور کسی پر بھروسا نہ کر اور اسی فصل کو کاٹ جو تیرے ہاتھوں نے بوئی ہے۔ اگر تجھ کو تعلیم کے لئے معلم نہ ملے تو خود اپنے آپکو تعلیم دے اور زمانہ بہتر ادب آموز ہے۔ اگر مدرسوں میں تجھ کو جگہ نہ ملے تو مدرسۂ عالم میں تعلیم حاصل کر کہ اس میں تمام زندگی کے علوم موجود ہیں۔ اگر تو پست ہمت ناتوانوں کی مانند سرکاری منصبوں اور نوکریوں کو بڑی غنیمت نہیں سمجھتا تو یہ زمین کی فضا تیرے سامنے ہے۔ اس میں چل پھر اور شکاری پرندوں کی طرح اپنی روزی تلاش کر تو عقل و دانش حیلہ و تدبیر میں ان سے کہیں فائق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تجھ کو اس جہان میں اسلئے پیدا نہیں کیا کہ تو بھوکا پیاسا مرے۔ اور جو کوئی تجھ کو یہ کہے کہ غنی نوجوان تجھ سے زیادہ بہرہ ور اور خوش نصیب ہے تو اس کی بات کا اعتبار نہ کر اگرچہ اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ تجھ کو بھلی ہی معلوم ہو۔ یاد رکھ ہر شخص کے اپنے اپنے غم، اپنے اپنے رنج ہوتے ہیں۔ غریبی کے افکار کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں، زندگی کے سارے غموں سے تھوڑے سے بھی ہوتے ہیں اور ہلکے بھی۔

تجھے دنیا کی اتنی ہی سعادت کافی ہے کہ تیرا ضمیر پاک نفس ساکن، اور دل شریف ہو، اور تو اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اپنی محنت و کوشش کے پھل اپنی آنکھوں کے سامنے بڑھتے پھولتے اور لہلہاتے دیکھے اور ان کو دیکھ کر اس کسان کی طرح باغ باغ ہو جو اپنی اس زمین کو جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے جوتا بویا اور اپنے ماتھے کے پسینے سے سینچا پلایا ہے سرسبز و سیر حاصل دیکھ کر پھولا نہیں سماتا۔"

(عبدالحق عباس ترجمہ)

"مسلمہ"

"بہشتی دروازہ"
برمی سیاحوں کی ڈائری کا تیسرا ورق

(جناب افضل جالندھری)

"جالندھر شہر مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۳۱ء"

"شہر کے جنوب مشرقی اطراف میں کمپنی باغ سے ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلہ پر۔ ایک چھوٹا سا قبرستان واقع ہے جو عرف عام میں "بہشتی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ قبرستان میں داخل ہوں تو آپ کو بائیں طرف چار مقبرے نظر آئیں گے جو شرقاً غرباً پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرق کی جانب جو دوسرا مقبرہ ہے وہ حضرت علیم اللہ صاحبؒ کی آخری آرامگاہ ہے اور انہی کے مزار سے اس قبرستان کی شہرت وابستہ ہے

حضرت علیم اللہ صاحبؒ کے مزار کے مشرق میں جو گنبد ہے۔ اسکے نیچے ہدایت اللہ شاہ کا مزار ہے اور جو مقبرے مغرب کی طرف واقع ہیں ان میں علی الترتیب عنایت اللہ شاہ صاحبؒ اور فتح اللہ شاہ صاحبؒ کی قبریں ہیں۔ یہ تینوں بزرگ حضرت علیم اللہ صاحبؒ کی آل میں سے ہیں۔ انکے علاوہ اس قبرستان میں لاتعداد قبریں شرقاً غرباً قطار در قطار موجود ہیں۔ بعض پختہ بنی ہوئی ہیں۔ مگر اکثر کچی ہیں۔ یہ سب قبریں حضرت علیم اللہ صاحبؒ کی آل۔ ان کے مریدوں اور مریدنیوں کی بتائی جاتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کے نشانات مٹ چکے ہیں۔

وہی مشکل جو ہمیں حضرت امام ناصرالدینؒ کی زندگی کے حالات معلوم کرنے میں پیش آئی تھی۔ بدقسمتی سے علیم اللہ صاحبؒ کی سوانح حیات حاصل کرنے میں بھی ہوئی۔ انکی نسبت بھی مشہور ہے کہ خانقاہ کے سجادہ نشین کے پاس چند قلمی نسخے موجود ہیں جن میں علیم اللہ صاحبؒ کے مفصل سوانح درج ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اسکو کتابی صورت میں شائع کیوں نہیں کیا جاتا؟ وہ کونسی مصلحت ہے جو اسکی اشاعت میں مانع ہے؟ اگر بزرگان دین کے صحیح حالات لوگوں تک پہنچائے جائیں تو اس سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کسی قسم کے نقصان کا احتمال نہیں۔ بزرگوں کی سیرت غائت درجہ نصیحت بخش ہوتی ہے۔ ان کے خیالات، ان کے شاندار کارنامے، انکی ریاضت، انکساری، پرہیزگاری، خدا پرستی، قربانی، سخاوت، انکا استقلال، تحمل، عفو، غرضیکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو سبق آموز ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو عوام خصوصاً نوجوانوں کے مطالعہ میں آنی چاہئیں تاکہ ان سے وہ اپنا کیرکٹر بنانے میں مدد حاصل کر سکیں۔ مگر انہیں تعرِ گمنامی میں پڑے رہنے دینا سراسر دوراندیشی کے منافی ہے، بلکہ بسا اوقات، بزرگوں کی زندگی کے صحیح حالات کی غیر موجودگی میں نقصان کا زیادہ احتمال ہے۔ کیونکہ اسطرح عوام میں بہت سی غلط روایات مشہور ہو جاتی ہیں۔ جو یقیناً بزرگوں کی روحانی اذیت کا باعث ہونگی۔ اور

جنکا دور کرنا از بس دشوار ہے۔ کیونکہ اس قسم کی غلط روایات امتداد زمانہ سے عوام کا جزو ایمان بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر
حضرت شمس تبریزیؒ کے متعلق پنجاب میں ایک روایت مشہور ہے کہ ملتان کے طبقہ علماء اہل قضا اور اہل شریعت کے فتویٰ و
ایماء سے حاکم وقت نے شمس تبریزیؒ کا چمڑا انکے جیتے جی اتروا لیا تھا اور جب چمڑا اتار لیا گیا تو شمسؒ نے کباب کھانے کی خواہش کی
لیکن کوئی شخص انکی آرزو پورا کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر انہوں نے خود اپنے گوشت کا ٹکڑا الگ کیا اور اسی کو بھوننے کیلئے آفتاب
کو اپنے قریب بلوا لیا۔ جو سوا نیزہ کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا۔ جسکی حرارت و حدت سے کباب بھون کر کھا لیا گیا لیکن یہ روایت سوائے زبان خلق کے
اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ کوئی کتاب اور کوئی تاریخ اس روایت کا حوالہ دینے کی تصدیق نہیں کرتی۔ مولانا شمسؒ کے حالات و واقعات سے ظاہر ہے کہ
وہ کبھی پنجاب یا ملتان میں آئے ہی نہیں اور انکی عمر کا آخری حصہ مولانا روم کے ساتھ بسر ہوا۔ نفحات الانس اور مناقب العارفین میں لکھا ہے
کہ حضرت شمسؒ کو مولانا رومؒ کے بعض مریدوں نے قتل کر ڈالا تھا اور اسی سازش میں مولانا رومؒ کے صاحبزادے علاؤالدین بھی شریک تھے
اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سوا نیزہ آفتاب کا واقعہ بالکل غلط بلکہ محض گپ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صرف جالندھر میں متعدد بزرگ
ہو گزرے ہیں۔ مگر انکی صحیح سوانحعمری افسوس ہے کسی کو بھی معلوم نہیں۔ بہرحال ہماری معلومات کا منبع ہمارا میزبان ہے جسکی اپنی واقفیت کا
دارومدار سنی سنائی باتوں پر ہے۔ لہٰذا انکی صحت کے ذمہ دار ہم نہیں ہو سکتے۔

حضرت علیم اللہ صاحبؒ کے مقبرہ کے جنوبی دروازہ پر صرف ایک مختصر سا فقرہ درج ہے: "تاریخ وصال آفتاب چشتیہ سنہ ۱۲۱۲" اغلباً سنہ
ہجری مراد ہے اور بس۔ انکی زندگی کے حالات صرف اسقدر معلوم ہو چکے ہیں کہ جالندھر میں پیدا ہوئے اور یہیں فوت ہوئے یہ ایک بڑے
عالم و فاضل اور صاحب کشف و کرامت تھے انکے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے بھانجے خلیفہ اور خاندان صابریہ چشتیہ کے
بانی تھے۔ دوسری روایت ہے کہ آپ حضرت میران سید بھیکؒ کے مرید تھے۔ ہمارے نزدیک مؤخر الذکر روایت زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ پہلی
روایت کے مطابق ممکن ہے وہ حضرت بابا فریدؒ کے خواہرزادے ہوں۔ مگر انکا بابا صاحبؒ کا خلیفہ اور خاندان صابریہ چشتیہ کے بانی ہونا غلط ہے۔ کیونکہ
خاندان چشتیہ صابریہ کے بانی حضرت مخدوم علاؤالدین صابرؒ کلیری ہیں جو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے تیسرے خلیفہ تھے۔ حضرت علیم اللہ صاحبؒ
کی بہت سی کرامتیں، مافوق العادت اور مافوق الفطرت باتیں عوام میں مشہور ہیں۔ جن میں سے ہم صرف دو کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

کہتے ہیں کہ ایکدن آپ پالکی میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ کی طرف شہر سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں آپ نے کہاروں سے پالکی
رکوائی۔ اور پیشاب کرنے کی غرض سے ایک طرف چلکر درختوں میں غائب ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ واپس تشریف لائے تو آپکے کپڑے
پانی میں تر چہرہ مبارک گیلی ریت سے لتھڑا ہوا اور سر میں ایک لوہے کی میخ لگی ہوئی تھی جس سے خون جاری تھا۔ کہار اور مرید یہ دیکھکر سخت
متعجب ہوئے۔ کیونکہ پانی یا ریت کا دور دور تک کوئی نشان نہ تھا۔ ان کے اصرار پر آپ نے فرمایا "سمندر میں ایک حاجیوں کا جہاز غرق ہو
رہا تھا۔ اسوقت ایک حاجی نے خلوص نیت سے دعا مانگی کہ اے علیم اللہ اگر تو ہمارا بیڑا پار کر دے تو تیرے نام کی نیاز دوں۔ چنانچہ میں اس
جہاز کو بچا کر واپس آ رہا ہوں اور یہ جو میرے سر سے خون بہہ رہا ہے یہ جہاز کی ایک میخ لگنے کا نتیجہ ہے"۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حاجی جس نے

دعا مانگی تھی۔ حج جانے کے بعد علیم اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر انکا مرید بن گیا۔ علیم اللہ صاحبؒ کے مزار کے شمال کی طرف صحن میں جو قبر ہے وہ اسی حاجی کی بتائی جاتی ہے۔

"شیخ درویشؒ نے جنکے نام پر بستی شیخ مشہور ہے اور جنکا روضہ بھی اسی بستی میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت علیم اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حج پر جانے کی اجازت مانگی جو دیدی گئی۔ شیخ درویشؒ پیدل عازم کعبہ ہوئے اور جمعہ کے دن دہلی وارد ہوئے۔ لوگوں نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور آپ سے فرمائش کی کہ وعظ فرمائیں۔ جسوقت آپ لوگوں کو پند و نصیحت فرما رہے تھے۔ اسوقت حضرت علیم اللہ صاحبؒ بھی اپنی کرامت کے زور سے ایک جوگی کے بھیس میں حاضرین میں موجود تھے۔ آپ نے شیخ درویش صاحب سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا۔ جب انہوں نے کلمہ سنایا تو آپ نے جواب دیا "یہ کلمہ کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ دوبارہ سناؤ" کلمہ دوبارہ سنایا گیا۔ مگر آپ نے پھر یہی کہا کہ "کلمہ میری سمجھ میں نہیں آیا" اسپر شیخ درویش صاحب نے جوگی سے کہا "پھر آپ ہی سنا دیں"۔ جوگی نے لا کی مد کھینچی اور ساتھ ہی غائب ہو گیا۔ درویش نے جب یہ حالت دیکھی تو حج پر جانا بھول گئے اور اس جوگی کی تلاش میں نکل گئے۔ چھ ماہ کی سرگردانی اور بادیہ پیمائی کے بعد جالندھر پہنچے اور علیم اللہ صاحب کے حضور میں جا کر تمام واقعہ سنایا۔ علیم اللہ صاحبؒ مسکرائے اور فرمانے لگے "جاؤ پچھواڑے جا کر دیکھو"۔ درویش صاحب جب وہاں گئے تو جوگی کو وہاں موجود پایا۔ جب وہاں سے واپس لوٹے تو جوگی پھر غائب تھا۔ درویش صاحب فوراً سمجھ گئے کہ یہ جوگی خود علیم اللہ صاحبؒ ہیں اور انکے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

"ہر سال یہاں ایک بڑے پیمانے پر میلہ لگتا ہے۔ چونکہ یہ میلہ محرم کی پانچویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ اسلئے اسے پانچویں کا میلہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ اسدن تمام مرد اور عورتیں علیم اللہ صاحب کے مقبرہ کے مشرقی دروازہ سے گذرتے ہیں۔ جو "بہشتی دروازہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسلئے اسے بہشتی دروازہ کا میلہ بھی کہتے ہیں۔ اس دروازہ کو خانقاہ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ واقعہ پاکپٹن شریف کے "دروازہ ارم" سے بہت دور کی نسبت ہے۔ اسلئے اسکا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

"حضرت بابا فرید شکر گنجؒ نے بتاریخ ۵ محرم ۶۶۴ھ ۹۵ سال کی عمر میں اجودھنی (پاکپٹن شریف) میں وفات پائی۔ آپکا روضہ آپکے دوسرے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے بنایا تھا۔ روضہ مبارک کے جنوبی دروازہ کی نسبت حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا تھا کہ "جو اسمیں داخل ہوا۔ اسنے امن پایا"۔ لاکھوں آدمی محرم کی ۶، ۷ تاریخ کو اس "بہشتی دروازہ" سے گذرنا اور حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد کی تعمیل کو فرض جانتے ہیں۔ اس دروازہ میں دو بھاری بھاری قفل جڑے رہتے ہیں۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ قفل وقت مقررہ پر خود بخود کھل جاتے ہیں۔ یہ انکی ضعیف الاعتقادی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ ان قفلوں میں سے ایک کی کنجی ایک مسلمان کے پاس رہتی ہے اور دوسری ایک ہندو کے پاس ہوتی ہے۔ یہ ہندو آجتک باوجود آٹھ سو سال گزر جانے کے بابا فریدؒ کے مریدوں میں اور اس کنجی کے حقدار تصور ہوتے ہیں۔ اس چابی کے ہندوؤں کے ہاتھ میں جانے کی وجہ یہ ہے کہ جس جگہ آج خانقاہ واقع ہے۔ اسجگہ پہلے ہندوؤں کا شوالہ ہوتا تھا۔ جب وقت مقررہ آجاتا ہے تو دروازے کے قفلوں کے کنجی بردار ہندو مسلمان کئی مولویوں اور عالموں کی معیت میں زائرین کے

نعروں اور ڈھول نقارے اور نفیری کے شور کے درمیان دروازہ کھول دیتے ہیں زائرین "فرید" "فرید" پکارتے ہوئے دیوانہ وار اپنے مدعائے حصول کیلئے جد وجہد کرنے لگ جاتے ہیں۔ بسا اوقات پولیس کو ترتیب اور امن قائم رکھنے کیلئے لاٹھیاں چلانی پڑتی ہیں۔ مگر عورتوں کو اس دروازہ سے گذرنے کی اجازت نہیں!

جالندھر میں "بہشتی دروازہ" کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ بابا فرید شکر گنج کا ایک معتقد "دروازہ ارم" سے گذرنے کی نیت سے پاک پٹن شریف جانے کیلئے گھر سے نکلا۔ جب وہ علیم اللہ صاحب کے مقبرہ پر پہنچا تو اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ بیماری نے اسے سفر کے ناقابل کر دیا۔ یہ شخص پاکپٹن شریف وقت مقررہ پر نہ پہنچ سکنے اور "دروازہ ارم" سے گذرنے کی سعادت سے محروم رہنے کو اپنی بدقسمتی پر محمول کرتا ہوا روتا روتا سو گیا۔ خواب میں کسی بزرگ کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ "اے شخص رو مت۔ بلکہ علیم اللہ صاحب کے مشرقی دروازہ سے گذر جا۔ تجھے "دروازہ ارم" میں داخل ہونے کا ثواب مل جائیگا"۔ چنانچہ بیدار ہونے کے بعد اسنے ایسا ہی کیا۔ ایک شخص واحد کو خاص مجبوری کی حالت میں خواب میں بشارت ہوتی ہے کہ اگر وہ پاکپٹن شریف وقت مقررہ پر پہنچ کر "دروازہ ارم" سے نہیں گزر سکتا۔ تو علیم اللہ صاحب کے مشرقی دروازہ میں داخل ہو جائے۔ اسے اسی قدر ثواب مل جائیگا۔ کیونکہ وہ اسی نیت سے گھر سے چلا تھا۔ مگر مزار شریف کے متعلقین نے یہاں بھی ایک سچ مچ "بہشتی دروازہ" بنا ڈالا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ شریعت اسلامیہ میں بیمار کو اجازت ہے کہ وہ بحالت مجبوری کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کر سکتا ہے اور اسے دوسرے نمازیوں کی طرح پوری نماز کا ثواب ملے گا۔ اگر چنگے بھلے لوگ اس شخص کو دیکھ کر مسجدوں میں جانا ترک کر دیں اور گھروں میں لیٹ کر نمازیں پڑھنا شروع کر دیں تو یقیناً وہ کسی قسم کے ثواب کے مستحق نہ ہونگے۔ لہٰذا جالندھر میں "بہشتی دروازہ" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مندرجہ بالا نظریہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر یہ "بہشتی دروازہ" صرف عورتوں کے داخل ہونے کے لئے بنایا گیا ہے تو دوسری بات ہے کیونکہ پاک پٹن شریف میں عورتوں کو "دروازہ ارم" سے گذرنے کی ممانعت ہے۔ اور یہ صنف نازک کے ساتھ صریحاً ناانصافی ہے۔ کہ مرد تو جیتے جی "بہشت" میں داخل ہونے کے حقدار ہوں اور عورتیں اس سے محروم رکھی جائیں۔ حالانکہ اسلام کا بنیادی اصول مساوات ہے ـــــ مگر ہمارے خیال میں عورتوں کے لئے ایک جدا "بہشتی دروازہ" اختراع کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ عورتوں کو "بہشتی دروازہ" سے گزرنے کی کیا حاجت ہے۔ بہشت تو خود انکے پاؤں تلے ہے!

"بہرحال جس دن اس شخص نے خواب میں کسی بزرگ کو یہ کہتے دیکھا تھا کہ علیم اللہ صاحب کا مشرقی دروازہ تمھارے لئے اس بیماری کی حالت میں بمنزلہ "دروازہ ارم" کے ہے۔ اسی دن سے جالندھر میں "بہشتی دروازہ" کی بنا رکھی گئی تھی۔ مرد اور عورتیں ہر ماہ محرم کی پانچویں تاریخ کو اس دروازہ میں داخل ہونا سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ انکا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس دروازہ سے گذریگا وہ بہشت کا حقدار ہوگا اور اسکے اگلے پچھلے تمام گناہ دھل جائیں گے!

(باقی باقی)

(ڈائری کے اس ورق کے بقیہ حصہ میں میلہ کا نقشہ دکھایا گیا ہے)

سراقہ کے معاہدہ کی تنفیذ

جب فتح مکہ کا سال آیا اور رسول خداؐ اصحاب باوفا کو لے کر حنین سے واپس ہو رہے تھے اور لشکر اس وقت "جعرانہ" میں تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص زور زور سے چلا رہا ہے "یا رسول اللہ"! اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ تک پہنچنے کے لئے انصاری سواروں کے ایک دستے میں شامل ہو گیا ہے اور پکار پکار کر کہ رہا ہے "یا رسول اللہ! میں سراقہ بن مالک ہوں۔ اور یہ میرا عہد نامہ ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس کو قریب لے آؤ! یہ وفا و احسان کا دن ہے۔ مرحبا! اے سراقہ!"

اس مقام پر سراقہ سچا پکا مسلمان ہو گیا۔ اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سیکھ لیا:

که قولِ اہلِ مروت تمام سوگند است

جانوروں سے نرم برتاؤ

اسی ضمن میں ہم ایک ایسے واقعہ کا ذکر کر دینا چاہتے جس سے معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات پر کس قدر مہربان تھے۔ اس کا ذکر ہم اس لئے کرتے ہیں کہ اس کا تعلق سراقہ سے ہے اور اس کا ظہور اس کے اسلام لانے کے وقت ہوا ہے۔

سراقہ نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا: "اگر کسی کا بھٹکا ہوا اونٹ اس حوض پر آ کر پانی پی لے جس کو میں نے اپنے اونٹوں کے لئے بھرا ہے تو اس کا کچھ اجر مجھ کو ملے گا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "نعم فی کل ذات کبد حرّی اجر"
"ہاں! ہر تشنہ جگر کے بارے میں اجر ہے"۔ اس حدیث نبوی میں حیوانات سے بلطف پیش آنے کا بہتر سبق ہے۔

یہاں تک عہد رسالت کے وہ معاہدات و محالفات جن کا ہم ذکر کرنا چاہتے تھے ختم ہو جاتے ہیں۔

ہاں، اس باب کے ساتھ ہم ایک دوسری قسم کے معاہدات کا ذکر بھی شامل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یعنی ان معاہدات صلح کا جو لڑائیوں کے بعد منعقد کئے جاتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صلح پسندی کے باعث: اور صلح بہتر ہی ہوتی ہے، بغیر سلاح آزمائی کی ضرورت اور جانستانی کی حاجت کے اس قسم کے معاہدے اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کے لئے عقد کرتے رہے "وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ" "اگر وہ آشتی کے لئے طیار ہوں تو تو بھی اس کے لئے طیار ہو، اور اللہ پر توکل کر"۔

معاہداتِ صلح

صلح تبوک

اس معاہدے کے عقد کا سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک کو نکلنا ہے، جو اس وقت حجاز ریلوے کا ایک سٹیشن ہے۔ آپ کے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو خبر لگی تھی کہ رومیوں کے لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ جس وقت آپ تبوک میں پہنچے تو رومانی گورنر آپ سے رواداری کے ساتھ پیش آئے اور بعض نے اس شرط پر مصالحت کر لینے کی جلدی کی کہ ہم جزیہ ادا کرتے رہیں اور آپ ہم کو اور ہماری رعایا کو امان مرحمت فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس پر عہد نامے لکھ دئے،

ان میں سے دو عہد ناموں کی عبارت حسب ذیل ہے:

نصِ صلح

یوحنا ابن رؤبہ والئ ایلہ کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ایک احسان ہے اللہ اور اللہ کے رسول محمد نبی کی طرف سے یوحنا ابن رؤبہ اور ایلہ کے باشندوں کے لئے: ان کے جہازوں اور قافلوں کو بر و بحر میں اللہ تعالیٰ کا، محمدؐ نبی کا، اور اہل شام، اہل یمن، اور اہل بحر میں سے جو

اس کے ساتھ ہیں ان سب کا ذمہ حاصل ہے ۔ پھر جو شخص ان میں سے کوئی شرارت کرے اس کا مال اس کی جان کو نہیں بچا سکیگا ، اور جو شخص اس کو لے وہ اس کو حلال ہوگا ۔ اور یہ حلال نہیں کہ ان کو کسی پانی پر اترنے سے یا کسی خشکی یا تری کی راہ پر چلنے سے روکا جائے

نصّ صلح

جربا اور اذرح والوں کے ساتھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یہ نوشتہ ہے محمدؐ کا اذرح اور جربا کے باشندوں کے لئے کہ وہ اللہ کی امان اور محمدؐ کی امان کے ساتھ بے خطر ہیں ۔ اور ہر رجب کے مہینے سو دینار پورے اور کھرے ان پر واجب ہیں اور اللہ مسلمانوں کے ساتھ احسان اور خیر خواہی کرنے کا ضامن ہے +

مذہب

از جناب شیخ محمد جان صاحب ریلوے سب سٹور کیپر

(پیوستہ گذشتہ)

رواداری

ساری دنیا میں صرف ایک ہی مذہب کا امکان صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم اسلامی رواداری کا عملاً احترام شروع کر دیں۔ جب یہ ایک صداقت ہو۔ کہ مذاہب دنیا کا ایک ہی منبع اور ایک ہی مقصد تھا اور ہے تو محرف و متصرف مذاہب میں اب بھی جس قدر صداقت ہے۔ وہ اسلام ہے۔ جس قدر بھی قانون خدا پر عمل ہے۔ وہ اسلام ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ قانون قدرت اور انسانی فطرت کے خلاف ہے وہ تحریف و تصرف ہے۔ ہمیں ان صداقتوں کو جتنی بھی ہوں تسلیم کرنے سے کیوں انکار ہو۔ اگر سونے میں تانبا وغیرہ ملا دیا جائے تو تیار مرکب کا نام سونا ہی ہوتا ہے اس کا مالک تو اسے عموماً اصلی سونا ہی ثابت کرنے کی سعی کیا کرتا ہے۔

اور صراف گو اسے ملاوٹی سونا کہیں گے۔ مگر مرکب مذکور میں سونے کے وجود سے انکار نہیں کریں گے۔ نیز صراف ایک کیمیائی عمل سے سونے کو کھوٹ سے الگ بھی کر لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی چاہیئے کہ دیگر مذاہب سے قطعی منکر ہونے کی بجائے ان کو سونا مان کر ان میں سے اصلی سونا الگ کر لیں۔ یعنی جب کوئی دیگر مذہب کا پیرو اپنے دین یا دھرم میں سے کوئی صداقت پیش کرے۔ تو ہم اُسے جھٹلانے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ ہماری طرف سے یہ جواب دیا جایا کرے۔ کہ لاریب یہ سچ ہے اور ضابطۂ اسلام یعنی قرآن مجید بھی یہی حکم دیتا ہے۔ آؤ اس مسئلہ پر ہم اور آپ متفق ہو جائیں[1]۔ اس طریق پر بہت سے مسائل کا فیصلہ حسن و خوبی سے ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ اعلان ہے۔ کہ میں خدا کا وہی قانون ہوں۔ جو اہل دنیا کو پہلے بھی وقتاً فوقتاً تعلیم دیا گیا تھا۔ جس میں خود غرض اور سفلی خواہشات سے مغلوب انسان ہمیشہ اپنے حسب مدعا یا مفید مطلب رد و بدل کرتا رہا۔ اور خدا کو بار بار اپنی تعلیم دہرانے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی (وید اور اناجیل وغیرہ کے مقابل قرآن خدا کا تجدید کردہ قانون ہے) چنانچہ میں خدا کا تجدید شدہ قانون ہوں۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ جناب رسالتمآب پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام دنیا محرف یا انسان کے خود ساختہ مذاہب کے پنجے میں گرفتار تھی اور اپنے ہی بنائے ہوئے خداؤں کو پوج رہی تھی اور شرک و بدعت میں اس حد تک پہنچ چکی

[1] قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الخ

تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ کو پھر وہی اپنی تعلیم دہرانے[1] کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پس اس نے اپنی تعلیم کو از سرِ نو تحریف شدہ مذاہب میں سے اسی طرح چن لیا۔ جس طرح شہد کی مکھی پھولوں یا پھلوں میں سے شہد علیحدہ کر لیا کرتی ہے اور اپنی تعلیم کو از سرِ نو حضور رحمۃ للعالمین کی وساطت سے پیش فرمائی اور اس کا نام اسلام رکھا۔

تو اس خدائی تعلیم یعنی اسلام سے منحرف ہونا یا بیزار رہنا کہاں کا انصاف یا دیانت داری کہی جا سکتی ہے؟[2] ضرورت اس امر کی ہے کہ مبلغین اسلام ہمیشہ تحمل و بردباری پر قائم رہیں اور دیگر اہل مذاہب میں حق پسندی کا جذبہ ہو۔ ضد اور مخالفت بالطبع لاعلاج امراض مانے گئے ہیں۔ ایسے امراض کے مریض ہمیشہ مدمقابل میں خوبیوں کو عیب ثابت کر دکھانے کی سعی کیا کرتے ہیں ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست

کسی گذشتہ زمانہ میں عیسائی مشنریوں کو جب اسلامی مسائل پر حرف گیری کی گنجائش دکھائی نہ دی۔ تو انہوں نے دنیا میں یہ بے بنیاد غلط بیانی پھیلانا شروع کر دی۔ کہ قرآن کا ماخذ اناجیل ہیں جسے پیغمبر اسلام نے نیا الہام بتا کر اپنی طرف منسوب کر لیا۔ خود وہی عیسائی مشنری یا مورخ یہ شہادت بھی دیتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اور اس وقت تمام ملک عرب پر جہالت کا تسلط تھا۔ کہیں بھی کوئی درسگاہ یا کالج نہ تھا۔ جہاں دیگر مذاہب کی کتب مقدسہ کا درس دیا جاتا ہو۔ ان حالات میں جناب سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی صادق تعلیم کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان نہ لانا، انصاف اور صداقت پسندی کی عملداری میں راستی اور راست بینی کا منہ چڑانے کے برابر کہا جائے گا۔

لیکن ایسے امور کو غیر مسلموں کے سامنے ہمیشہ متانت اور دلربا طرز بیان میں پیش کرنا دلیل کامیابی ہو سکتا ہے۔ تلون اور درشت کلامی کام نہیں آ سکتی۔ کسی صحت بخش دوا کو زبردستی مریض کے منہ میں ٹھونس دینے کی سعی کی بجائے اگر طبیب اس دوا کے فوائد دل نشیں طریق پر مریض کو بتائے۔ تسلی و تشفی سے اور خوش کلامی سے مریض کو اس کے استعمال پر مائل کرنے کی فکر کرے۔ تو طریق ثانی زیادہ موثر اور کامیاب ہوا کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ رائے سینا دہلی میں ایک مولوی صاحب ایک آریہ پرچارک سے مناظرہ کر رہے تھے۔ مولوی صاحب کے جواب کے دوران میں آریہ مناظر بول اٹھے

---

[1] وان منھم لفریقا یلوون الخ پ ۳ آل عمران

[2] غیر مسلموں بالخصوص آریہ بھائیوں سے التماس ہے۔ وہ غور کریں۔ کیا نعوذ باللہ اسلام برائیوں کی تعلیم دیتا ہے کیا تفرقہ اندازی سکھاتا ہے۔ یا بد افعالیوں کا حامی ہے؟ اگر نہیں اور قطعی نہیں تو آپ اس سے بیزار کیوں ہیں۔ آپ کا ویدک دھرم نیک کاموں کی تعلیم دیتا ہے اسی طرح اسلام بھی ہدایت کا علم ہے۔ دونو کا ایک ہی مقصد ہے۔ پھر آپ اسلام سے دور دور کیوں رہتے ہیں۔ ایسا رویہ آپ کو زیب نہیں دیتا۔ آپ کو لازم ہے۔ کہ اسلام کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں اور فروعی اختلافات پر منصفانہ نظر ڈالیں۔

"دیکھا وہاں بھی وہی ویدک اصول کام کر رہا تھا" اس پر مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ "غلط محض غلط وید میں ایسے اصول کا کیا کام"۔ اور فریقین میں اس پر خوب لے دے ہوئی جس سے مسئلہ زیر بحث ایک نیا جھگڑا کھڑا ہو جانے پر فراموشی کی آغوش میں جا لیٹا۔ میں دل میں حیران تھا کہ مولوی صاحب قبلہ نے یہ پہلو کیوں اختیار کیا۔ اگر وہ اس کے بدلے یوں فرما دیتے کہ اگر واقعی آپ کے وید میں بھی اس کے متعلق یہی حکم ہے۔ تو وہ صحیح ہے۔ ہم اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ آؤ ہم اور آپ اس پر متفق ہو جاتے ہیں تو یقیناً ان کا یہ فرمانا زیادہ مفید ہوتا۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔ تم غیر مسلموں کو دعوت دو کہ آؤ جو مسائل[1] ہم میں اور آپ میں مشترک ہیں یعنی ایک سی نوعیت لئے ہوئے ہیں۔ ان میں ہم متفق ہو جائیں کیا ایسے طریق سے مسلمانوں اور آریوں یا دیگر غیر مسلموں میں بہت سے مسائل ہیں۔ اتفاق قرین قیاس نہیں کیا جا سکتا؟ میں تو اسے یقینی امر سمجھتا ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ اسی طرح خاص کر آریہ سماج اور اسلام کے مابین قدامت روح و مادہ کے علاوہ اور کوئی [illegible] والی جھگڑا بھی شاید نہ رہے۔ جس کو برادرانہ بحث و تمحیص میں حل کر لینا غالباً اس قدر دشوار نہ ہو جس قدر لاینحل وہ اب دکھائی دے رہا ہے۔ اگر آریہ سماج کہے کہ وید میں بدھوا بواہ کی تاکید ہے۔ یا وید صغر سنی کی شادی کی تائید نہیں کرتے اور ویدوں میں بت پرستی کی مذمت ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو وہ صحیح ہے۔ وہ تعلیم اسلام کی تائید ہے۔ پس ہمیں آریہ سماج کے ایسے دعاوی پر طیش کیوں آئے۔ اس سے ہمارا کام اور ہلکا ہو گیا۔ اس کے بعد ہمیں کسی غلطی کے خلاف جہاد باقی رہ گیا۔ تو قدامت روح و مادہ کے شرک وغیرہ کے خلاف رہ جائیگا۔ یا فروعات میں تناسخ وغیرہ کے متعلق ان کے بطلان پر بھی جب کبھی تبادلہ خیالات کیا جائے ہمیشہ متین استدلال اور برادرانہ بحث مدنظر رہے۔ مخاصمہ جنگ کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہ کی جایا کرے۔ میں بصد ادب استدعا کروں گا کہ مبلغین اسلام دندان شکن، ترکی بہ ترکی اور منہ توڑ جواب وغیرہ جملے ہمیشہ کے لئے اپنی لغات سے نکال دیں۔ نیز ایسے مسائل کی بحث میں پڑنے سے پرہیز کیا جایا کرے جن کے متعلق غیر مسلموں کا بھی وہی اعتقاد ہو۔ جس کی اسلام نے تعلیم دی ہو۔ غیر مسلموں کو یہ طعن دینا کہ تم نے ہمارے مسائل اختیار کر لئے ہیں۔ ایک فعل عبث کہا جا سکتا ہے۔ اس سے کوئی خاص فائدہ متصور نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس طرح پر آریہ سماج کو چڑانے سے کیا حاصل کہ فلاں فلاں مسائل تم نے ہم سے تبادلہ خیالات میں اخذ کر کے اختیار کر لئے ہیں۔ الغرض اگر انہوں نے یونہی اسلام کے مسائل اختیار کر لئے ہوں یا کرتے چلے جا رہے ہوں تو دل ما شاد و چشم ما روشن ہماری تبلیغ کا یہی مدعا تھا اور ہے۔

---

[1] قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ الخ

اسلامی اذان اور اسلامی عبادت کی ترتیب فطرت کے مطابق ہے

مذہب اور اسلام بالاجمال پیش کر دینے کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں کے سامنے اسلامی طرز نماز کو بیان کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا۔ ایک دفعہ ایک عیسائی مشنری خاتون نے طنزاً کہا۔ کہ مسلمان گلا پھاڑ پھاڑ کر اذان کیوں دیتے ہیں کیا ان کا خدا بہرہ ہے اور مسلمانوں کا طریق عبادت یعنی نماز میں یہ اٹھنا بیٹھنا کچھ بے معنی سا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی فلاسفی کیا ہے؟ جن مسلم بزرگ کو مخاطب کیا گیا تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہمارا تو اعتقاد ہے جملہ مخلوق کا ایک ہی خدا ہے اور اسلام میں اس کی تعریف سمیع و بصیر بھی ہے۔ البتہ آپ کا خدا نعوذ باللہ علیحدہ ہو۔ تو اس کا بہرہ ہونا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ عیسائیوں کے گرجوں میں عبادت سے پہلے اس زور زور سے گھنٹے بجائے جاتے ہیں کہ متصلہ آبادی کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ یہی حال ہندو مندروں کا ہے۔ پس آپ کے اس بہرے اور لاپرواخدا کو گہری نیند سے جگانے کے لئے بہت زیادہ شور و غوغا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گو ہمارا اب تک یہی خیال تھا کہ جس طرح اذان لوگوں کو عبادت کے وقت سے باخبر کرنے اور ان کو نماز کے لئے بلانے کی غرض سے دی جاتی ہے۔ گرجوں اور مندروں میں گھنٹے بھی اسی غرض سے بجائے جاتے ہونگے۔ اگر خدا کا سوال الگ کر دیا جائے۔ تو دیگر مذاہب کے پیرو مسلمانوں سے زیادہ بہرے اور بے حس ثابت ہوتے ہیں۔ ان کو جگانے یا بلانے کے لئے انسانی آواز اور پکار موثر نہیں ہوتی۔ بلکہ غیر معمولی شور و غوغا سے کشاں کشاں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب طریق عبادت پر بھی غور کیجئے۔ عبادت کے عام فہم معنے یہی ہو سکتے ہیں کہ معبود کی بزرگی اور اپنی فروتنی کا اقرار اور اپنے معبود سے دنیوی اور دینی فلاح و بہبود کے لئے صراط مستقیم پر رہنے کی توفیق کی التجا۔ ان باتوں کو سامنے رکھکر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اسلامی اور صرف اسلامی طرز عبادت فطرت کے مطابق دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک معروف امر ہے کہ جب کوئی شخص کسی شاہی دربار بلکہ چھوٹی سے چھوٹی عدالت میں حاضر ہو۔ تو وہ وہاں نہایت ادب و احترام سے داخل ہوگا۔ داخل ہو کر دست بستہ مودبانہ کھڑا رہے گا۔ اگر بیٹھنے کی اجازت ہوگی۔ تو عدالت کے ادب کو ہر طرح ملحوظ رکھے گا اور عموماً دو زانو ہو کر بیٹھے گا۔ اور بعض درباروں میں تو ماتھا ٹیکنے یعنی سجدہ کا بھی رواج و دستور سنا گیا ہے۔ دوسرے جب کسی شخص کو حاضر عدالت ہونا ہو تو وہ خاص اہتمام سے وہاں پہنچنے کی تیاری کیا کرتا ہے اور نہا دھو کر ستھرا لباس زیب تن کرکے جایا کرتا ہے گویا انسانی فطرت اور انسانی تہذیب اس کی مقتضی ہے۔ جب ایک برسر اقتدار انسان کے سامنے جانے کے لئے ایسا کچھ اہتمام لازمی ہے۔ تو خدا تعالیٰ جو رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے۔ اس کے دربار میں حاضری کے لئے ایسی ایسی پابندیوں کا التزام ضروریات سے نہ ہو؟

کیا مہذب دنیا میں کہیں بھی یہ قانون یا دستور ہے کہ کوئی مستدعی عدالت میں ہارمونیم یا طبلے اور سارنگیاں لیکر استدعا کو جائے؟ ایسا طریق دنیا کی کسی بھی عدالت میں رائج نہیں ہے۔ جب انسانی درباروں میں ایسی حرکات کی اجازت نہیں۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ شہنشاہ حقیقی کے دربار میں باجے اور گانے بجانے کا جواز کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

غیر مسلموں میں بالخصوص ہندوؤں میں دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض لوگ مندروں کے باہر یا کنوئیں وغیرہ پر اشنان کرکے اور مودبانہ بیٹھ کر شانتی سے یکسو ہو کر خاموش پرماتما کی مہماں گاتے ہیں۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ شروع شروع میں ہندو دھرم میں بھی عبادت کا وہی صحیح طریق تھا۔ جس کا لفظ عبادت مطالبہ کرتا ہے۔ یہ گانا بجانا بعد میں داخل پرستش کیا گیا۔ جس کی ضرورت غالباً تحریف و تصرف نے محسوس کرائی ہوگی۔ یعنی جب محرف مذہب کی تعلیم میں عوام کے لئے وہ کشش نہ رہی۔ تو پرستش گاہوں کو جاذب توجہ بنائے رکھنے کے لئے حاملیں تحریفی دھرم نے ایسے وسائل اختیار کر لیئے۔

طریق عبادت کے ساتھ ساتھ نماز باجماعت کی فضیلت بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تقویت اخوت اور اتحاد باہمی کے علاوہ اس میں ایک یہ برتری ہے کہ اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں اسکے بندوں کی متفقہ استدعا پہنچتی ہے۔ جس کے لئے اجابت کی بہت کچھ امید کی جا سکتی ہے اور اس کی مثال دنیاوی درباروں یا عدالتوں میں بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ کسی قوم یا جماعت کی متفقہ آواز کا ہر جگہ زیادہ پاس و لحاظ ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قوموں اور جماعتوں کے نمائندے اکثر وفود کی شکل میں حکام کے پاس پہنچے ہیں۔ وہاں ان نمائندوں کی ترجمانی ایک شخص کیا کرتا ہے۔ گویا وہ سب کی زبان سے بولتا ہے۔ جس کی بغور شنوائی ہوا کرتی ہے۔

نوٹ:۔ اس جگہ مسلم بزرگوں اور بھائیوں سے یہ گزارش کر دینا بھی بیجا تصور نہ ہوگا۔ کہ وہ اپنی مروجہ امامت پر نظر ثانی کریں۔ نماز باجماعت کا امام تنخواہ دار یا اہلِ محلہ کا دست نگر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ امام امیر جماعت یعنی میر محلہ ہونا موزوں تر ہوگا۔ لفظ امام خود مطالبہ کرتا ہے۔ کہ صالح امراء اس فرض کو انجام دیا کریں۔

اوقات نماز کی فضیلت

اب آگے عبادت اسلامی کے اوقات کا جائزہ لیجئے۔ ہندو دھرم میں عموماً صبح و شام دو وقت پرستش کے لئے مخصوص ہیں۔ اور عیسائیت میں تو ہفتہ بھر میں صرف ایک دن چند منٹ تک عبادت کر لینا ہی کافی تصور

کر لیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے عام طور پر خدا کی عبادت کے لئے پانچ وقت لازم قرار دیئے ہیں جنکی فلاسفی کچھ زیادہ تشریح کی محتاج نہیں اس میں وہ متبرک مقصد مدنظر رہا۔ کہ مسلمانوں کو ہر وقت اس مالک کا دھیان رہے وہ کبھی اپنے پروردگار سے غافل نہ ہوں۔ تاکہ بے پناہ ہوکر کہیں لغزش نہ کھا جائیں۔ دنیا میں یہ ایک مسلمہ صداقت ہے کہ مالک کی موجودگی یا اس کی موجودگی کا یقین ملازمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے باز رکھا کرتا ہے۔ اور مالک سے دوری کا اثر اس کے برعکس ہوا کرتا ہے۔ پس شارع اسلام روحی فداہ نے ایسے معقول اوقات خدا کی عبادت کے لئے مقرر فرما دیئے کہ حضور رحمۃ اللعالمین کی انسانی فطرت کے متعلق معلومات صد ہزار ستائش کے قابل ہیں۔

نماز فجر

کہ ہر ایک مسلم علی الصباح بستر سے اٹھکر ضروریات سے فارغ ہوکر اور غسل کرکے یا کم از کم وضو کرکے اللہ کے دربار میں حاضر ہو۔ اور اس مالک کون و مکان کی موجودگی کا احساس ساتھ لے کر دنیا کی منڈی میں داخل ہو تاکہ مالک کی موجودگی کا احساس اسے اپنے اعمال میں صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

نماز ظہر

اسکے بعد دن ڈھلے وہ پھر دربار الہٰی میں حاضر ہوکر اپنا سبق یا اقرار دہرائے۔ اس لئے کہ خدا کی موجودگی کا احساس کمزور نہ ہونے پائے۔ نیز دنیاوی کاروبار میں اسے جو کچھ تکان یا پریشانی ہوئی ہو چند منٹ تک اس بے نیاز اور مالک کے سامنے رہ کر مطمئن ہو سکے۔ تاکہ اس کی صحت بھی برقرار رہے۔ اور جس قدر واقعات اسکے سامنے اسوقت تک پیش آچکے ہوں۔ اگر کوئی لغزش سرزد ہو چکی ہو۔ تو اس کی معافی کا خواہشمند ہو۔ اور اس طرح اپنے مالک کے دربار میں ہر طرح کی سرخروئی حاصل ہو۔

نماز عصر

ظہر کے ساتھ تھوڑے وقفہ پر عصر کی نماز کو مقرر کرنے کا منشا صرف یہ ہے کہ چونکہ بعد دوپہر دنیاوی کاروبار میں گھمسان کا وقت ہوتا ہے۔ اور اس انہماک میں پڑ کر مبادا اپنے پہلے اقرار کو بھول جائیں۔ لہٰذا مسلمان کے صراط مستقیم پر قائم رہنے کے اقرار کی تجدید کے لئے ظہر کے بعد جلد ہی عصر کا فریضہ قرار دیدیا گیا تاکہ وہ

اپنی دوڑ دھوپ میں سیدھے راستہ سے بھٹک نہ جائیں۔

نماز مغرب

کہ شام کو جب وہ دنیاوی کاروبار سے فارغ ہوں۔ تو اپنے اعمال کے محاسبہ اور مزید اطمینان کیلئے پھر دربار خداوندی میں حاضر ہوں۔ اور اس امر کا شکریہ ادا کریں۔ کہ جس طرح دن کی ساعتیں الہٰی دربار میں حاضر ہو کر پورے امن سے گذری ہیں۔ اب رات بھی امن و آرام سے گذرے۔

نماز عشا

آخرالامر جب وہ سونے لگیں تو بھی دربار الہٰی میں حاضری دے کر بستر پر جائیں۔ تاکہ خواب میں بھی انہیں اپنے مالک کی موجودگی کا احساس رہے۔ اور وہ ہمیشہ شیطانی وساوس سے محفوظ رہیں۔

مہذب دنیا میں عموماً کھانے کے اوقات بھی پانچ ہی ہوتے ہیں۔ اور قریباً دن رات میں وہ ایسے ہی ہیں۔ جو اسلامی نماز کے اوقات ہیں جب معدہ جسمانی ضروریات کے لئے دن میں پانچ دفعہ خوراک کا مطالبہ کرتا ہے۔ تو انسانی روح کو کسب اخلاق کے لئے کیوں اتنی ہی بار خوراک کی ضرورت نہ ہوگی۔ انصاف اور غور سے مشورہ لیجئے۔ اور سوچئے بعض مذہب سے بے نیاز بھائی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ظہر اور عصر کی نمازوں کے اوقات ایک کاروباری شخص کی مصروفیتوں میں حارج کہے جا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ سچ پوچھو۔ تو خدا کو بھولے ہوئے ہیں۔ ورنہ جب وہ سب اپنی مصروفیتوں کے ہوتے ہوئے اپنے لنچ اور بعد دوپہر چائے کے لئے وقت نکال سکتے ہیں۔ اور ہر روز نکالتے ہیں۔ تو خدا کے ہاں حاضری کے لئے وہ کیسے وقت نہیں نکال سکتے۔ بشرطیکہ ان کے دل میں خدا کے خدا اور اپنا بندۂ خدا ہونے کا یقین ہو۔

ایک دفعہ ایک مسلم دوست نے مجھ سے پوچھا۔ کہ آیا نماز پڑھنا ضروری ہے۔ میں نے کہا۔ نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے خدا کا مطالبہ ہے۔ جس حکم کی تعمیل بحیثیت بندۂ خدا ہونے کے ہم پر لازمی ہے نیز اسمیں بہت سی برکات اور فیوض مضمر ہیں۔ کہا وہ کیونکر؟ میں نے کہا۔ اجنبیت۔ تعارف۔ واقفیت۔ دوستی اور محبت کے مدارج سے آپ ضرور آگاہ ہونگے۔ کہا۔ ہاں۔ تو پھر ضرورت کے وقت حصول امداد ربی کے لئے اجنبیت کام آسکتی ہے یا تعارف سے چل کر محبت تک؟ اور اللہ میاں سے یارانہ گانٹھنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ کم از کم دن رات میں پانچ مرتبہ روزانہ ایک نظام کے ماتحت مقررہ اوقات پر بغرض اعتراف عبودیت حاضری اپنا رنگ لائے بغیر

نہیں رہ سکتی۔ البتہ ظاہرداری اور دکھاوے کی حاضری کی سند نہیں۔ بلکہ منافقانہ حاضری خدا کی بیزاری اور اپنی تباہی کا موجب بنتی ہے۔

تنقید و تبصرہ

حقیقت اسلام:۔ یہ ایک ماہانہ رسالہ ہے جو لاہور سے محمد عنایت اللہ صاحب وارثی کی زیر ادارت ماہ فروری سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اشاعت کا مقصد نام ہی سے مبرہن ہے۔ اسوقت جتنے نمبر شائع ہوئے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے قابل مبارکباد ہیں۔ مضامین خوب ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تبلیغ اسکے اغراض میں شامل ہے۔ جو ہر اسلامی لٹریچر کا جزو اعظم ہونا چاہئے۔ اچھی نظمیں بھی ہوتی ہیں تقطیع پیام اسلام کی لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ۔ اور سرورق کی رنگینی تو بے مثال ہے پیکو آرٹ پریس کا یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ خدا اسے نظر بد سے محفوظ رکھے اور اس کے مقاصد میں اسے نصرت بخشے قیمت سالانہ صرف عہ ۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر پیکو آرٹ پریس۔ لاہور۔

مطالعہ:۔ یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو لدھیانہ سے ایم۔ حسن لطیفی سند یافتہ "لندن سکول آف جرنلزم" مصنف "لطیفیات" کی ادارت میں اسی سال سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ حجم ۸ صفحہ سائز ۲۶×۲۰/۴ کتابت طباعت اچھی۔ قیمت سالانہ للعہ فی پرچہ ار دفتر مطالعہ لدھیانہ"

سولو جرنلزم، عالم صحافت کی ایک نئی آن ہے جسے تنہا نگاری کہا جاتا ہے۔ یعنی اسکی تمام تحریر ترتیب مدیر کے ہاتھوں انجام پاتی ہے "مطالعہ" اردو میں اسکی اولین اور اچھی مثال ہے۔ مقاصد علمی و ادبی ہیں۔ جناب لطیفی کو "لطیفیات" نے ایک خاص شہرت دی ہے ان کا شہب خیال ہر گوشہ زندگی میں دوڑتا ہے۔ اور خوب دوڑتا ہے۔ تمام رکاوٹوں کو تیز کر عبور کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہی شان لطافت ہے۔ اور وہ بہت حد تک کامیاب ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جناب لطیفی کا لطافت بار قلم صنف لطیف کی بہبود کے لئے جب چلے گا تو اپنی رنگینی سے داد تحسین حاصل کریگا۔

جہانگیر:۔ مقام اشاعت:۔ لاہور۔ ادارہ:۔ جناب محمد احمد خاں صاحب درانی، سید شبیر حسن صاحب قیس حیدر آبادی، اور جناب ابن الاسد صاحب فیق لدھیانوی، حجم قریباً سائز پیام اسلام کا ۶۰ صفحے، کاغذ اچھا، لکھائی خوب، طباعت اچھی قیمت سالانہ سے، ملنے کا پتہ:۔ دفتر جہانگیر عہ ۲۱ سرکلر روڈ بیرون شاہ عالمی دروازہ، لاہور۔

"جہانگیر" ایک مصور علمی ادبی رسالہ ہے جو اپریل سے شائع ہو رہا ہے۔ اسوقت تک تین اشاعتیں نظر سے گزر چکی ہیں جنمیں تیسری اشاعت خاص نمبر ہے۔ اتنی جلد ایک خاص نمبر کا شائع ہونا مالک و مدیر کی ہمت اور اسکے عزائم کا آئینہ دار ہے۔ ملک کے بہترین ادیبوں اور شاعروں کا کلام اسکی زینت ہے۔ نظم و نثر کے بہترین مضامین کا حامل ہے اور بعض افسانے تو لاجواب نظر آتے ہیں۔ اپنے معاصرین سے کسی صورت میں کم نہیں۔ آثار کہہ رہے ہیں کہ بہت جلد ایک خاص بلندی پر جا پہنچے گا۔ دنیائے ادب میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

عرب کو امی کیوں کہا جاتا ہے؟ روح المعانی میں ہے

اُرِيْدُ بِذَالِكَ انهم عَلٰى اَصْلِ وِلَادَةِ اُمَّهٰتِهِمْ لَمْ يَتَعَلَّمُوا الْكِتَابَةَ وَالْحِسَابَ فَهُمْ عَلٰى جِبِلَّتِهِمُ الْاُوْلٰى۔ فَالْاُمِّيُّ نِسْبَةٌ اِلَى الْاُمِّ الَّتِيْ وَلَدَتْهُ ۵

(ترجمہ) ان کو امی اس لئے کہا گیا کہ وہ اپنی اصلی فطرت پر باقی تھے رسمی علوم اور ان کے غواشی نے ان کے دماغوں کو ماؤف نہیں کیا تھا۔ لہٰذا وہ فطرت اصلیہ پر باقی تھے۔ امی کے معنی منسوب بطرف ام ہیں یعنی اپنی اصلی فطرت اور پہلی حالت پر باقی رہنے والے۔ قال تعالیٰ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَاتَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵

حقیقت فطرۃ اصلیہ فطرۃ اصلیہ کی حقیقت اور منطقی تعریف کیا ہے؟ اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن قیم فرماتے ہیں:

ليس المراد بقوله عليه السلام "كل مولود يولد على الفطرة" انه خرج من بطن امه يعلم الدين لان الله يقول والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا۔ ولكن المراد ان فطرته مقتضية لمعرفة دين الاسلام ومحبته۔ فنفس الفطرة تستلزم الاقرار والمحبة۔ وليس المراد مجرد قبول الفطرة لذالك فانه لا يتغير بتهويد الوالدين مثلا بحيث يخرجان الفطرة عن القبول۔ وانما المراد ان كل مولود يولد على الاقرار بالربوبية فلو خلي وعدم المعارض لم يعدل عن ذالك الى غيره كما انه يولد على محبة ما يلائم بدنه من ارتضاع اللبن حتى يصرفه عنه الصارف ومن ثم شبهت الفطرة باللبن بل كانت اياه في تاويل الرؤياء ۵ مفتاح وشفاء العليل۔

(ترجمہ) حضور کے ارشاد "کل مولود الخ" کے یہ معنے تو ہو نہیں سکتے کہ ہر بچہ ماں کے پیٹ سے اسلام کی تعلیم حاصل کر کے نکلتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے "خدا تعالیٰ نے تم کو ماں کے پیٹ سے بدیں حالت نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے"۔ بلکہ ارشاد مذکور کا مطلب یہ ہے کہ اس کی فطرت دین اسلام کی معرفت و محبت کی متقاضی، اور اقرار ربوبیۃ کو مستلزم ہے + کہیں یہ بھی نہ سمجھنا کہ "یولد علی الفطرۃ" سے مراد مجرد قبول احکام شرعیہ یعنی مرتبہ **امکان استعدادی** ہے اس لئے کہ امکان استعدادی ماں باپ کے یہودی، نصرانی بنا دینے سے زائل نہیں ہوتا کیونکہ ایک پکا کافر بحالت کفر بھی قبول مذکور کی استعداد رکھتا ہے؟ بلکہ "یولد علی الفطرۃ" سے مراد یہ ہے کہ ہر بچہ اقرار ربوبیۃ پر پیدا ہوتا ہے اگر موانع (تربیت و تقلید) پیش نہ آتے تو وہ بڑا ہو کر دوسری طرف کبھی نہ جاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ طلب کرتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں دودھ کو فطرت سے تشبیہ دی گئی ہے بلکہ اصول تعبیر رویا میں دودھ بعینہ فطرت ہے ۵ مفتاح دار السعادۃ وشفاء العلیل۔

وقال الشیخ العارف فی الحجۃ اصح ما قیل فی تفسیر ھذا الحدیث ان الفطرۃ السلیمۃ سبیل وسبب الی الدین الحق وان المولود انما یولد علی الجبلۃ السلیمۃ والطبع المتھئی لقبول الدین فلو ترک علیھا لاستمر علی لزومھا ولم یفارقھا الی غیرھا وانما یعدل عنھا من یعدل الی غیرھا لآفۃ من آفات النشوء والتقلید ولیس فی ھذا ما یوجب حکم الایمان لہ ولان الفطرۃ علۃ قاطعۃ بقبول الدین۔ والغرض ھو الثناء علی ھذا الدین والاخبار عن محلہ من العقول وحسن موضعہ من الناس ؁ ولا یخفی ما فی العبارتین من الفرق۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں "حدیث مذکور کے صحیح معنے یہ ہیں کہ فطرت سلیمہ دین اسلام کے قبول کرنے کی راہ اور اس کا ذریعہ ہے۔ ہر بچہ دنیا میں جبلت سلیمہ اور احکام اسلام کو قبول کرنے والی طبیعت لے کر آتا ہے۔ اگر تربیت اور تقلید کے موانع پیش نہ آئے تو وہ مرتے دم تک اسی پر رہتا۔ اس کے یہ معنی کسی طرح نہیں کہ وہ قطعاً مومن ہے اور نہ یہ کہ فطرت مذکورہ قبول احکام شرعیہ کی علت تامہ ہے بلکہ اس حدیث سے مراد دین اسلام کی تعریف کرنا ہے کہ عام انسانی عقول اس کو صحیح سمجھتے ہیں"۔ ہر دو اقوال میں جزوی فرق موجود ہے مگر مقصد میں حارج نہیں۔

مصداق فطرت

تفسیر سورہ مدثر آیت "وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ" کے تحت ہم کسی قدر تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ فطرت اس حالت مرکبہ کا نام ہے جو خصائل چہارگانہ یعنی طہارت، اخبات، سماحت، عدالت سے حاصل ہو۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

اوصاف عرب

غرض عرب کو اُمّیین (ان پڑھ) اس لئے کہا گیا کہ ان میں فطرت اصلیہ ابھی بدستور باقی تھی۔ وہ جاہل تھے مگر مسوخ الفطرت نہ تھے۔ وہ احکام شرعیہ سے بیگانہ تھے مگر غبی اور غوی نہ تھے۔ مکارم اخلاق عموماً ان میں موجود تھے مگر وہ ان کو غلط طریق پر استعمال کیا کرتے تھے۔

مثلاً جود و سخا اعلےٰ پیمانے پر موجود تھی مگر اس کے اظہار کا طریق ان کے ہاں جوا یا شراب نوشی یا اسراف بے جا تھا۔ کیا دنیا اجواد عرب مثلاً حاتم بن عبداللہ طائی۔ کعب بن مامہ ایادی، اوس بن حارثہ طائی، ھرم بن سنان مری وغیرہ اور مَطَاعِمُ الرِّیْحِ و اَزْوَادُ الرَّکْبِ کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

علےٰ ہذا القیاس شجاعت بدرجہ اتم موجود تھی مگر وہ ایک کے بدلے دس کو تہ تیغ کر کے بھی سیر نہ ہوتے تھے۔ اس قوم کی شجاعت اور مردانگی کے کیا کہنے جو کارزار میں کٹ مرنے کو زندگی کا اعلیٰ کارنامہ، اور بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کو موجب ذلت خیال کرے اور کہے "مَاتَ فُلَانٌ حَتْفَ اَنْفِہٖ"، سموأل بن عادیا نے خوب کہا ہے ؎

وَمَا مَاتَ مِنَّا سَيِّدٌ حَتْفَ اَنْفِهٖ ۔۔۔ وَلَا طُلَّ مِنَّا حَيْثُ كَانَ قَتِيْلُ
تَسِيْلُ عَلٰى حَدِّ الظُّبَاةِ نُفُوْسُنَا ۔۔۔ وَلَيْسَتْ عَلٰى غَيْرِ الظُّبَاتِ تَسِيْلُ[1]

حصین بن حمام مری کہتا ہے ؎

وَلَسْنَا عَلَى الْاَعْقَابِ تَدْمٰى كُلُوْمُنَا ۔۔۔ وَلٰكِنْ عَلٰى اَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدَّمَا
فَلَسْتُ بِمُبْتَاعِ الْحَيٰوةِ بِذِلَّةٍ ۔۔۔ وَلَا مُرْتَقٍ مِنْ خَشْيَةِ الْمَوْتِ سُلَّمًا[2]

پھر حلم اور بردباری میں بھی یکتائے دہر تھے" اذا ملکت فاسجح" کی شہرۂ آفاق ضرب المثل انہیں کا بقیہ صالحہ ہے۔ قیس بن عاصم منقری مشہور حلیم کسی مجلس میں تقریر کر رہے تھے کہ یکایک ان کے سامنے ان کا بچہ مقتول اور اس کا عمزاد بھائی مشکیں کس کر لایا گیا اور قیس سے کہا گیا کہ اس نے آپ کے لخت جگر کو قتل کر دیا ہے۔ قیس کی تقریر جاری رہی اور اہل محفل نے کسی قسم کا ظاہری اضطراب ان میں نہ دیکھا۔ تقریر ختم کر کے کہا میرے فلاں بیٹے کو بلاؤ۔ جب وہ آیا تو اس سے کہا کہ عمزاد کی مشکیں کھول دو اور مقتول بھائی کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو۔ اور مقتول کی والدہ کو سو اونٹ خونبہا میں دو تاکہ اس کو گونہ تسلی حاصل ہو۔ پھر آپ نے ایک برجستہ قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اِنِّیْ امْرُءٌ لَا يَعْتَرِىْ خُلُقِىْ ۔۔۔ دَنَسٌ يُفَنِّدُهٗ وَلَا اَفَنٌ[3]

مزید براں فصاحت اور بلاغت میں وہ بے مثل اور جادو بیانی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے اسی بنا پر انھوں نے اپنے آپ کو عرب اور سارے عالم کو عجم (گونگا) کہا۔ تاریخ ابھی اس واقعہ کو نہیں بھولی جبکہ کسریٰ نے اپنے نائب نعمان بن منذر شاہ حیرہ کو لکھا تھا کہ عرب رؤسا اور خطبا کا ایک منتخب وفد دربار میں روانہ کرو۔ تاکہ میں اس قوم کے کمالات کا جائزہ لوں۔ ارکان وفد کی تقریریں سن کر کسریٰ ششدر رہ گیا۔ اس واقعہ کی تفصیل کتب ادب و تاریخ میں مذکور ہے۔ دیکھو بلوغ الادب ص۱۴۷

باایں ہمہ ملکہ حفظ میں وہ سب سے گوئے سبقت لے گئے باوجود اَن پڑھ ہونے کے ان کو اپنے معرکے اور دوسرے

---

[1] ہمارا کوئی سردار بستر پر نہیں مرتا اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون رائگان جاتا ہے۔ (۲) ہمارا خون شمشیر کی دھار پر بہ سکتا ہے۔ مگر سوائے شمشیر کے اور کسی طریق پر نہیں بہ سکتا یعنی میدان جنگ میں ہم اپنے آپ کو تلواروں پر پیش کر دیتے ہیں لیکن حالت امن میں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے قریب بھی پھٹک سکے۔ ۱۲

[2] (ترجمہ) ہمارے خون ایڑیوں پر نہیں گرتے بلکہ پاؤں کی پشت پر گرتے ہیں۔ یعنی پیٹھ پر زخم نہیں کھاتے بلکہ سینوں پر (۲) اور میں ذلت کے ہاتھ اپنی متاع حیات بیچنے والا نہیں اور نہ موت کے خوف سے سیڑھی لگا کر کہیں بھاگ جانا چاہتا ہوں ۱۲ نور الحق۔

[3] (ترجمہ) میں ایسا انسان ہوں کہ کوئی عیب اور کوئی حماقت میرے اخلاق کو مکدر نہیں کر سکتی ۱۲ نور الحق۔

وقائع کی تفصیلات اور ان کے متعلقہ اشعار اور خطبے پوری طرح ازبر تھے۔ بڑے سے بڑا قصیدہ ایک بار سننے سے ان کو یاد ہوجاتا تھا۔ اس حافظہ کا کیا ٹھکانا کہ حماد راویہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں علی الاعلان کہتا ہے کہ میں فی الحال ایک سو قصیدہ سنا سکتا ہوں جن میں سے ہر ایک سو اشعار سے زائد ہے۔ یہ سنکر تمام دربار دنگ رہگیا اور متکلم سے پہلے مخاطب ہار گیا۔

اس کے علاوہ خلق وفا میں بھی وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ حکما نے کہا ہے" اَلْوَفَاءُ اَخُو الصِّدْقِ وَالْعَدْلِ وَالْغَدْرُ اَخُو الْكِذْبِ وَالْجَوْرِ" ادب عرب کا واقف جانتا ہے کہ وہ صدق کو نہایت ضروری جانتے تھے حتیٰ کہ اس میں دوست اور دشمن کی تمیز کو بالائے طاق رکھاجاتا تھا۔ ہرقل کے دربار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کی حق گوئی، ان کی صداقت پژوہی اس کا رخشاں ثبوت ہے۔ جھوٹ اور خلاف عہد وغدر ان کے یہاں انسانیت کے دامن پر بدنما داغ تھا۔ سموال بن عادیا، عوف بن محلّم، ام جمیل وغیرہ کی وفا کے قصے آج بھی دنیا سے خراج تحسین حاصل کر رہے ہیں

خلق غیرت کی نصوص شرعیہ میں نہایت اعلیٰ الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔ عرب اس خلق میں حد سے زیادہ غلو کر گئے تھے۔ وأد البنات کی رسم بد کا محرک بھی یہی خلق تھا۔ سب سے پہلے قوم ربیعہ میں یہ رسم بد جاری ہوئی۔ ایک دفعہ کسی دشمن نے ان پر حملہ کیا اور رئیس کی لڑکی قید کرکے لے گئے۔ صلح کے بعد جب لڑکی واپس طلب کی گئی تو اس لڑکی نے بجائے باپ کے اس شخص کے پاس رہنا پسند کیا جس کی وہ کنیز بن چکی تھی۔ مارے غیرت کے رئیس مذکور نے ربیعہ میں وأد البنات کا قانون نافذ کیا۔

بنی نوع انسان کی ہمدردی اور مظلوم کی دادرسی تمام مذاہب اور ہر ایک زمانہ میں اخلاق فاضلہ سے شمار ہوتی رہی ہے عرب اس خلق میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ ان کا علم ادب شاہد ہے کہ وہ عام گزرگاہوں پر اس لئے ڈیرے ڈالے پڑے رہتے تھے کہ موقع پر ملہوف کی امداد کرسکیں۔ وہ بلند ٹیلوں پر اس لئے سکونت اختیار کرتے تھے کہ مظلوم کی آواز جلد سن سکیں کلحبہ یربوعی کہتا ہے ؎

فَقُلْتُ[1] لِكَاسٍ اَلْجِمِيْهَا فَاِنَّمَا حَلَلْتُ الْكَثِيْبَ مِنْ زَرُوْدٍ لِاَفْزَعَا

پھر جب مظلوم فریادرسی کے لئے پکارتا تو اس وقت یہ سوچنا بھی حمیت انسانی کے خلاف تھا کہ آیا اس میں کچھ واقعیت بھی ہے قریط بن انیف کہتا ہے ؎

لَا[2] يَسْأَلُوْنَ اَخَاهُمْ حِيْنَ يَنْدُبُهُمْ فِي النَّائِبَاتِ عَلٰى مَا قَالَ بُرْهَانَا

---

[1] میں نے اپنی لونڈی کاس نامی سے کہا کہ گھوڑے کو لگام دو کیونکہ میں زرود کے ٹیلوں پر اس لئے فروکش ہوا ہوں کہ مظلوم کی فریادرسی کرسکوں ۱۲

[2] وہ اپنے بھائی سے جب وہ ان کو مصائب میں امداد کے لئے پکارے ثبوت نہیں مانگتے۔ بلکہ فوراً امداد کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں ۱۲

سلامہ بن جندل سعدی نے عالم شباب کا درد انگیز اور شہرۂ آفاق مرثیہ لکھا ہے۔ اس میں شباب کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے ؎

وَكُنَّا إِذَا مَا أَتَانَا صَارِخٌ فَزِعٌ ... كَانَ الصُّرَاخُ لَهُ قَرْعَ الظَّنَابِيبِ [1]

طرفہ بن عبد بکری اس بارہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے وہ کہتا ہے اگر میری حیات کے تین مقصد نہ ہوتے جن میں سے ایک مظلوم کی دادرسی کرنا ہے تو مجھے مرنے میں مطلقاً باک نہ ہوتا یعنی مظلوم کی امداد کیلئے جیتا ہوں ؎

وَلَوْلَا ثَلَاثٌ هُنَّ مِنْ لَذَّةِ الْفَتَى ... وَجَدِّكَ لَمْ أَحْفِلْ مَتَى قَامَ عُوَّدِي [2]

فَمِنْهُنَّ سَبْقِي الْعَاذِلَاتِ بِشَرْبَةٍ ... كُمَيْتٍ إِذَا مَا عُلَّ بِالْمَاءِ تُزْبِدِ

وَكَرِّي إِذَا نَادَى الْمُضَافُ مُحَنَّبًا ... كَسِيدِ الْغَضَا نَبَّهْتَهُ الْمُتَوَرِّدِ

ماہر شریعت جانتا ہے کہ حقوق الجوار کے متعلق کس قدر تاکید موجود ہے۔ حضور نے فرمایا "جبریل علیہ السلام نے مجھے ہمسایہ کے متعلق اتنی تاکیدیں کیں حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ" تعداد کبائر کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا "وَأَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ" عرب اس بارہ میں بھی بے نظیر واقع ہوئے ہیں۔ عرب کا مشہور شاعر سموأل کہتا ہے ؎

وَمَا ضَرَّنَا أَنَّا قَلِيلٌ وَجَارُنَا ... عَزِيزٌ وَجَارُ الْأَكْثَرِينَ ذَلِيلٌ [3]

ایک دوسرا شاعر اپنی عفت اور حقوق جوار کی رعایت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

وَلَسْتُ بِسَائِلٍ جَارَاتِ بَيْتِي ... أَغُيَّابٌ رِجَالُكِ أَمْ شُهُودُ [4]

وَلَسْتُ بِصَادِرٍ عَنْ بَيْتِ جَارِي ... كَفِعْلِ الْعَيْرِ غَمَّرَهُ الْوُرُودُ

بلکہ ہمسایہ کے حالات کی نگرانی اور ان کو محاسن اخلاق کی تعلیم دینا وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے عمرو بن الطنابہ انصاری خزرجی اپنی قوم کی تعریف میں لکھتا ہے ؎

---

[1] (ترجمہ) ہم جوانی میں بدیں حالت تھے کہ جب کوئی دادخواہ چلاتا ہوا آتا تو اس کی پکار سنتے ہی پنڈلیاں کھٹکھٹائی جاتیں جستی سے کنایہ ہے ۱۲ نورالحق عفرلہٗ

[2] (ترجمہ) اگر تین باتیں نہ ہوتیں جو جوان کی لذات میں داخل ہیں تو قسم بجد تو کہ میں پروا نہ کرتا کہ میرے یار پرس کب میری حیات سے ناامید ہو کر اٹھ گئے۔ یعنی مرنے کی پروا نہ کرتا۔ (۱) من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ملامت گر عورتوں کے جاگنے سے پہلے بڑی سحر کو اٹھ کر سرخ رنگ کی ایسی شراب پی لیتا ہوں کہ جب اس میں پانی ملایا جاتا ہے تو جوش مارتی ہے (۲) دوسری بات جس کے لئے زندہ ہوں یہ ہے کہ جب کوئی مظلوم پکارتا ہے تو کج پا (تیز رفتار) گھوڑے کو اٹھاتا ہوں (باگ دیتا ہوں) جو جنڈ کے رہنے والے اس بھیڑیئے کی طرح تیز رو ہے جسکو گھاٹ پر جاتے ہوئے کسی نے دھتکار دیا ہو۔

[3] (ترجمہ) ہم اگر کم ہیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ ہمارا پڑوسی باعزت اور زیادہ جتھے والوں کا پڑوسی ذلیل ہے ۱۲

[4] (ترجمہ) میں اپنی پڑوسنوں سے یہ نہیں پوچھتا کہ تمہارے خاوند گھر میں ہیں یا سفر پر (۲) اور میں اپنے پڑوسی کے گھر سے کبھی اس طرح واپس نہیں آیا جیسے گدھا جو گھاٹ پر جائے اور پیاسا واپس آئے (بلکہ نہایت اطمینان سے واپس آتا ہوں ۱۲

اَلْحَاشِدِیْنَ عَلٰی طَعَامِ النَّازِلِ
اَلْمَانِعِیْنَ مِنَ الْخَنَا جَارَاتِہِمْ[۱]

ضیافت و مہمان نوازی سنن مرسلین سے ہے۔ یہ اعلیٰ خلق عرب کو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے ترکہ میں ملا تھا۔ پھر اس میں وہ تمام مراتب کو طے کرکے آخری سرحد پر پہنچ گئے۔ مہمان کو دیکھ خوشی کے مارے ان کے چہرے کا جگمگا اٹھنا ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ عُروہ بن وَرد کہتا ہے ؎

اُسَفِّرُ وَجْہِیْ اِنَّہٗ اَوَّلُ الْقِرٰی[۲]
وَاَبْذُلُ مَعْرُوْفِیْ لَہٗ دُوْنَ مُنْکَرِیْ

مہمان کی خاطر بلند چوٹیوں پر سکونت اختیار کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ابراہیم بن ہرمہ کہتا ہے ؎

اُغَشِّیْ الطَّرِیْقَ بِقُبَّتِیْ وَرِوَاقِہَا[۳]
وَاَحُلُّ فِیْ نَشَزِ الرُّبَا فَاُقِیْمُ

آفتاب کے غروب ہوتے ہی کسی پہاڑ کی چوٹی پر آگ بھڑکائی جاتی اور کھانا تیار ہوتے لگتا تاکہ بھولا بھٹکا مسافر آگ کو دیکھ کر ادھر متوجہ ہو اور کھانا کھائے۔ مالک اس کی انتظار میں چشم براہ ہو کر بیٹھا رہتا تھا۔ اعشیٰ اکبر عبد العزی بن حنتم الملقب بہ مُحَلَّق کی تعریف میں کہتا ہے ؎

لَعَمْرِیْ لَقَدْ لَاحَتْ عُیُوْنٌ کَثِیْرَۃٌ[۴]
اِلٰی ضَوْءِ نَارٍ بِالْیَفَاعِ تُحَرَّقُ

تُشَبُّ لِمَقْرُوْرَیْنِ یَصْطَلِیَانِہَا
وَبَاتَ عَلَی النَّارِ النَّدٰی وَالْمُحَلَّقُ

کھانا تیار رکھا ہے مگر مالک کا عہد ہے کہ جب تک کوئی مہمان نہ آئے نہیں کھاؤں گا۔ حاتم فرماتے ہیں ؎

اِذَا مَا صَنَعْتِ الزَّادَ فَالْتَمِسِیْ لَہٗ[۵]
اَکِیْلًا فَاِنِّیْ لَسْتُ اٰکِلُہٗ وَحْدِیْ

اَخًا طَارِقًا اَوْ جَارَ بَیْتٍ فَاِنَّنِیْ
اَخَافُ مَذَمَّاتِ الْاَحَادِیْثِ مِنْ بَعْدِیْ

اسی ملکۂ راسخہ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو **اَبُو الْاَضْیَاف** کہلانا موجب فخر و مباہات خیال کرتے تھے۔ مُرّہ بن مُحکان سعدی کہتا ہے ؎

اُدْعٰی اَبَاہُمْ وَلَمْ اُقْرِفْ بِاُمِّہِمْ
وَقَدْ عَمِرْتُ وَلَمْ اَعْرِفْ لَہُمْ نَسَبَا

---

[۱] (ترجمہ) وہ لوگ اپنی پڑوسنوں کو بے حیائیوں سے روکنے والے اور مہمان کی دعوت پر تمام قوم کو بلانے والے ہیں۔ ۱۲

[۲] (ترجمہ) مہمان کو دیکھتے ہی میرا چہرا جگمگا اٹھتا ہے۔ درینہ پہلی مہمانی ہے اسکے بعد میں اسکے لئے تمام عمدہ چیزیں وقف کر دیتا ہوں ۱۲ نور الحق غفرلہ

[۳] (ترجمہ) میں اپنے خیموں اور ان کے پردوں سے راستوں پر چھایا رہتا ہوں اور بلند ٹیلوں پر اترتا اور قیام کرتا ہوں ۱۲

[۴] (ترجمہ) بجان عزیزم۔ ایک آگ کی روشنی (مہمان کی آگ مراد ہے) کی طرف بہت سی آنکھیں اٹھ رہی ہیں جو ٹیلوں پر بھڑکائی جاری ہے۔ اور وہ ٹھٹھرے ہوئے مہمانوں کے لئے سلگائی گئی ہے اور وہ سکو سینک رہے ہیں اور چولھے کے قریب شب بھر محلق اور جود و سخا بیٹھے رہے تاکہ کوئی اور مسافر آئے اور اسکی خدمت کی جائے۔

[۵] (ترجمہ) جب کھانا تیار ہو تو اے رفیقہ حیات کوئی دوسرا کھانے والا بھی تلاش کر کیونکہ میں اکیلا نہیں کھاؤں گا۔ (۲) خواہ وہ

ثعلبہ بن بحیر حارثی سے بھی اس قسم کے الفاظ مروی ہیں۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے بیشمار اخلاق فاضلہ ہیں جن سے عرب کی اُمیّت اور فطرت اصلی پر روشنی پڑتی ہے اسلام لانے کے بعد شریعت نے ان اخلاق کو اور زیادہ مؤکد بنایا۔ اور ان میں افراط اور تفریط سے بھی روکا۔ سید محمود الوسی بلوغ الارب صہ ۹۴ میں لکھتے ہیں۔

وَ اَمّا بعد ظہور الاسلام فقد تأکد ذالک علیہم واستوجبہ علیہم نصوص الشریعہ فانضم ھذا الداعی الی الداعی الطبعی + (ترجمہ) اسلام نے ان اخلاق کو اور موکد بنایا اور نصوص شرعیہ نے ان کو ضروری ٹھہرایا۔ پس یہ اخلاق فطرتاً ضروری ہونے کے بعد شرعاً بھی لازم ہوئے۔

خلاصۃ البحث

الغرض تمام اعلیٰ اخلاق کے مواد بدرجہ اتم ان میں موجود تھے۔ مگر طرق استعمال غلط تھا علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں اس بحث کو بسط سے لکھا ہے۔ اور علم ادب کا ماہر اس کے ماننے پر مجبور ہے۔

اسلام کی فوری ترقی کا راز

یہودی تاریخ کا ایک صفحہ کے تحت میں ہم لکھ آئے ہیں کہ امۃ موسوی ہر دور میں بجائے ترقی کے تنزل کرتی رہی اس لئے موسیٰ اور عیسےٰ علیہما السلام کے درمیانی طویل وقفہ میں وہ کوئی کام انجام دینے کے بجائے "مغضوب علیہم" وغیرہ بنی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل (یہود) صفت تدبیر کی نیرنگیوں کے ماتحت سریر آرائے مصر ہوئے۔ انسان کے لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے ملک میں حکومت کرے لیکن اس کی تیاری کے لئے ایک اچھا نمونہ دیکھنا ضروری ہے۔ شام کے قریب مصر میں ایک حکومت قائم تھی۔ مناسب ہوا کہ پہلے بنی اسرائیل کو حکومت مصر میں دخیل بنایا جائے تاکہ وہ نمونہ دیکھ لیں۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام کے ذریعہ یہ کام سرانجام ہوا۔ بالفاظ دیگر یوسف علیہ السلام اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ بنی اسرائیل کو مصر تک حکومت دیکھنے کے لئے پہنچا دیں اور موسیٰ علیہ السلام اس لئے پیدا ہوئے کہ بنی اسرائیل کو مصر کے ساتھ اپنے ملک کی حکومت بھی دلائیں۔ بنی اسرائیل اپنی کمزوریوں کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کے بعد غلام بنا دئے گئے۔ جس پر وہ قانع ہو کر زندگی بسر کرنے لگے۔ سورہ مومن ارشاد "وَلَقَدْ جَاءَکُمْ

(بقیہ صفحہ سابق) کوئی بے وقت آنے والا مہمان ہو یا کوئی قریبی ہمسایہ۔ اگر میں بخیلوں کی طرح اکیلا کھانے لگ جاؤں تو مجھے بعد میں لوگ بری طرح یاد کریںگے ۱۲

ے (ترجمہ) میں ابوالاضیاف کہلاتا ہوں حالانکہ نہ میں ان کی ماؤں سے ہم بستر ہوا اور نہ ان کے حسب ونسب سے واقف ہوں ۱۲ نورالحق غفرلہ

(صفحہ ہذا) عہ واصل المسئلۃ فی سورۃ المائدۃ فی شرح قولہ تعالیٰ "واذقال موسیٰ لقومہ یاقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً" الایات ۱۲ نورالحق غفرلہ۔

یُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِی شَکٍّ مِّمَّا جَاءَکُمْ بِهٖ حَتّٰی اِذَا هَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا۔ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ"۔ آخر دور موسوی آیا۔ جس نے ان کو نہ صرف مصری حکومت کے پنجۂ استبداد سے چھڑایا بلکہ فرعون کو غرق کر کے وہاں کی حکومت عطا کی اور اس کے بعد بیت المقدس (شام) پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ صفت تدبیر کا اصل مقصد پورا ہو۔ جن گوناگون مصائب و نوائب کے بعد وہ شہر فتح ہوا اور وہ بھی وفات کلیم علیہ السلام کے بعد۔ ماہرین تاریخ و مذہب اس کو بخوبی جانتے ہیں۔ پھر طیطوس اور بخت نصر کے زمانہ میں جو کچھ ہوا وہ بھی معلوم ہے۔ یہاں تک کہ عیسوی دور آیا۔

ادھر اسلام نے تیس سال سے کم عرصہ میں متمدن دنیا کی بلند ترین چوٹیوں پر اپنی عظمت و سیادت کا پرغرور علم نصب کیا۔ اسی کی طرف سورہ بنی اسرائیل کے فاتحہ سبحن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الایۃ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یعنی اسلام کی سرعت رفتار کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کا پہلا قدم موسویت کا آخری قدم ہے۔ تا با تہا چہ رسد۔ جس کے متعلق حضور کو اعلان کرنا پڑا "حَتّٰی سَمِعْتُ صَرِیْفَ الْاَقْدَامِ" یعنی شب معراج میں آنحضرت ملاء اعلیٰ کے دفتر میں پہنچے۔

اس میں شک نہیں کہ اس فوری کامیابی کا راز زیادہ تر قرآن حکیم کی معجز تعلیم اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے وابستہ ہے مگر اُمیّین کی **فطرت صحیحہ** کو بھی اس میں ضروری دخل ہے۔ مادہ قابل تھا۔ تعلیم موثر تھی۔ اس نے وہ اثر دکھایا جس کی نظیر چشم فلک نے بہت کم دیکھی ہوگی ؎

از شبانِ وادئ ایمن نفس سوزاں ترم
موسیٰ اندر طور میر قصد ز موسیقار ما

پس عرب چونکہ صحیح فطرت سے بہرہ ور اور مکارم اخلاق کے اصول کے دلدادہ تھے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تھوڑے عرصے میں ان کی کایا پلٹ دی اور ہوا کا رخ ادھر سے اُدھر بدل دیا۔ امیین کے برخلاف یہود (و نصاریٰ) مدعیان علم و عمل اپنی فطرتیں یک قلم مسخ کر چکے تھے اور رفتہ رفتہ سب کمالات سے عاری ہو گئے تھے رسمی علوم، محرف اصول خود ساختہ اصطلاحات نے ان کے دماغ ماؤف کر دئے تھے۔ وہ غوایت کے درجہ تک پہنچ کر بھی اپنے آپ کو سرچشمۂ علم و عمل یقین کرتے تھے جو جہل مرکب ہے۔ جمود اور سکون۔ غلامی پر قناعت ان کے لئے لازمہ حیات تھا پس اگر ان کو آخری نبوت کا مرکز بنایا جاتا تو وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چراغ، بتی، تیل، آگ سب کچھ مہیا کرنا امیین عرب کو نبوت کا مرکز بنا کر نہایت قلیل مدت میں ان کی اصلاح کر دی گئی اور پھر ان کے ذریعہ تمام عالم کی اصلاح کی گئی۔

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ

نِعْمَةٍ	مِنْ	اللّٰهِ	وَ	فَضْلٍ	وَ	اَنَّ	اللّٰهَ	لَا
نعمت	۔ کی	اللہ۔	اور	فضل	اور (اس سے) کہ		اللہ	نہیں

جو اللہ کی طرف سے ہے خوش وقت ہوتے ہیں اور اس سے کہ اللہ ایمان داروں

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ

يُضِيْعُ	اَجْرَ	ال	مُؤْمِنِيْنَ	۱۷۱	اَلَّذِيْنَ	اِسْتَجَابُوا	لِلّٰهِ	وَ
ضائع کرتا	اجر		ایمانداروں کا	〃	جنھوں	پکار کا جواب دیا	اللہ کی	اور

کی مزدوری رائگاں نہیں کرتا 〃 جنھوں نے بعد اس کے کہ ان کو

وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ

ال	رَسُوْلِ	مِنْ	بَعْدِ	مَآ	اَصَابَهُمُ	اَلْ	قَرْحُ ۛؕ	لِ
	رسول کی		بعد	اس کے کہ	پہنچا تھا انکو		زخم	واسطے

زخم لگ چکا تھا اللہ اور رسول کی پکار کا جواب دیا۔ جن لوگوں نے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ

اَلَّذِيْنَ	اَحْسَنُوْا	مِنْهُمْ	وَ	اِتَّقَوْا	اَجْرٌ	عَظِيْمٌ	۱۷۲	اَلَّذِيْنَ
ان لوگونکے جنھوں نے نیکوکاری کی	ان میں سے		اور	پرہیزگاری کی	اجر ہے	بڑا	〃	وہ لوگ کہ

ان میں سے نیکوکاری اور پرہیزگاری کی ان کے لئے بڑا اجر ہے 〃 یہ وہ لوگ ہیں

قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ

قَالَ	لَ هُمْ	ال	نَاسُ	اِنَّ	ال	نَاسَ	قَدْ جَمَعُوْا	لَكُمْ
کہا	ان سے		لوگوں نے	کہ		لوگوں نے	بڑی جمعیت فراہم کرلی ہے	تم (سے لڑنے) کیلئے

جن سے لوگوں نے کہا، کہ لوگوں نے تم سے لڑنے کیلئے جمعیت فراہم کرلی ہے، پس تم کو

فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا

فَ	اِخْشَوْا	هُمْ	فَ	زَادَ	هُمْ	اِيْمَانًا ۖ	وَ	قَالُوْا
پس	تم ڈرو	ان سے	تو	(اس بات) نے زیادہ کردیا	ان کو	ایمان میں	اور	انھوں نے کہا

ان سے ڈرنا چاہیے، تو اس (خبر) نے ان کا ایمان اور زیادہ کر دیا، اور انھوں نے کہا

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا

حَسْبُنَا	اَللّٰهُ	وَ	نِعْمَ	ال	وَكِيْلُ	۱۷۳	فَ	اِنْقَلَبُوْا
کافی ہے ہم کو	اللہ	اور	وہ کیا ہی اچھا		کارساز ہے	"	پھر وہ	پھرے

اللہ ہم کو بس ہے اور کیسا اچھا کارساز ہے ! " پھر یہ لوگ اللہ کی نعمت

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ

بِ	نِعْمَةٍ	مِنْ	اللّٰهِ	وَ	فَضْلٍ	لَمْ	يَمْسَسْ	هُمْ
لے کر	ایک نعمت	- کی	اللہ -	اور	فضل	نہیں	چھوئی	ان کو

اور فضل لے کر واپس آئے ، اور ان کو کچھ نقصان نہ پہنچا

سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ

سُوْٓءٌ ۙ	وَ	اِتَّبَعُوْا	رِضْوَانَ	اللّٰهِ ۗ	وَ	اَللّٰهُ	ذُوْ فَضْلٍ	عَظِيْمٍ
برائی	اور	وہ پیچھے چلے	بڑی خوشنودی کے	اللہ کی -	اور	اللہ	فضل والا ہے	بڑے

اور وہ اللہ کی بڑی خوشنودی کے پیچھے چلے اور اللہ بڑے فضل والا ہے -

﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

۱۷۴	اِنَّمَا	ذٰلِكُمُ	اَلْ	شَيْطٰنُ	يُخَوِّفُ	اَوْلِيَآءَ	هٗ ۠	فَ
"	بجز اسکے نہیں کہ	وہ		شیطان ہے	ڈراتا ہے	حمائیتوں سے	اپنے -	سو

وہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے رفیقوں سے تم کو ڈراتا ہے - سو تم

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ

لَاتَخَافُوْهُمْ	وَ	خَافُوْنِ	اِنْ	كُنْتُمْ	مُؤْمِنِيْنَ	۱۷۵	وَ	لَايَحْزُنْكَ
نہ ڈرو ان سے	اور	ڈرو مجھ سے	اگر	تم ہو	ایماندار	"	اور	غمناک نہ کریں تم کو

ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایماندار ہو " اور وہ لوگ

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اَلَّذِيْنَ	يُسَارِعُوْنَ	فِيْ	ال	كُفْرِ ۚ	اِنَّهُمْ	لَنْ يَّضُرُّوْا	اَللّٰهَ	شَيْـًٔا ؕ
جو لوگ	شتابکاری کرتے ہیں	- میں		کفر -	بیشک	ہرگز نقصان نہ پہنچا سکیں گے	اللہ کو	کچھ

جو کفر میں جلد بازی کرتے ہیں تجھ کو غمگین نہ کریں ، بیشک وہ اللہ کا کبھی کچھ بگاڑ نہ سکیں گے

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ج

يُرِيْدُ	اللّٰهُ	اَلَّا	يَجْعَلَ	لَهُمْ	حَظًّا	فِيْ	اَلْ	اٰخِرَةِ
چاہتا ہے	اللہ	یہ کہ نہ	رکھے	ان کے لئے	کوئی حصہ	میں		آخرت

اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اور ان کے لئے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

وَ	لَهُمْ	عَذَابٌ	عَظِيْمٌ	۱۷۶	اِنَّ	اَلَّذِيْنَ	اِشْتَرَوُا	اَلْ
اور	ان کے لئے	عذاب ہے	بڑا	″	بے شک	جن لوگوں نے	مول لیا	

بڑا عذاب ہے ″ بے شک جن لوگوں نے ایمان دے کر

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ج وَ

كُفْرَ	بِ	اَلْ	اِيْمَانِ	لَنْ	يَّضُرُّوْا	اللّٰهَ	شَيْئًا ج	وَ
کفر	بدلے		ایمان کے	(وہ) ہرگز نہ	نقصان پہنچا سکیں گے	اللہ کو	کچھ	اور

کفر مول لیا ہے، وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے، اور ان کے لئے

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

لَ	هُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ	۱۷۷	وَلَا	يَحْسَبَنَّ	اَلَّذِيْنَ	كَفَرُوْٓا
واسطے	ان کے	عذاب	دردناک ہے	″	اور نہ	سمجھیں	وہ لوگ جنھوں نے	کفر کیا

دردناک عذاب ہے ″ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا وہ یہ

اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ط اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

اَنَّمَا	نُمْلِيْ	لَهُمْ	خَيْرٌ	لِ	اَنْفُسِهِمْ ط	اِنَّمَا	نُمْلِيْ	لَهُمْ
کہ یہ جو	ہم ڈھیل دیتے ہیں	ان کو	بہتر ہے	واسطے	انکے نفسوں کے	سوا اسکے نہیں کہ	ہم ڈھیل دیتے ہیں	ان کو

نہ سمجھ لیں کہ ہم جو ان کو ڈھیل دیتے ہیں ان کے حق میں بہتر ہے ۔ ان کو ڈھیل تو ہم

لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ

لِ	يَزْدَادُوْٓا	اِثْمًا ج	وَ	لَهُمْ	عَذَابٌ	مُّهِيْنٌ	۱۷۸	مَا كَانَ
تاکہ	اور زیادہ ہو جائیں	گناہ میں	اور	ان کے لئے	عذاب ہے	رسوا کرنے والا	″	نہیں ہے کام

اس لئے دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ لیں اور انکے لئے خوار کرنیوالا عذاب ہے۔ ″ اللہ کا

اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى

اَللّٰهُ	لِ	يَذَرَ	الْ مُؤْمِنِيْنَ	عَلٰى	مَا	اَنْتُمْ	عَلَيْهِ	حَتّٰى
اللہ کا	کہ	چھوڑ رکھے	مومنوں -	(او) پر	اسکے کہ	تم ہو	اس پر	بدون

یہ کام نہیں کہ اہل ایمان کو اس حالت پر رہنے دے جس پر کہ تم ہو اور گندے کو ستھرے

يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ

يَمِيْزَ	اَلْ	خَبِيْثَ	مِنْ	اَلْ	طَيِّبِ ط	وَ	مَا كَانَ	اَللّٰهُ
الگ کرے		گندے کو	سے		ستھرے -	اور	نہ یہ کام ہے	اللہ کا

سے الگ نہ کرے - اور نہ یہ اللہ کا کام ہے -

لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ

لِ	يُطْلِعَ	كُمْ	عَلٰى	الْ غَيْبِ	وَ لٰكِنَّ	اَللّٰهَ	يَجْتَبِيْ	مِنْ
کہ	دکھاوے	تم کو		غیب	لیکن	اللہ	انتخاب کرلیتا ہے	میں سے

کہ تم کو غیب کا نظارہ کراوے - لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے

رُسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

رُسُلِ	هٖ	مَنْ	يَشَآءُ ص	فَ	اٰمِنُوْا	بِ	اَللّٰهِ	وَ
رسولوں	اپنے	جس کو	چاہتا ہے	پس	ایمان لاؤ	پر	اللہ	اور

جس کو چاہتا ہے انتخاب کرلیتا ہے - پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

رُسُلِهٖ ج وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

رُسُلِ	هٖ ج	وَ	اِنْ	تُؤْمِنُوْا	وَ	تَتَّقُوْا	فَ	لَكُمْ
رسولوں	اس کے -	اور	اگر	تم ایمان لے آؤگے	اور	پرہیزگاری اختیار کروگے -	تو	تمہارے لئے

ایمان لے آؤ - اور اگر تم ایمان لے آؤگے اور پرہیزگاری اختیار کروگے تو تمہارے لئے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ

اَجْرٌ	عَظِيْمٌ	۱۷۹	وَلَا	يَحْسَبَنَّ	اَلَّذِيْنَ	يَبْخَلُوْنَ	بِمَا	اٰتٰهُمُ
اجر ہے	بڑا	,,	اور نہ	سمجھیں	وہ لوگ جو	بخل کرتے ہیں	اس میں جو	انکو دیا ہے

بڑا اجر ہے - ,, اور وہ لوگ جو اس (مال) میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ

اَللّٰهُ	مِنْ	فَضْلِ	هٖ	هُوَ	خَيْرًا	لَهُمْ ؕ	بَلْ	هُوَ
اللہ نے	۔ سے	فضل ۔	اپنے (کرم)	وہ	بہتر ہے	ان کے لئے	بلکہ	وہ

ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا کیا ہے یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ انکے حق میں بہتر ہے بلکہ وہ تو ان کیلئے

شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

شَرٌّ	لَهُمْ	سَيُطَوَّقُوْنَ	مَا	بَخِلُوْا	بِهٖ	يَوْمَ	ال	قِيَامَةِ
بدتر ہے	ان کے لئے	وہ طوق پہنائے جائینگے	اسکا کہ	بخل کیا انہوں نے	ساتھ اسکے	دن		قیامت کے

بدتر ہے ۔ جس مال میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن ان کو اس کا طوق پہنایا جائے گا

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ

وَ	لِ ۔ اللّٰهِ	مِيْرَاثُ	ال	سَمٰوٰتِ	وَ	ال	اَرْضِ	وَ
اور	اللہ کیلئے ہے	میراث		آسمانوں کی	اور		زمین کی ۔	اور

اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ

اَللّٰهُ	بِ	مَا	تَعْمَلُوْنَ	خَبِيْرٌ	١٨٠	لَقَدْ سَمِعَ	اللّٰهُ	قَوْلَ
اللہ	۔ سے ۔	اس ۔ جو	تم کرتے ہو	خبردار ہے	״	ہاں سن لیا ہے	اللہ نے	قول

اللہ اس سے باخبر رہتا ہے ۔ ״ ہاں اللہ نے سن لیا ہے ان لوگوں کا

الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ

اَلَّذِيْنَ	قَالُوْا	اِنَّ	اَللّٰهَ	فَقِيْرٌ	وَ	نَحْنُ	اَغْنِيَاءُ	سَنَكْتُبُ
ان لوگوں کا جنہوں نے	کہا	بیشک	اللہ	کنگال ہے	اور	ہم	تونگر ہیں	ابھی لکھ لینگے ہم

کہنا جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں ۔ ابھی ہم لکھ رکھتے ہیں

مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ

مَا	قَالُوْا	وَ	قَتْلَهُمُ	اَلْ	اَنْبِيَآءَ	بِغَيْرِ	حَقٍّ ۙ	وَ
جو	انہوں نے کہا	اور	ان کا قتل کرنا		نبیوں کو	نا	حق	اور

جو کچھ انہوں نے کہا، اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا ۔ اور ہم کہینگے

نقول ذوقوا عذاب الحريق (۱۸۱) ذالك بما قدمت

نقول	ذوقوا	عذاب	ال	حريق	۱۸۱	ذالك	بما	قدمت
ہم کہینگے	چکھتے ہو	عذاب		جلن کا	”	وہ	بسبب اسکے ہے جو	آگے بھیجا

چکھو آگ لگنے کا دکھ یہ اس کا پھل ہے جو تمہارے

ايديكم وان الله ليس بظلام للعبيد (۱۸۲)

ايديكم	و	ان	الله	ليس	ب ظلام	ل	ال عبيد	۱۸۲
تمہارے ہاتھوں نے	اور	بیشک	اللہ	نہیں ہے	ستم پیشہ	لیے	بندوں کے	”

ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تو اپنے بندوں کے حق میں ستمگار نہیں ہے

الذين قالوا ان الله عهد الينا الا نؤمن

الذين	قالوا	ان	الله	عهد	الينا	ان	لا نؤمن	ل رسول
وہ لوگ جنھوں نے	کہا	بیشک	اللہ نے	عہد بھیجا	ہم کو	کہ	ہم یقین نہ کریں	کسی رسول کا

جن لوگوں نے کہا بے شک اللہ نے یہ عہد ہم کو پہنچایا ہے کہ ہم کسی رسول کا اعتبار

لرسول حتى ياتينا بقربان تاكله النار

حتى	ياتي	نا	ب	قربان	تاكل	ہ	ال	نار
یہاں تک کہ	وہ آئے	ہمارے پاس	لیکر	ایک قربانی	کھالیتی ہو	اس کو		آگ۔

نہ کریں حتی کہ ہمارے پاس وہ ایسی قربانی لیکر آئے جس کو آگ کھا جاتی ہو۔

قل قد جاءكم رسل من قبلي بالبينت و

قل	قد جاء	كم	رسل	من قبلي	ب	ال	بينت	و
کہہ دو	آ چکے	تمہارے پاس	کئی رسول	مجھ سے پہلے	لیکر		روشن دلیلیں	اور

کہہ دو مجھ سے پہلے کئی رسول تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر آ چکے

بالذي قلتم فلم قتلتموهم ان كنتم صدقين (۱۸۳)

ب	الذي	قلتم	ف لم	قتلتموهم	ان	كنتم	صدقين	۱۸۳
لیکر	وہ جو	تم نے کہا	پھر کیوں	مار ڈالا تم نے انکو	اگر	ہو تم	سچے	”

اور وہ بھی لا چکے جو تم نے کہا۔ پھر تم نے ان کو کیوں مار ڈالا اگر تم سچے ہو ”

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ

فَ اِنْ	كَذَّبُوْا	كَ	فَ	قَدْ كُذِّبَ	رُسُلٌ	مِنْ قَبْلِ	كَ	جَآءُوْا
پھر اگر	انہوں نے جھٹلایا	تجھ کو	تو	جھٹلائے جا چکے	کئی رسول	پہلے	تجھ سے	آئے

اس پر بھی اگر وہ تجھ کو جھٹلاتے ہیں تو کئی ایسے رسول تجھ سے پہلے جھٹلائے جاتے رہے

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ

بِ	ال بَيِّنٰتِ	وَ	ال زُّبُرِ	وَ	ال كِتٰبِ	ال مُنِيْرِ	۱۸۴	كُلُّ
لیکر	روشن دلیلیں	اور	صحیفے	اور	کتاب	روشن	״	ہر

جو کھلے نشان اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ہر

نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نَفْسٍ	ذَآئِقَةُ	الْ مَوْتِ	وَ	اِنَّمَا	تُوَفَّوْنَ	اُجُوْرَكُمْ	يَوْمَ	الْ قِيٰمَةِ
نفس کو	چکھنا ہے مزہ	موت کا	اور	سوا اسکے نہیں کہ	تمکو پورے پورے ملینگے	تمہارے اجر	دن	قیامت کے

شخص موت کا مزہ چکھ کر رہے گا اور تمکو تمہارے اجر قیامت کے دن ہی پورے پورے ملینگے

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ

فَ	مَنْ	زُحْزِحَ	عَنْ	ال نَّارِ	وَ	اُدْخِلَ	ال	جَنَّةَ
پھر	جو کوئی	ہٹایا گیا	۔ سے	آگ ۔	اور	داخل کیا گیا		جنت میں

پھر جو کوئی دوزخ سے پرے سرکایا گیا اور بہشت کے اندر لایا گیا

فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

فَ	قَدْ فَازَ	وَ	مَا	الْ حَيٰوةُ	الْ دُّنْيَا	اِلَّا	مَتَاعُ	الْ غُرُوْرِ
تو وہ	وہ کامیاب ہوگیا	اور	نہیں ہے	یہ زندگانی	ادنیٰ	مگر	سامان	دھوکے کا

تو وہ مقصد کو پہنچ گیا اور یہ دنیوی زندگی تو نرا دھوکے کا سامان ہے

﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وَ

۱۸۵	لَتُبْلَوُنَّ	فِيْ	اَمْوَالِ	كُمْ	وَ	اَنْفُسِ	كُمْ	وَ
״	تم ضرور آزمائے جاؤگے	۔ میں	مالوں ۔	اپنے	اور	جانوں ۔	اپنے	اور

״ تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ

لَتَسْمَعُنَّ	مِنْ	اَلَّذِيْنَ	اُوْتُوْا	اَلْ كِتٰبَ	مِنْ قَبْلِ	كُمْ	وَ	مِنْ
سنتی پڑیگی تم کو	۔ سے	ان لوگوں جنکو دی گئی		کتاب	پہلے	تم سے	اور	۔ سے

اور تم کو ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے

اَلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

اَلَّذِيْنَ	اَشْرَكُوْٓا	اَذًى	كَثِيْرًا ۭ	وَ	اِنْ	تَصْبِرُوْا	وَ	تَتَّقُوْا
ان ۔ جو	مشرک ہوئے	ستانے کی باتیں	بہت	اور	اگر	تم ثابت قدم رہوگے	اور	متقی رہوگے

(خدا کے) شریک ٹھہرائے صحبت کی ستانے کی باتیں سننی پڑیں گی۔ اور اگر تم صابر اور متقی رہو

فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶ وَ

فَ	اِنَّ	ذٰلِكَ	مِنْ	عَزْمِ	اَلْ	اُمُوْرِ	۱۸۵	وَ
تو	بیشک	یہ ہے	میں سے	ہمت کے		کاموں	″	اور

تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ۔ اور

اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ

اِذْ	اَخَذَ	اَللّٰهُ	مِيْثَاقَ	اَلَّذِيْنَ	اُوْتُوْا	اَلْ كِتٰبَ	لَتُبَيِّنُنَّ	هٗ
جب	لیا	اللہ نے	پختہ عہد	ان کا جن کو	دی گئی	کتاب (کہ)	بیان کرتے رہنا	اس کو

جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی ہے عہد لیا کہ تم اس کو

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ

لِ	اَل	نَاسِ	وَ	لَا	تَكْتُمُوْنَ	هٗ ز	فَ	نَبَذُوْا
واسطے		لوگوں کے	اور	نہ	چھپانا	اسکو	پس	پھینکا انہوں نے

کھول کھول کر لوگوں کو سناتے رہوگے اور اس کو چھپایا نہ کروگے۔ تو انہوں نے اسکو

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

هٗ	وَرَآءَ	ظُهُوْرِهِمْ	وَ	اِشْتَرَوْا	بِهٖ	ثَمَنًا	قَلِيْلًا ۭ	فَ
اسکو	پیچھے	اپنی پیٹھوں کے	اور	خریدا	اس کے بدلے	مول	تھوڑا	سو

اپنی پشتوں کے پیچھے پھینکا ۔ اور خریدا اس سے ایک تھوڑا سا مول ۔ سو

قابلِ دید کتابیں

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر پیامِ اسلام سے مل سکتی ہیں۔

تفاسیر: - مندرجہ ذیل تفسیریں حضرت العلامہ مولینا ابو تراب محمد نورالحق علوی پروفیسر السنۂ مشرقیہ اورنٹل کالج لاہور کی تصنیفات میں سے ہیں۔ علامہ ممدوح نے ان تینوں کتابوں میں کتاب اللہ اصول و قواعد اور حقائق و معارف کو اس خوبی کے ساتھ بحر در کوزہ کر دیا ہے کہ انکے مطالعہ کے بعد پورے قرآن شریف کو تدبر کی راہ بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ یہ تفسیریں علماء و طلبین خصوصاً انگریزی خواں طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں

(۱) **نورالحق فی تفسیر سورۃ العلق**

مع ضمیمہ **بارقۃ الحق** قیمت ۱۲/

(۲) **الناموس المفصل فی تفسیر سورۃ المزمل** ۸/

(۳) **فتح المقتدر فی تفسیر سورۃ المدثر** ۱۱/

ترجمان القرآن پارہ دوم: - پارہ سیقول کا لفظ بلفظ اور با محاورہ ترجمہ:- قیمت ۸/

ترجمان القرآن پارہ سوم: - تیسرے پارے کا لفظ بلفظ اور با محاورہ ترجمہ قیمت ۸/

عربی و اردو کا نیا قاعدہ جدید: یہ قاعدہ بہت آسان اور نہایت دلچسپ ہے۔ مدرسۃ البنات میں پڑھایا جاتا ہے۔ بچہ اسکو تین ماہ میں ختم کر کے ہر قسم کی عربی اور اردو کی عبارت بآسانی پڑھ سکتا ہے۔ قیمت ۲/

سرِ دلبراں: - یہ نفیس کتاب مندرجہ ذیل نایاب مضامین کا مجموعہ ہے:-

(۱) **دعوت و تبشیر:** - اس میں ایک نیم فرانسیسی وکیل البرٹ اور اس کی فرانسیسی خاتون کے مشرف باسلام ہونے اور اسلام کی اشاعت کرنے کا ذکر ہے۔

(۲) **انگلستان میں اسلام پر آدھی صدی:** - شیخ الاسلام عبداللہ کوئلیم انگلستان کے پہلے نو مسلم کے ایک لیکچر کا ترجمہ ہے جس میں انھوں نے اپنے مشرف باسلام ہونے اور انگلستان میں تبلیغ اسلام کرنے کا مفصل ذکر کیا ہے۔

(۳) **ابو محجن الثقفی:** - قرنِ اول کے نامور شہسوار کا کارنامہ نفسِ اسلامی کی قوت و عظمت کا بے نظیر نقشہ۔

(۴) **تیغِ زبان اور زبانِ تیغ کے جوہر:** - یہ دو قصے ہیں پہلے کرامتی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ میں ایک مسلمان مناظر دینی مباحثہ میں بڑے بڑے لاٹ پادریوں کا ناطقہ بند کر دیتا ہے۔ دوسرے قصے میں امیرالمومنین المعتصم کے ایک ہاشمیہ کو رومیوں کی قید سے چھڑانے اور نصرانی قوت کو پامال کرنے کا ذکر ہے۔ آخر ایک حکایت میں عیسائی تثلیث کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ قیمت ۳/

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۵۵



لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پیام اسلام
جالندھر شہر

علمی تبلیغی و اصلاحی ماہنامہ

مدیر اعلیٰ : عبدالحق عباس

مدیر معاون : محمد احسن خان ذاکر

سرپرست

انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر

(کاتبہ: سردار محمد خوشنویس جالندھری)

قواعد

۱- پیغام اسلام ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے۔

۲- رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع اسی مہینے کی بیسویں تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے ورنہ رسالہ قیمت پر ملے گا بشرط موجودگی۔

۳- چندہ سالانہ رؤسا و امراء سے پانچ روپے۔ عوام سے تین روپے فی پرچہ ۵ر۔ ممالک غیر سے سالانہ چار روپے۔ غیر مسلم حضرات سے دو روپے آٹھ آنے۔

۴- مضامین صاف اور خوشخط ہونے چاہئیں۔

۵- جو حضرات کم استطاعت اصحاب اور غیر مسلموں میں رسالہ تقسیم کرنے کیلئے پچاس روپے سالانہ چندہ دیں انکا اسم گرامی مربیان پیام اسلام کے زمرے میں ہوگا۔

۶- ہر شخص بلا لحاظ مذہب و ملت پیام اسلام میں مضمون بھیج سکتا ہے۔ اپنے شبہات پیش کر سکتا ہے۔ مگر متانت و تہذیب شرط ہے۔

۷- ایڈیٹر نامہ نگاروں کی رائے کا ذمہ دار نہیں۔

۸- اشتہارات کی اجرت کا تصفیہ منیجر سے بذریعہ خط و کتابت کرنا چاہیئے۔

باہتمام محمد اسمٰعیل خان اکرم پرنٹر پبلشر جنرل برقی پریس جالندھر شہر میں چھپکر دار القرآن سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیامِ اسلام جالندھر شہر

جلد ۱ | اگست ۱۹۳۸ء جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ | نمبر ۲

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اکبر الٰہ آبادی کا عارفانہ کلام

(چیدۂ جناب خواجہ فیض لودھیانوی لاہور)

(۳۳)

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تسلیم ان کے ہاتھ میں
جج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوشنما دو جیم ان کے ہاتھ میں

(۳۴)

ویسٹرن فن۔ غم کو نورِ باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں
ضروری چیز ہے تجربہ بھی زندگانی میں

تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہم سن کر نہیں سکتیں

(۳۵)

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآں بھی کبھی پڑھتے ہو
دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڈھ سے تے ہو
شیخ صاحب کا تعصّب ہے جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

(۳۶)

مذہب چھوڑو۔ ملّت چھوڑو۔ صورت بدلو۔ عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

(۳۷)

خیر خواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

(۳۸)

ذوقِ آرام بجا۔ شوقِ تعلّی بے جا
طلبِ رزق ہو لیکن ہوسِ جاہ نہو
شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال
کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہو

(۳۹)

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحرِ زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیٔ دل کو جوانی میں
اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

(۴۰)

بجائے قرآں کے اب ہے ڈارون کا ذکر یاروں میں
جہاں رہتے تھے حضرتِ آدم وہاں بندر اُچھلتے ہیں

(باقی پھر)

علوم قرآنی

قسط نمبر ۳

از حضرة العلامہ مولوی عبدالقیوم صاحب ندوی سترکھی فاضل حدیث لکھنؤ یونیورسٹی

صحابہؓ اور قرآن حکیم

یوں تو صحابہ کرامؓ نے قرآن کی جس نہج سے خدمت کی اس کی شہادت کیلئے آج تاریخ کے صفحات کافی ورثہ [illegible] ہیں۔ لیکن ان کی سب سے اہم اور نہایت عظیم الشان خدمت جمع و ترتیب قرآن اور اس کی نشر و اشاعت ہے کہ جس نے ان کو دنیا کے تمام اولو العزم پیغمبروں کے اصحاب پر امتیاز و تفوق کے درجہ پر فائز کر دیا۔ آج کی صحبت میں ہم اسی امر کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ [illegible] اپنی آخری کتاب [illegible] وحی آخر تک نازل فرما چکا ہے سرور عالم اس دنیائے فانی سے تشریف لیجا چکے ہیں۔ قرآن ابھی متفرق اوراق [illegible] کپڑوں کے ٹکڑوں پر، اونٹوں کی ہڈیوں پر، کھجور کے پتوں پر منتشر اور پتھروں اینٹوں پر اس کے اجزاء مکتوب ہیں۔ بعض بزرگوں کو چند سورتیں کسی کو پورا قرآن کسی کو سورۃ یوسف اور کسی کو اس سے زائد یاد ہے۔ اور جو ایسے خوش

پیام اسلام جالندھر نمبر

بزرگ زیر مضمون نے آنحضرت کی زندگی ہی میں کامل قرآن پاک حفظ کرکے آپ کو سنا چکے ہیں۔ ان میں سے حضرت زید بن ثابتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ سالمؓ اور معاذ بن جبلؓ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جیسا کہ ہر دو بخاری شریف میں عمرو بن العاص کے واسطے سے روایت موجود ہے۔

خذوا القرآن من اربعة من عبد اللہ بن مسعود۔ سالم ومعاذ وابی بن کعب

(بخاری شریف باب القراء من اصحاب النبی صلعم)

یعنی چار حضرات سے قرآن سیکھو۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ معاذؓ و سالمؓ اور ابیؓ سے۔

جب تک یہ تمام قرآن پاک کا کوئی بے بہا مجموعہ ایسا مرتب نہ ہو سکا تھا کہ جس سے ہر خاص و عام ہر وقت فائدہ حاصل کر سکتا اور نہ کوئی اس میں ایسی ترتیب تھی جس سے پڑھنے میں سہولت ہوتی۔ جیسا کہ دیر عاقول نے اپنی کتاب الفوائد میں نقل کیا ہے۔

عن زید بن ثابت قال قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القرآن جمع فی شیء۔

زید سے مروی ہے کہ آنحضور انتقال کر گئے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہ کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے جہاں تمام فضیلتوں سے سرفراز فرمایا وہاں ایک جمع قرآن کی بھی فضیلت تھی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں

اعظم الناس فی المصاحف اجراً ابوبکر رحمة الله علی ابی بکر هو اول من جمع کتاب الله (اتقان)

مصاحف میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ابوبکرؓ ہیں۔ اللہ ان پر رحمت کرے وہ اللہ کی کتاب کے سب سے پہلے جمع کرنے والے ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو یمامہ کی ایک بڑی مہم پیش آئی۔ آپ نے صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کو اس مہم کے سر کرنے کیلئے روانہ فرمایا جو ستر حفاظ قرآن اور دیگر کبار صحابہؓ پر مشتمل تھی۔ سوء اتفاق وہ سب حفاظ قرآن شہید ہو گئے۔ تب حضرت عمرؓ کو قرآن پاک کے تدوین کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ وہ خلیفۂ وقت سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اگر لڑائیوں میں اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہو گئے تو قرآن کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائیگا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ آپ قرآن کے جمع و ترتیب کا حکم صادر فرما دیجئے۔ چونکہ یہ ایک ایسا کام تھا کہ رسول اللہؐ نے اپنے عہد مبارک میں نہ کیا تھا۔ اس لئے پہلے پہل انہوں نے اس رائے کی شدت کے ساتھ مخالفت کی لیکن بالآخر حضرت عمرؓ کے اصرار سے وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ کو جو عہد نبوی کے ممتاز کاتب وحی تھے اور ان کو یہ فخر حاصل تھا کہ آپؐ کی حیات مبارک ہی میں انہوں نے پورے قرآن کو ایک ایک ترتیب سے زبانی یاد کر لیا تھا طلب فرمایا اور اس اہم خدمت کو ان کے سپرد کر دیا۔ اول اول زیدؓ نے بھی شدت

سے انکار کیا۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ کے اصرار نے ان کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اور اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرح ان کو بھی شرح صدر کو شرف بخشا۔ انھوں نے اس ایمان و ہدایت کے زریں ٹکڑوں کو ایک کرنا شروع کر دیا۔ (بخاری جلد نمبر ۳ باب جمع القرآن)

حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا کہ صرف وہ آیتیں و سورتیں جمع کی جائیں جو لکھی ہوئی ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت خذیمہ انصاریؓ نے سورۂ برات کی آخری آیتوں کو پیش کیا تو آپ نے ان کے لکھنے میں تامل کیا۔ اور بلا تحقیق مزید کے نہ لکھیں۔ (فتح الباری جلد نمبر ۹ صـــ)

اس اہم کام کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ و زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں۔ اور جو لوگ قرآن کی آیات کو پیش کریں ان سے بغیر دو گواہ لئے ہوئے قبول نہ کریں۔ (فتح الباری جلد نمبر ۹ صـــ)

اس حکم پر اسقدر شدت سے عمل کیا گیا کہ ایک بزرگ نے آیت رجم پیش کی تو حضرت عمرؓ نے اس کو نہ لکھا۔ کیونکہ اس کا کوئی گواہ نہ تھا۔ (اتقان فی علوم القرآن باب جمع القرآن)

غرض اس احتیاط اور اہتمام سے یہ نتیجہ لوگوں کے سینوں سے ٹلیوں اور کھجور کی چھالوں سے جمع کیا گیا جیسا کہ خود حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے۔

فتتبعت القرآن اجمعہ من ۔۔۔ میں نے قرآن کی جستجو کی اور کھجور کی چھال

القلب والخاف وصدور الرجال۔ ہڈیوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کیا۔ (بخاری جلد ۳)

تب تک ابھی وہ ترتیب مرتب نہیں ہونے پائیں تھیں۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۳/۱۶)

جب یہ مجموعہ تیار ہوگیا تو اس کو حضرت ابوبکرؓ نے بہت ہی احتیاط سے اپنے پاس رکھا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضے میں خلافت کے ساتھ یہ بھی آیا۔ (سیرۃ العمرؓ)

قرآن ایک حد تک مرتب ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کی طرف کچھ زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں محسوس فرمائی بلکہ اس سے زیادہ اہم امر کی طرف آپ نے اپنی کوششوں کی باگ کو پھیرا۔ (یعنی قرآن کے حفظ و اشاعت کی طرف) تمام ممالک مفتوحہ میں اس کا درس جاری کرایا۔ معلموں اور حفاظ کی تنخواہیں اور وظائف مقرر کئے۔ (سیرۃ العمرؓ)

ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند لوگوں کے ساتھ قبیلہ قبیلہ اور دیہات دیہات پھرنے پر مقرر کیا تاکہ وہ ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن نہ یاد ہو اسے سزا دے۔ (آغانی جلد ۱۶ ص ۵۸)

حضرت عمرؓ کے میمون عہد خلافت میں صحابہؓ کے پانچ مشہور حفاظ قرآن موجود تھے۔ حضرت معاذؓ۔ ابیؓ۔ ابوایوبؓ۔ عبادہ ابن صامت اور ابوالدرداءؓ

آپ نے ان سب کو بلوایا اور فرمایا کہ آپ لوگ شام کو جائیے اور وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات سے سرفراز فرمائیے۔ حضرت ابیؓ اور ابوایوبؓ نے بیماری کا عذر کیا اور بقیہ بزرگوں نے امیرالمومنینؓ کے فرمان کو بخوشی منظور کر لیا۔ پہلے یہ لوگ حمص گئے۔ جب وہاں تعلیم جاری ہوگئی تو عبادہ وہیں ٹھہر گئے۔ ابوالدرداءؓ دمشق اور معاذؓ بیت المقدس کو روانہ ہوئے۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)

ان حضرات کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ ایک بار ابوالدرداءؓ کے شاگرد شمار کئے گئے تو ان کی تعداد سولہ سو (۱۶۰۰) نکلی۔

حضرت عمرؓ نے قرآن کی اشاعت کے لئے اور بہت سی تدابیر اختیار فرمائی تھیں۔ چنانچہ عمال سلطنت کو لکھ بھیجا تھا کہ جو قرآن یاد کرے اس کی تنخواہ مقرر کر دی جائے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سال میں ناظرہ خواں کے علاوہ حفاظ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ چنانچہ سعد ابن وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کے ایک خط کے جواب میں اپنی فوج کے حفاظ کی تعداد تین سو بیان کی۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۱۱)

یہ سب کچھ تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی روز بروز فتوحات ہوتی جاتی تھیں۔ عجم و عرب کے ہزارہا افراد حلقہ بگوش اسلام ہوتے جاتے تھے۔ قرآن کی جامعیت انکے پاس نہ ہونے کی وجہ سے قرأت میں اختلاف پیدا ہو گیا تو حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ اگر قرأتوں کے اختلاف کا انسداد نہ کیا گیا تو کچھ روز کے بعد اس کی بھی توریت و انجیل کی سی حالت ہو جائے گی۔ تب حضرت

عثمان رضؓ نے صدیقی رضؓ نسخے کو حضرت حفصہ رضؓ سے منگوالیا۔ سورتوں کی ترتیب وغیرہ قائم کرنے کے لئے علماء صحابہ رضؓ کی ایک کمیٹی قائم کی جس کے ارکان حسب ذیل ہیں۔

زید بن ثابت رضؓ۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ۔ سعید بن العاص رضؓ۔ عبدالرحمان بن الحارث رضؓ

ان کو دربار خلافت سے یہ حکم تھا کہ وہ سورتوں کی ترتیب قائم کریں اور اس کو قریش کی زبان پر لکھیں۔ چنانچہ ان بزرگوں نے جب اپنا کام پورا کر دیا تو اس پہلے مجموعہ کو آپ نے حضرت حفصہ رضؓ کو واپس کر دیا۔ (فتح الباری جلد ۹ ص ۱۶)

اس کے بعد آپ نے ان نقل شدہ نسخوں کو مکہ۔ شام۔ یمن۔ بصرہ اور کوفہ وغیرہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور اس طرح پر صحابہ کرام رضؓ نے اسلام کی دو بڑی اور نازک خدمات (اشاعت و ترتیب قرآن) کو نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ انجام فرمایا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

حفاظت قرآن:۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ان خدمات عالیہ کا جو انھوں نے قرآن کے بارے میں کیں ان کا مختصر خاکہ آپ کے پیش نظر ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کن کن مواقع پر کیسی کیسی خدمات انجام دیں اور محبت اور دینداری کے کیسے کیسے نمونے پیش فرمائے۔ درحقیقت یہ جو کچھ بھی ہوا اور جو کچھ بھی انھوں نے کیا وہ صرف باری تعالیٰ کی رحمت اور عنایت تھی اور صحابہ کرام کو اپنی کتاب کی جمع و ترتیب کی فضیلت دینا منظور تھا۔ ورنہ حفاظت قرآن کا اور اس کے جمع و ترتیب کا تعلق جہاں تک ہے اللہ تعالیٰ نے

فانی لوگوں کے بجائے اپنی قدیم اور نہ مٹنے والی قوت کے سپرد کیا تھا اور انسانی طاقتوں کی جگہ اس نے ازل سے اپنی طاقت کو اس کے لئے مخصوص فرما دیا تھا۔ یعنی قرآن مقدس کی حفاظت بجائے اس کے کہ انسان اور انسانی طاقتیں کریں اس نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اور علی الاعلان فرما دیا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ بیشک ہم نے ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں (قرآن حکیم) یہی وجہ ہے اور صرف یہی وجہ ہے کہ باوجود ہزارہا مصائب اور بیشمار آلام و آفات کے قرآن پاک کے ایک نقطہ اور ایک شوشے میں بھی بال برابر فرق نہ آتا تھا نہ آیا۔ اور یہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور ختم نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور سب سے زیادہ قاطع برہان ہے کہ جسکے سامنے ہمیں کسی اور دلیل اور برہان کی ضرورت نہیں رہتی۔ بخلاف دیگر کتب سابقہ اور شرائع کے کہ چونکہ اللہ جل مجدہٗ نے ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی تھی اسی لئے وہ دیر تک باقی نہ رہ سکیں اور جلدی ہی فنا کے گھاٹ اتر گئیں کیونکہ ان کے اندر اسقدر زبردست تحریف کی گئی کہ اصلی شکل میں ان کو جاننا اور پہچاننا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن اور محال ہو گیا۔ آج انجیل، زبور، توریت وغیرہ سب ہی موجود ہیں اور ان کے ماننے والے بھی ایک دو نہیں لاکھوں اور کروڑوں موجود ہیں۔ لیکن ان لاکھوں اور کروڑوں انجیلوں اور زبوروں اور توریتوں میں سے کوئی بھی اس کی ضمانت کر سکتا ہے کہ یہ انجیل وہی انجیل

ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی؟ یا یہ توریت وہی ہے جو بعینہٖ حضرت موسٰیؑ پر نازل ہوئی۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ایک ایک انجیل کی بجائے تین تین اور چار چار انجیلیں اور توریتیں جاری تھیں جو آج بھی زبان حال سے اپنی منسوخیت اور اپنی غیر ثباتی کا اعلان اور اقرار کر رہی ہیں۔ پھر یہ کہ ان میں تحریف اور کمی و زیادتی کا سلسلہ ابھی تک بند بھی نہیں ہوا۔ ابھی چند سال ہوئے ہیں جبکہ خاصکر انجیل کے ایک قدیم اور رائج الوقت حکم کی منسوخی کے لئے یورپ میں بڑے بڑے حکماء اور عقلاء کا ایک کمیشن بیٹھا تھا جس نے بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ انجیل کا فلاں حکم آجکل کی ضروریات کو ہرگز نہیں پورا کرتا ہے جس سے اسکے پیرو سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ لہذا ان کی سہولت اور آسانی کے لئے اب آج سے ہم لوگ اس حکم کو منسوخ کرتے ہیں۔

یہ ہے انجیل کی حیثیت کہ جس کو عیسائی مبلغین اپنے روپیہ اور حکومت کے زور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے پھرتے ہیں۔ اور اپنی پوری کوشش صرف کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سے دنیا ان کی اس انجیل کی تبع اور پیرو ہو جائے۔ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِاُولِی الْاَلْبَاب۔

لیکن قرآن ہے کہ جو آج سے تقریباً چودہ سو برس سے اسی طرح سے اور اسی شکل میں چلا آرہا ہے جسطرح کہ نازل کرنے والے نے اس کو سب سے پہلی بار نازل فرمایا تھا۔ آج کے قرآن سے اور آج سے چودہ سو برس پیشتر کے قرآن سے اگر مقابلہ

کیا جائے تو اس کے اندر ایک نقطہ اور شوشہ کا بھی فرق نہ پایا جائیگا۔ اور سورتوں
پاروں، بلکہ آیتوں، الفاظ یہانتک کہ حروف اور نقاط میں بھی ذرہ برابر کسی قسم کا تفاوت
نہ ملیگا۔ انھیں چیزوں کو دیکھکر ایک انگریز مؤرخ پکار اٹھتا ہے کہ :۔

"میں نے عیسائیوں کی کتابوں اور ان کے مذہبی لٹریچر کا بھی مطالعہ کیا۔ ہندو
اور بدھ مذہب کا بھی مطالعہ کیا۔ یہودیوں اور پارسیوں کے مذاہب کا بھی مطالعہ
کیا۔ لیکن جو بات اسلام میں دیکھی وہ خدا کی قسم کہیں نہیں دیکھی اور جو کشش قرآن
میں پائی خدا کی قسم اسکی شباہت بھی کہیں نہیں ملی۔ (المجمع العلمی مطبوعہ مصر)

جمع و ترتیب :- چونکہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم اور
سارے زمانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ پر
جو کتاب نازل کی گئی تھی اس کے اندر سارے مذاہب کا نچوڑ اور ہر زمانہ اور
ہر قوم کیلئے احکام اور ہدایات اور اوامر اور نواہی تھے اسی لئے باری تعالےٰ نے
اس کی حفاظت اور اس کی جمع و ترتیب وغیرہ کی ذمہ داری خود اپنے سر لی تھی۔ تاکہ
اس کی حفاظت کی ازلی دیوار کو دنیا اور دنیا والوں کے فانی ہاتھ توڑ نہ سکیں اور
زمانے کے شدید سے شدید بھیانک سے بھیانک سیلاب اس تک نہ پہنچ سکیں۔
چنانچہ اللہ تعالےٰ نے خود ہی اپنی اس مقدس کتاب قرآن مجید میں اپنی اس ذمہ داری
کو صاف صاف فرما دیا۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا
جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ یعنی اپنی زبان کو جلدی نہ ہلائیں بیشک ہمارے ذمہ ہے اسکا جمع کرنا ہے۔

(قرآن مجید سورہ قیامہ [illegible])

واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضور صلعم چونکہ پیدائشی امی واقع ہوئے تھے اس لئے آپ پر جب قرآن کی وحی ہوا کرتی تو جلد جلد اسے یاد کرنے کی کوشش فرمایا کرتے کہ مبادا اسے بھول نہ جائیں اور قرآن کا بعض حصہ خدانخواستہ ضائع نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر اس آیت کا نزول فرمایا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت اسکی جمع و ترتیب اور اس کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ سب میرے ذمہ ہے"۔ دنیا نے اس آیت کی صداقت کا جس طرح امتحان کیا وہ خود اپنی نظیر ہے۔

حفاظت کے طریقے:۔ کسی چیز کی حفاظت کے صرف دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا اس کو زبانی یاد کر لیا جائے اور یا اسے لکھ لیا جائے۔ اور سب سے بہتر طریقہ وہ ہے کہ لکھ بھی لیا جائے اور زبانی بھی یاد کر لیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں سے یہی کرایا۔ کہ ان سے لکھوایا بھی اور ان کو یاد بھی کرایا۔ اور اس چیز کی بھی پیشینگوئی قرآن ہی سے کرادی گئی۔ چنانچہ زبانی یاد کرنے کے متعلق ہم کو یہ آیت ملتی ہے۔ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ الآیۃ۔ (قرآن حکیم) وہ یعنی قرآن کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔ اسی جگہ سے حفاظ قرآن کی عظمت اور شان ظاہر ہوتی ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خصوصیت قرآن اور صرف قرآن کی ہے کہ یہ پورا کا پورا سینوں میں محفوظ رہیگا اور اگر خدانخواستہ کوئی زمانہ ایسا آجائے کہ کاغذ کے نسخوں اور پتھر کی سلوں سے

اسے مٹا دیا جائے گو یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکیگا کہ اسے سینوں کی لوح سے جو بمنزلہ پردہ میں محفوظ ہے مٹا دیا جائے۔ اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارك وسلم۔

حفظ قرآن کی جو پیشگوئی قرآن نے کی وہ بھی آج کس طرح سچی نظر آ رہی ہے آج کتنی کتابیں ایسی موجود ہیں کہ جو الہامی اور آسمانی کے نام سے پکاری جاتی ہیں اور کتنے ایسے موجود ہیں جو ان کی دن رات تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن کیا آج ایسے بھی بہت نہ سہی کچھ ہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو ان کتابوں کے حافظ ہوں اور ان کو کاغذ کے صفحات کی بجائے اپنے سینوں کے صفحات میں بھی جگہ دے رکھی ہو؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ۔ قرآن نے آج سے چودہ سو سال ہوئے جبکہ حفظ قرآن کی پیشگوئی کی تھی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ اس وقت سے ابتک کتنے حافظ ہو چکے ہیں؟ اور الحمد للہ آج کتنے حافظ قرآن موجود ہیں اور ہر سال رمضان میں کتنے قرآن ختم ہوتے ہیں؟ اگر ان کھلے ہوئے معجزات پر بھی کوئی ایمان نہ لائے تو سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ؕ حفاظت کا دوسرا طریقہ کتابت ہے۔ قرآن نے اس کی بھی پیشگوئی کر دی تھی۔ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔ اور یہ (قرآن حکیم) ہم ہے چھپے ہوئے ورق پر لکھی ہوئی کتاب ہے۔ چنانچہ یہ بھی جیسا کچھ ہوا اور ہو رہا ہے دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو

کس طرح لکھا اور اس کے نسخوں کو اقوام عالم کے پاس کس طرح پہنچایا؟ اس کا مختصر حال گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ پھر اس وقت سے اور آج تک برابر کس تیزی اور کس حفاظت سے اسکی حفاظت ہوتی رہی اور ہو رہی ہے وہ بھی ظاہر ہے غرضکہ قرآن کی یہ پیشینگوئی بھی ظاہر ہوئی اور خوب خوب ظاہر ہوئی کہ جسکی نظیر دنیا کی کوئی قوم اور کوئی فرقہ نہیں پیش کر سکتا ہے۔ صرف یہی چند ایسے کھلے ہوئے قرآن کے معجزات ہیں کہ اگر ان کو قرآن کی صداقت کا معیار بنایا جائے تو کوئی عقلمند اس کے اندر ذرہ برابر شک کی گنجائش نہ کرسکے گا بلکہ چیخ اٹھیگا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہی وہ کتاب ہے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (قرآن حکیم سورہ بقرہ آیت ۱)

قران پر ایک اعتراض:-

عیسائیوں اور آریوں اور اس سے قبل کے دیگر فرقوں کی طرف سے بڑے شد ومد سے یہ اعتراض قرآن پر کیا جاتا ہے کہ اس کی ترتیب اور اس کی تنظیم تو محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کی گئی ہے اور صحابہؓ کی رائے سے کی گئی ہے۔ عجب کیا ہے کہ اس کے اندر اضافہ ہو گیا ہو اور کمی بیشی کر دی گئی ہو وغیرہ وغیرہ۔ ان کا تو یہ اعتراض ہی ہے۔ مگر ہمارے ایک گمراہ فرقہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ نعوذ باللہ قرآن حکیم کے اندر کمی واقع ہو گئی ہے اور ایک نہیں پورے دس پارے غائب کر دئے گئے ہیں..." ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعتراضات کی وجہ یا تو تعصب

سب اور یہ عداوت اور بغض ہے۔ اگر جہل اور عداوت کو دخل نہ دیا جائے تو پھر
اعتراضات تو کجا شبہات کی بھی گنجائش نہیں ہو سکتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ اعتراض ہی سرے سے غلط ہے کہ قرآن کی ترتیب و کتابت
حضور صلعم کے بعد ہوئی یا صحابہ کرام کی رائے سے ہوئی ہے۔ قرآن کی ترتیب اور
اس کی کتابت حضور صلعم ہی کے زمانہ میں ہوئی اور انہیں کی رائے اور مشورہ سے
ہوئی البتہ یہ ترتیب جو آج کل موجود ہے اس کی کتابت صرف عہد صحابہ میں ہوئی
ورنہ نفس ترتیب جو قرآن کی ہے وہ سینوں میں پہلے ہی سے موجود تھی۔ اور جو حفاظ
قرآن تھے وہ اس وقت بھی اسی ترتیب سے یاد کئے ہوئے تھے جو آج کل موجود
ہے۔ چنانچہ دارمی شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ قرآن کی وحی جب تمام ہو گئی
اور دین اپنے کمال پر پہنچ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور قرآن کی تلاوت کی
اور اس قرآن سے اور لوح محفوظ کی عبارت کا مقابلہ فرمایا۔ (دارمی شریف)

مسند طیالسی میں تحریر ہے کہ حضور صلعم نے پورا قرآن تین دن کے اندر اسی
ترتیب کے ساتھ رمضان شریف میں سنا دیا تھا اور چوتھے دن تراویح کی فرضیت
کے خوف سے باہر نہ نکلے تھے۔ (مسند ابوداؤد طیالسی)

حضرت امام حاکم اپنی مستدرک میں فرماتے ہیں کہ جُمِعَ القرآن ثلاث
مرات احدھا بحضرت النبی صلعم۔ (ترجمہ) قرآن جمع کیا گیا تین
مرتبہ ایک حضور صلعم کے زمانہ میں۔ اس کے بعد اس کے استدلال میں حضرت زید

نے ایک روایت بیان کی جو شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر پوری اترتی ہے اور وہ یہ ہے۔ عن زید ابن ثابت قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن من الرقاع (الحدیث) ہم لوگ نبی صلعم کے پاس قرآن کو ٹکڑوں سے جمع کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

امام العارفین سید المفسرین حضرت العلامہ الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ برہان میں فرماتے ہیں۔ ترتیب السور ھکذا ھو عند اللہ فی اللوح المحفوظ علیٰ ھٰذا الترتیب وعلیہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یعرض علی جبریل کل سنۃ ما کان یجمع عندہ منہ وعرضہ علیہ فی السنۃ التی توفی فیھا مرتین وکان اٰخر الاٰیۃ نزولا "وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ" فامرہ جبریل ان یضعھا بین اٰیۃ الربا والدین۔

(ترجمہ) سورتوں کی ترتیب بھی (آیتوں کی طرح) اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے جو لوح محفوظ میں مذکور ہے اور اسی ترتیب پر حضور سالہا سال جبرئیل کو سناتے تھے۔ اور ہر سال حضرت جبرائیل کے مقابلہ کیا کرتے تھے اور جس سال حضور کا وصال ہوا ہے اس سال حضرت جبریل نے دوبارہ مقابلہ فرمایا اور سب سے آخری آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تھی جسے حضرت جبریل نے حکم دیا تھا کہ اسے ربا اور دین کی آیت کے درمیان میں رکھیں۔ (البرہان الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت امام ابن حصارؒ فرماتے ہیں کہ سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سب کی سب بذریعہ الہام اور وحی تھی"۔ (اتقان فی علوم القرآن ص۶۳ مطبوعہ مصر)

علوم قرآن کے مشہور عالم اور ادب کے جلیل القدر امام حضرت العلامہ الحافظ ابوجعفر النحاسؒ فرماتے ہیں کہ تالیف السور علی ھذا الترتیب من رسول اللہ صلعم لحدیث واثلۃ اعطیت مکان التوراۃ السبع الطول۔

ترجمہ:۔ ان سورتوں کی ترتیب اس خاص موجودہ ترتیب پر حضور صلعم سے ہے حضرت واثلہ کی حدیث کی بنا پر۔ ... اس کے بعد وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی ترتیب اور تالیف ماخوذ ہے حضور صلعم سے اور قرآن کی ترتیب اسی وقت قائم ہو چکی تھی۔ (مؤلفات حضرت الحافظ ابوجعفرؒ)

یوں تو ہمارے دعوے کے لئے اور بہت سے بیشمار اور لاتعداد نصوص اور دلائل ہیں۔ جو بتاتے ہیں کہ قرآن کی موجودہ ترتیب اجتہاد صحابہؓ یا قیاسی نہیں بلکہ توقیفی ہے اور حضور صلعم کے سامنے ہی حافظہ میں حضرت جبریل کے بتانے سے آ چکی تھی۔ البتہ معرض تحریر میں عہد صحابہ میں ضرور آئی۔ جس سے کوئی عقلمند اسے اجتہادی نہیں کر سکتا ہے۔ ان مختصر سے دلائل کے بعد کم از کم اتنا تو ضرور معلوم ہو گیا کہ آج جو کچھ بھی موجود ہے بعینہٖ یہی حضور صلعم کے زمانہ میں بھی موجود تھا اور آج جو ترتیب ہے یہی حضور صلعم کے زمانے میں تھی۔ اعتراض کے دفعیہ کیلئے اس سے زائد لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جو مومن ہیں انکے لئے یہی بہت زائد ہے اور

جو کافر ہیں ان کو کوئی دلیل مطمئن نہیں کر سکتی ہے۔ لَا تغنی الاٰیٰت والنذر نقوم لا یؤمنون۔ نہیں بے نیاز کر سکتی ہیں دھمکیاں اور نشانیاں کافروں کو۔

اقوالِ حکیمانہ

(از جناب خواجہ فیض لودھیانوی لاہور)

پھیلتی ہے صرف بدخُلقی کے باعث دشمنی
جس کا خُلق اچھا ہو اس کو دوستوں کی کیا کمی

خود نظر آتی نہیں جو چیز تجھ کو سودمند
دوسروں کے واسطے کرتا ہے کیوں اس کو پسند

بھول کر گالی نہیں دیتی شریفوں کی زباں
یہ کمینوں کی علامت ہے رذیلوں کا نشاں

با ادب انساں کو حق کا راستہ معلوم ہے

بے ادب انسان خدا کے فضل سے محروم ہے

جو زبانِ غیبت کسی کی سخت دل آزار ہیں
یہ سمجھ لو ان کی ساری نیکیاں بیکار ہیں

یوں تو اکثر لوگ ملتے ہیں خوشامد سے بھرے
دوست اس کو جانیئے جو عیب سے واقف کرے

کوئی ڈوبے کفر میں کوئی مرے اسلام پر
نیک و بد کا فیصلہ موقوف ہے انجام پر

قرآن کی کشش

(از حضرت مولنا عبد القیوم ندوی)

قرآن کی تاریخی حیثیت فی الامکان باوجود سخت عالت کے مختصر طور پر مستند

کتابوں سے بیان کر دی گئی۔ اب اس کے متعلق دیگر معلومات پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن درحقیقت صدق و صفائے ایمان و عمل، ہدایت اور فلاح و کامرانی کا وہ مجموعہ ہے کہ جس کی ایک آواز ذرات اور حشرات سے گذر کر بڑے بڑے پہاڑوں کا جگر پاش پاش کر سکتی ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (سورۂ حشر) یہ وہ کتاب ہے جس میں نہ آگے پیچھے دائیں اور بائیں سے بھی باطل کا گذر نہیں ہو سکتا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (قرآن حکیم) جس قوم پر اس کا نزول ہوا اس نے سامنے باطل کو دبا ہوا پایا کہ تاویل اس کی صداقت بھری آواز سے ظلم و تعدی کی بنیادیں ہل گئیں اور دوست تو دوست دشمن تک بھی اس کی تعریف کرنے پر مجبور نظر آنے لگے۔

مسٹر کارلائل جو یورپ کی نامور ہستیوں میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

کہ قرآن کو جو لوگ انسانی کلام مانتے ہیں۔ وہ غلط ہے بالکل غلط ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ کسی انسانی کلام نے اس قدر مقبولیت اور ہمہ گیری حاصل کی ہے کہ جو چودہ سو برس سے بے ہر قسم کی تحریف سے محفوظ چلا آتا ہو اور کروڑہا انسانوں کی سب سے بڑی دولت شمار کی جاتی ہو۔ یہی وہ ہے کہ جس کی طرف اگر کوئی ذرہ برابر بھی نظر بد سے دیکھے تو کروڑہا خلق اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے خدا کی قسم قرآن ایک ایسی بخشش اور جاذبیت کا مالک ہے کہ جس سے دنیا کی تمام

موجودہ کتابیں خواہ دنیاوی ہوں یا آسمانی سب کی سب محروم اور بالکل محروم ہیں۔ اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ قرآن انسانی نہیں بلکہ آسمانی کتاب ہے"۔ یہ اعتراف کسی مسلمان عالم کا نہیں بلکہ اسلام کے دشمن اور شدید دشمن کا ہے کہ جس کی عداوت اور دشمنی بالکل ظاہر ہے۔ لیکن وہ حقیقت کے اعتراف سے مجبور ہے۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ یہ تو غیر آج کل کا اعتراف ہے۔ اب آیئے ان کے اعترافات سنئے جو خود عرب تھے اور قرآن کی زبان اور اس کے لانے والے کو بخوبی جانتے تھے۔ اور جو دشمنی میں بھی انتہا سے زائد بڑھ چڑھ کے تھے۔

ایک بار ربیعہ قریش کے ماموں سردار کے سامنے آپ نے قرآن کریم کی سورۂ انعام کی چند آیتیں پڑھیں وہ انگشت بدنداں رہ گیا اور کلام الٰہی کے ظاہری اور معنوی اعجاز نے اسے مسحور کرکے رکھدیا۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اور فواحش برائی اور ظلم کی ممانعت کرتا ہے۔ شاید تمہیں اس سے کچھ نصیحت حاصل ہو۔

مسلمان روز پڑھتے ہیں مگر یہی وہ آیت تھی جسے سنکر حضرت عثمان بن مظعون کا دل پھر گیا تھا اور اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ دہریہ نے اسکے اثرات وانوار ان کے قلب میں اتر گئے اور یک بیک متاثر ہو گئے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۔
یعنی کیا وہ آپ ہی آپ پیدا ہو گئے یا وہی ہیں پیدا کرنے والے یا انھوں نے ہی بنائے
زمین و آسمان کوئی نہیں بر یقین ہی نہیں کرتے کیا تھا سے پروردگار کے خزانے ان ہی
کے قبضہ میں ہیں یا وہی ہیں کہیں کے حاکم۔

یہ سورہ طور کی آیت ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم غزوہ بدر کے قیدیوں کو چھڑانے
کیلئے مدینہ منورہ تشریف لاتے ہیں۔ مغرب کا وقت ہے نماز ہو رہی ہے۔ خود مہبط وحی
صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرما رہے ہیں۔ یہی آیت انکے کان میں پڑتی ہے۔ مبہوت ہو کر رہ
جاتے ہیں اور خود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سنتے ہی مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرا دل اڑ رہا
ہے (مسند ابو داؤد طیالسی)

عرب میں ایک شخص جھاڑ پھونک میں مشہور ہے۔ ذی علم اور ذی اثر ہے ضماد ازدی
نام ہے وہ علاج کیلئے آتا ہے اور یہ سنکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ
دیوانے ہو گئے ہیں۔ میں ان سے ملونگا اور علاج کرونگا۔ جب سامنے آتا ہے رسول کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس کے سامنے مختصر سی حمد اور کلمہ شہادت پڑھ دیتے ہیں وہ اتنا سنتے
ہی ساری جھاڑ پھونک بھول جاتا ہے اور متحیر ہو کر کہتا ہے اعد علی کلماتک ھؤلاء
حضور ذرا ان الفاظ کو ذرا پھر تو پڑھئے۔ اس کے اصرار اور بار بار کہنے پر آپ تین دفعہ پڑھتے
ہیں تو وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ میں نے کاہنوں کی بولی جادوگروں کے منتر اور

شاعروں کے قصائد سنے ہیں لیکن تمہارے کلام میں کچھ اور ہی چیز ہے۔ یہ تو سمندر کی گہرائی تک میں اثر کر جائیگا اور فوراً مسلمان ہو جاتا ہے۔

قبیلہ غفار کے ایک مشہور نامور شاعر انیس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوٰۂ نبوت کا شہرہ سنکر خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے ہیں آپکی زبان مبارک سے چند آیات سنکر اسی وقت واپس ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے ماجرا کہتے ہیں۔ لوگ آپکو شاعر کاہن اور جادوگر کہتے ہیں میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے لیکن یہ کاہنوں کا کلام نہیں۔ میں نے آپکے کلام کو اقسام شعر پر رکھا اور پرکھ کر دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ شعر نہیں۔ خدا کی قسم آپ سچے اور وہ لوگ جھوٹے ہیں (مسلم باب فضائل ابی ذر)

قرآن اور حضرت عمرؓ

ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے شدید ترین مخالف اور قریش کے ایک سرگروہ اور دلیر بہادر تھے۔ آپکا بیان ہے کہ ایک روز رات کو میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنے کی غرض سے گھر سے نکلا۔ راستہ ہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی لیکن وہ مجھ سے آگے بڑھ کر خانہ کعبہ میں داخل ہوگئے اور نماز پڑھنے لگے اور سورۃ الحاقہ میں نے سنی فجعلت اعجب من تالیف القرآن فقلت ھذا واللہ شاعر کما قالت قریش تو میں قرآن کے اسلوب بیان اور نظم کلام سے حیرت میں تھا۔ دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا کہ عام اصحاب قریش کہا کرتے تھے۔ اتنے میں آپ نے یہ آیت پڑھی انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلاً ما تؤمنون۔ یعنی یہ ایک معزز قاصد کا لایا

ہوا کلام ہے کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم بہت ہی کم یقین لاتے ہو۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں
نے کہا کہ یہ تو کاہن ہے جو کہ میرے دل کی بات جان گیا۔ اسکے بعد آپ نے یہ آیت
پڑھی ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین و
لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا
منہ الوتین۔ یعنی نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے مگر تم بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔
یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔ اور اگر پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی بات
ہم سے منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگ گردن کاٹ
[illegible]

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی۔ اسکے بعد اسلام
میرے دل میں پوری طرح جاگزیں ہوگیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی دشمنی نہایت سخت اور سنگین
تھی دل میں بغض و کینہ بھرا ہوا تھا جس میں عداوت و دشمنی کا سانپ پھنکارے مار رہا
تھا اور وہ دین کے متعصب اور ذہنیت کے سخت تھے اسلئے باوجود اثر پذیری اسلام کا
اعلان نہیں کیا اور عداوت میں تو ابھی یہ بات ہے کہ دل کو فضیلت و عظمت اور سچائی و حقیقت
کا اندازہ ہو جاتا ہے مگر حسد اور عداوت سے اسکی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور دشمنی کی آگ
کے شعلے اسی شدت سے بھڑکتے رہتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ نعوذ باللہ آپ برہنہ تلوار لیکر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کرنے کو نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں کسی نے کہا کہ حضرت پہلے اپنے
گھر کی تو خبر لیجئے کہ آپ کی بہن اور آپ کے بہنوئی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ جو گھر پہنچے

بہن نے خوف کے مارے قرآن کریم کے مسودات چھپا دئے مگر آپ نے بری طرح زدوکوب
شروع کر دی حتیٰ کہ وہ خون میں نہا گئیں آخر کہنے لگیں کہ بھائی مار ڈال ٹکڑے اڑا دے
سچ تو یہ ہے کہ اسلام دل میں گھر کر چکا ہے اب اسے ترک نہیں کیا جائے گا۔

آخر بہن تھیں کچھ نرم پڑے اور کہنے لگے اچھا سناؤ تو کیا پڑھ رہی تھیں۔ انھوں نے
سورہ طٰہٰ پڑھنی شروع کر دی۔ جب اس آیت پر پہنچیں اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ یعنی میں ہوں خدا میرے سوا کوئی معبود نہیں
تو میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔ اب دل قابو میں نہ رہا۔ زبان
سے بے اختیار کلمۂ شہادت نکلا اور سیدھے دربار نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول
کرلیا۔ (اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ)

کفار مکہ وعرب آپکے کتنے ہی مخالف اور شدت کے دشمن سہی لیکن قرآن حکیم
کی قوت تاثیر اور فصاحت وکشش کا انھیں بھی اعتراف تھا اور وہ اس سے اسقدر
خوف زدہ تھے کہ وہ قرآن کی قرأت وتلاوت اور اسکے بآواز بلند پڑھے جانے سے
گھبراتے تھے۔ کفار کی ایذا رسانیوں سے پریشان ہو کر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت کرنے
حبش روانہ ہوئے اور مکہ سے پانچ دن کے راستہ پر برک الغماد میں قیام کیا تو وہاں آپ کی
ملاقات قبیلہ قارہ کے رئیس ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس نے پوچھا ابوبکر کہاں تشریف
لئے جا رہے ہو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میری قوم مجھے نہیں رہنے دیتی۔ چاہتا
ہوں کہ کہیں الگ رہ کر یاد الٰہی میں بسر کروں۔ اس نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آپ

جیسا شخص مکہ معظمہ سے نکل جائے میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ ابن وغنہ آپ کو ساتھ لیکر
مکہ آیا اور سفارش کی تو قریش نے کہا شوق سے رہیں ہمیں کوئی پرخاش نہیں۔ اپنے گھر
کے اندر عبادت کریں۔ نمازوں میں چپکے چپکے جو چاہیں پڑھیں۔ البتہ بلند آواز سے قرآن
نہ پڑھیں۔ اس سے ہم پر مصیبت آتی ہے یہ زور سے پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور
بچوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کچھ دنوں تو حضرت ابوبکر صدیق نے اس شرط کی پابندی کی
اور اپنے دلی جوش کو دبائے رہے۔ مگر پھر آپ نے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ کلام الٰہی
کو بہ آواز بلند پڑھنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عورتیں اور بچے ان پر پروانہ
وار نثار ہونے لگے۔ نثار کیوں نہ ہوتے اور اس کی تاثیر انھیں دیوانہ کیوں نہ بناتی۔
قرآن تو کلام الٰہی ہے اور ان معجزوں میں ہیں جو آپ کو عطا کئے گئے تھے۔ رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہوگذرے ہیں انھیں سب کو ایسے معجزات
ملے جنھیں دیکھکر لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے دیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے جسے
اللہ تعالےٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ ایک تو معجزہ پھر کلام الٰہی اور وہ بھی ہمیشہ اہل زبان
نہایت متاثر نہ ہوتے کیا ان تمام چیزوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن واقعی
ایک بے مثل کتاب ہے۔ لبید عرب کا ملک الشعراء اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کا ایک
اہم رکن تھا اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ لبید کچھ اشعار تو سناؤ
لبید نے فوراً عرض کی کہ جب اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک عطا فرمایا تو اب مجھے شعر کہنا
زیبا نہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ادھر قرآن پاک

کی تلاوت کی آواز کان میں آئی اور ادھر آنسو بہنے لگے

ناقابل انکار حقیقت:-

پھر ایک طرف ظاہری تعلیم سے آپکا بالکل عاری ہونا اور دوسری طرف ایک ایسی کامل کتاب پیش کر دینا آخر کس حقیقت کا علمبردار ہے جو تمام علمی عملی، فطری، معاشی، معاشرتی، تاریخی اور تمدنی اصول و معانی کے حامل ہو۔ محاسن علم و عمل و مبادی اخلاق کا سرچشمہ ہو اخلاق و موعظت قانون و شریعت اور سیاست و مذہب کی تعلیم ہو اور کوئی ایسا علم نہ رہ گیا ہو جس میں اس پر نظر نہ ڈالی گئی ہو۔ آج اس کے خدائی کلام ہونے میں جن حضرات کو شبہ و اعتراض ہے وہ بتائیں تو کہ جو تہذیب جو موعظت اور جو قانون قرآن نے پیش کیے وہ کسی اور کتاب میں بھی کہیں نظر آتا ہے۔ اس وقت دنیا میں اور جتنے مذاہب ہیں سب کی یہ حالت ہے کہ ضروریات زمانہ کے مطابق ان میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ہوتی چلی جا رہی ہیں حتیٰ کہ ان کی کتابیں بھی خود ان کے پیرووں کی شہادت کے مطابق تحریف سے خالی نہیں ہیں لیکن ایک قرآن اور صرف قرآن ایسی چیز اور ایسی کتاب ہے جو انسانی دستبرد و ترمیم سے ابتک بالکل پاک رہا ہے اور جس میں ایک شوشہ اور ایک حرف کے تغیر و تبدل کا بھی ابتک کوئی ثبوت نہیں ملا اور نہ مل سکتا ہے۔

تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہو گئی۔ اب جو کچھ ہے وہ یہودی علماء کے حافظہ یادداشت اور ذہنی [illegible] کا ایک مجموعہ ہے۔ انجیل کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ بھی یونانی زبان میں نازل ہوئی تھی حالانکہ اس امر میں مصنفین

کی زبان جہاں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے - آج بھی ویدوں کے متعلق بھی کوئی پورے

ادعا کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا دامن تحریف و تبدل سے پاک رہا ہے میکس مولر

اور ولیم جانسن نے ویدوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے - ان کا خیال یہی ہے کہ ان کے جتنے

قدیم نسخے دستیاب ہو سکے ہیں وہ سب باہم مختلف ہیں - لیکن قرآن کا ایک ایک حرف

اور ایک ایک لفظ محفوظ ہے - اور بالکل محفوظ ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں

کہیں کبھی ایک نقطہ کا بھی اضافہ ہوا ہے اور کسی جگہ سے کمی واقع ہوئی ہے -

اہل علم ہندوؤں کا اعتراف :

عرب کے لوگوں اور نامور شعراء کے تاثر کو جانے دیجئے - کہ یہ خیالات

بہت قدیم ہیں زمانہ جدید اور تہذیب نو کی آواز سنئے - خود گاندھی جی کہتے ہیں کہ :-

"میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی

کہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے" - رابندر ناتھ ٹیگور لکھتے ہیں کہ :-

"وہ وقت دور نہیں جبکہ قرآن کریم اپنے مسلمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے

سب کو اپنے اندر جذب کر لیگا - وہ زمانہ بھی دور نہیں جبکہ اسلام ہندو مذہب پر غالب

آجائیگا - اور ہندوستان میں ایک ہی مذہب ہوگا :

لالہ لاجپت رائے جن خیالات و معتقدات کے سماجی لیڈر تھے ان سے اس دور کا

ہر پڑھا لکھا واقف ہے لیکن قرآن کے اعجاز نے آپکو بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا اور آپ

بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ میں مذہب اسلام سے محبت کرتا ہوں - اور اسلام کے

پیغمبر کو دنیا کے بڑے بڑے مہاپرشوں میں سمجھتا ہوں۔ میں قرآن کی معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی تعلیم کا دل سے مداح ہوں اور اس رنگ کو اسلام کا بہترین رنگ سمجھتا ہوں جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا۔

جرمنی کا مایہ ناز اور شہرہ آفاق شاعر و فلاسفر "گوئٹے" لکھتا ہے کہ:۔

"قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے۔ پھر متعجب کرتی ہے اور آخر میں ایک رقت آمیز تحیر میں ڈال دیتی ہے"

انگلستان کا نامور انسان ڈی رائل لکھتا ہے کہ:۔

"قرآن کے احکام اسقدر عقل و حکمت کے مطابق واقع ہوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکتا ہے۔ شریعت اسلام اعلیٰ درجہ کے عقلی احکام کا مجموعہ ہے ان خیالات و آرا کو پڑھو۔ ان پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا واقعی قرآن کریم ایک بے مثل کتاب ہے یا نہیں اور ایسا کلام خدا کے سوا انسان کا کلام ہو سکتا ہے۔ تنگ دلی اور تعصب اور چیز ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جن بزرگوں نے بھی قرآن کو گہرا اور عمیق مطالعہ کیا ہے خواہ وہ کتنے ہی دشمن اور معاند کیوں نہ ہوں وہ اس سے اور اسکی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور انھیں اس کی تعریف ہی کرنے بن پڑی۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔ اگر وہ قرآن کو مضبوطی اور استواری سے مضبوط پکڑے رہتے تو وہ ہرگز آج رسوائے کوچہ و برزن نہ بنے ہوتے۔

باقی آئندہ   (از مقالات سراج)

اسلاف کی حق گوئی

(رشحۂ قلم حضرت مولٰنا عبد القیوم ندوی)

ذیل میں حضرت مولانا موصوف کا ایک بہترین اور بلند پایہ مقالہ درج کیا جاتا ہے جو بیشمار مستند کتابوں سے دیکھکر لکھا گیا ہے۔ مضمون کیا ہے علمائے سلف کی زندگی کا ایک جامع روشن پہلو ہے جو اپنے اندر موجودہ زمانہ کے علماء کے لئے عبرت اور بصیرت کے بے اندازخزانے رکھتا ہے۔ کاش اب پھر ویسے بہادر اور حق گو علماء پیدا ہوتے تو امت کا بیڑا پار ہوتا۔ (ایڈیٹر)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حق گوئی کی جو نمایاں صفت تھی وہ جائے حیرت و استعجاب نہیں کہ وہ مجمع حسنات و خیرات تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ اسلام کے حلقہ بگوشوں میں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے بھی اچھی خاصی تعداد رکھتے ہیں ذیل کی سطروں میں ہم اسی چیز کو واضح کرینگے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد ان سے کسب فیض کرنے والوں نیز دوسرے اسلاف نے مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کر کے کن کن طریقوں سے حق اور صداقت کا علی الاعلان اظہار و اعلان کیا میرا دعوےٰ ہے کہ اس صفت سے متصف لوگ بھی حلقہ بگوشان اسلام کے سوا کہیں اور نظر نہ آئیں گے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو کہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ جو بڑے پائے کے صحابی تھے۔ جب وہ

اسلام لائے تو سرورِ دو عالم ؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر ؓ تم اپنے وطن واپس جاؤ اور وہاں میری بعثت کی خبر کرو۔

حضرت ابوذر ؓ نے نہایت ہی پرجوش لہجے میں کہا کہ کیا میں اتنے دن تک حق کے اظہار سے باز رہونگا۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میرا نفس ہے کہ میں مکہ ہی میں اپنے اسلام کا اظہار کرونگا۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ وہ غیر جگہ کے رہنے والے تھے۔ مکہ میں ان کا کوئی مونس و غمخوار نہیں تھا۔ لیکن انھوں ؓ نے مسجد حرام میں بآوازِ بلند اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ کا نعرہ مارا۔ یہ آواز سنتے ہی کفار ان پر ٹوٹ پڑے اور پتھروں کی بارش کرنا شروع کر دی۔ جس کے صدمہ سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ دوسرے روز پھر انھوں نے انھیں الفاظ کا اعلان کیا جس کا وہی نتیجہ پھر ہوا۔ (بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذر ؓ)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ صحابی ہیں۔ جبتک یہ اسلام نہیں لائے تھے کفار نے قرآن پاک کو نہیں سنا تھا۔ جب یہ اسلام لائے تو خانہ کعبہ میں جہاں کفار قریش کی محفل گرم تھی۔ سورۂ رحمان کی ابتدائی آیتیں سنائیں۔ کفار نے یہ نئی اور نامانوس آواز سنکر ان پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ ان کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ صحابہ ؓ ان سے اظہار ہمدردی کرنے لگے تو آپ ؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم آج سے زیادہ میں نے کفار کو کبھی کمزور نہیں پایا"۔ اور کہو تو پھر قرآن سنا آؤں۔ (اسد الغابہ تذکرۂ عبداللہ بن مسعود ؓ)۔

حجاج کے ظلم و جور سے کون ناواقف ہوگا؟ لیکن جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کرا چکا تو ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلوایا وہ نہیں آئیں تو دوبارہ آدمی کو بھیجا اور اس سے یہ کہلا بھیجا کہ اب کی چلی آویں ورنہ بال پکڑ کر گھسیٹ بلواؤنگا حضرت اسماءؓ نے اس بار بھی صاف انکار کیا کہ اب تو میں جب ہی جاؤں گی جب مجھے بال پکڑ کر گھسیٹا جائیگا۔ بالآخر حجاج خود آیا اس نے کہا کہ دیکھا دشمن خدا کے ساتھ میں نے کیا کیا؟

آپنے جواب دیا تم نے اس کی دنیا خراب کی اور اس نے تمھاری آخرت۔

پھر کچھ گفتگو کے بعد حضرت اسماءؓ بولیں کہ حضور کی پیشینگوئی ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا۔ اور ایک ہلاکو کذاب تو ہم دیکھ چکے (مسیلمہ) اور ہلاکو شاید تو ہے"۔ حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ جواب نہ دیا۔ (مسلم شریف کتاب الفضائل)۔

حضرت خبابؓ نے جب اسلام کا اظہار کیا تو ان کے آقا نے انکو انگاروں پر لٹا دیا۔ لیکن وہ اظہار حق سے باز نہیں آئے۔ (اسد الغابہ تذکرہ خبابؓ)

حجاج نے ایک روز خطبہ دیا اور نماز میں تاخیر کی تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا سورج تیرا انتظار نہیں کریگا۔ حجاج بولا میرا ارادہ ہے کہ میں تمھاری آنکھیں نکلوا لوں۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا کریگا سفیہ ہے۔

یزید کا جور و ستم مشہور ہے لیکن حضرت زید فان نے باین ہمہ جور و ستم ان کے

پاس آکر کہا کہ اے زیاد خلق خدا تیرے جور وستم سے خندہ زن ہے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲)

مروان بڑا ظالم حکمران گزرا ہے۔ اس کے دربار میں بے ادبی کی سزا قتل سے کم نہیں تھی لیکن حضرت حویطب رضی سے اس نے سوال کیا۔ بڑے میاں تم نے اسلام لانے میں تاخیر کیوں کی تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے بارہا ارادہ کیا۔ لیکن تمہارے باپ نے مجھے اس شرف سے محروم رکھا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۹۱)

ایک بار ابن عمر رضی نے حجاج کو خطبہ پڑھتے ہوئے سنا تو غضب آلود ہو کر بولے خدا کا دشمن! خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اس نے حلال کیا اور اس کی حلال کردہ کو حرام کیا۔ حجاج نے اپنی نسبت ان کلمات کو سنکر پوچھا یہ کون ہیں۔ کسی نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی بولا کہ بڑے میاں تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں اسے ممبر سے اتر آیا دل میں غبار بھرا ہوا تھا۔ اپنے خادم کو اشارہ کیا۔ اس نے آپ کے پاؤں میں زہر کا بجھا ہوا حربہ مار دیا۔ جس کے سبب سے کچھ دن بستر رہ کر راہی عدم ہوئے۔ خدا کی قدرت دیکھیئے کہ خود ہی عیادت کے لئے بھی آیا۔ لیکن آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور نہ کلام کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۲)

امام یزید بن حبیب ایک بار بیمار ہوئے۔ ابن سہیل گورنر مصر ان کی عیادت کو آیا۔ اثنار کلام میں اس نے پوچھا کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

یہ سنکر آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہیں کہا۔ جب امیر نے چلنے کا قصد کیا تو انھوں نے نظر بھر دیکھا اور کہا کہ روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مچھر کے خون کا فتوی پوچھنے چلا ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

خلیفۂ دمشق ہشام بن عبدالملک نے ایک بار امام اعمش کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ قاصد نے وہاں پہنچکر ان کو خلیفہ کا فرمان دکھایا جس میں لکھا تھا حضرت عثمانؓ کے مناقب اور حضرت علیؓ کی برائیاں تحریر کردیں۔ امام مذکور نے اس کاغذ کو لے کر بکری کے منہ میں رکھدیا۔ بکری نے اسے چبا ڈالا۔ تو آپ نے فرمایا تمھارا یہی جواب ہے۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۱۳)۔

سلطنت عباسیہ میں ابوجعفر منصور بڑا ظالم بادشاہ گزرا ہے۔ ایک بار اس نے امام مالکؒ اور امام ابن طاؤسؒ کو اپنے دربار میں طلب کرایا۔ اثناء ملاقات میں خلیفہ نے ابن طاؤس سے فرمائش کی کہ اپنے والد سے کوئی حدیث بیان کرو۔ تو آپنے فرمایا: حدثنی ابی ان اشد الناس یوم القیامۃ رجل اشرکہ اللہ من سلطانہ فدخل علیہ الجور۔

(ترجمہ) سب سے بڑھ کر قیامت میں اسکو عذاب دیا جائیگا جس کو خدا نے اپنی سلطنت میں شریک کیا پھر اس نے ظالمانہ حکومت کی۔

منصور ایسے جابر حکمران کے سامنے یہ جرأت! امام مالکؒ کو ان کے قتل کا پورا یقین ہوگیا۔ انھوں نے خون کے خوف سے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا۔ خلیفہ مرحوم کا نے

بیٹھا رہا۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور دوات اس نے مانگی۔ انھوں نے نہیں دی اس نے پھر دوبارہ مانگی انھوں نے اب بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ بالآخر اس نے نہ دینے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے نہایت ہی دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ مجھ کو خوف تھا کہ تو کوئی معصیت کی بات لکھتا اور میں اس میں تیرا شریک کار بن جاتا۔ اس کو سنتے ہی اس نے ان دونوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ ابن طاؤس اب بھی دلیری اور حق گوئی سے باز نہیں آئے۔ فرمایا کہ ذٰلِكَ كَمَا يَنْبَغِي یعنی یہی تو ہم چاہتے تھے۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۴۳)

ایک بار کسی مسئلہ میں حکومت نہایت بے اعتدالی پر تھی۔ امام مالکؒ کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے حکومت کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ جس پر ان کو ستر درّے کھانے پڑے۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۳۶)

اس سے بھی زیادہ بڑا سلوک امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ مامون الرشید کی حکومت نے روا رکھا تھا۔ جرم صرف یہ تھا کہ وہ حق کے طرفدار تھے اور حکومت باطل کی۔ مگر حکومت کی تمام سختیاں اور کل مظالم امام ممدوح کو حق سے برگشتہ نہ کر سکے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ منصور کو ایک مکھی نے بہت ستایا۔ بار ہا اسے اڑاتا تھا وہ پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔ بالآخر اس نے جھلا کر ابن سلیمان مقرسے دریافت کیا کہ خدا کو مکھی پیدا کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ انھوں نے نہایت آزادی سے کہا کہ متکبروں کے کبر توڑنے کیلئے۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)

جس وقت کہ حکومت بنی امیہ کے پہاڑ ذرہ ذرہ بنا کر ہوا میں اڑائے جا رہے تھے اور سلطنت عباسیہ کے مضبوط ستون زمین پر قائم کئے جا رہے تھے اس وقت عبداللہ بن علی ایک ظالم ملک شام کا حاکم مقرر ہوا اول اول اس نے وہاں پہنچکر خلافت کے بقیہ دعویداروں کا نہایت بے رحمی کے ساتھ خاتمہ کیا۔ پھر اس نے ایک نہایت شاندار دربار مقرر کیا جس میں جاہ و جلال کا اظہار انتہا کو پہنچا دیا۔ چار جنگی صفیں بھیانک اور خوفناک اسلحہ سے آراستہ تھیں اور مختلف سوار اور پیادے ہتھیار لگائے ہر چہار جانب گشت کر رہے تھے جن کے وسط میں والی شام کا تخت نصب تھا۔ شام کے مشہور امام۔ امام اوزاعی کو بھی اس دربار میں بلایا گیا۔ وہاں ان کی بڑی عزت اور توقیر ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد امیر نے ان سے گفتگو کرنا شروع کر دی۔ امیر بنی امیہ کے خون کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔

امام۔ تمہارے اور ان کے درمیان چونکہ عہد تھا اسلئے تم کو عہد شکنی کرنا نہ چاہئے تھا۔

امیر۔ (بگڑ کر) اس سے تم کو کیا واسطہ؟

امام۔ یقیناً ان کا خون تم پر حرام تھا۔ اس زوردار فقرے کو سنکر امیر کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ رگیں ابھر آئیں۔ غصہ سے کانپنے لگا۔

امیر۔ یہ تم نے کیوں کہا؟

امام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا خون سوائے تین حالتوں کے بہانہ جائز نہیں۔ ان میں اس جگہ کوئی حالت نہیں معلوم ہوتی۔

امیر۔ کیا ہماری حکومت دینی نہیں۔

امام۔ کیونکر ہو سکتی ہے؟

امیر۔ کیا آنحضرتؐ نے علیؓ کیلئے وصیت نہیں فرمائی۔

امام۔ اگر فرمائی ہوتی۔ تو دونو حکم حکم نہ دیتے امیر کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ یعنی شدت غصہ سے وہ سراپا غضب وغصہ کی تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں اس کی خاموشی سے مجھے یقین آگیا کہ کوئی دم میں امیر میرے قدموں پر آنے والا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد امیر نے خلاف توقع باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ دار الخلافہ سے گئے ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک سوار دوڑتا ہوا نظر آیا۔ انھوں نے اپنے قتل کو واقعی اور ثابت سمجھ کر نماز پڑھنا شروع کر دی جب سلام پھیرا تو سوار نے سلام کیا اور ایک تھیلی اشرفیوں سے بھری ہوئی پیش کی۔ انھوں نے اس کو قبول کیا اور گھر پہنچتے پہنچتے مستحقوں پر تقسیم کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶۲)۔

قاضی شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک قضیہ میں سلطان بایزید شاہ وقت نے شہادت دی۔ قاضی ممدوح نے یہ کہکران کی شہادت ناقابل اعتبار ٹھہرائی کہ سلطان چونکہ پابند جماعت نہیں اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں۔ (شقائق نعمانیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)۔

یعقوب بن شکیب نحوی ایک بار خلیفہ متوکل کے دربار میں حاضر ہوئے خلیفہ نے ان سے اپنے دونو لخت جگر معز اور موید کے متعلق سوال کیا کہ تم کو میرے یہ دونو بیٹے پسند ہیں یا علیؓ کے بیٹے حسنؓ اور حسینؓ۔ آپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم حضرت علیؓ کا خادم قنبر تم سے اور تمھارے دونو بیٹوں سے کہیں زیادہ اچھا ہے خلیفہ کو اس قدر غصہ آیا کہ زبان کھنچوا لی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس حق گو کی روح نے بھی جسد خاکی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا۔ (ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)

کیا ان واقعات میں موجودہ زمانے کے مدعیان ارشاد و ہدایت کیلئے کوئی درس عبرت ہے؟ (النجم ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء)

تاثراتِ زندگی

چودھری افضل حق صاحب کی کتاب "زندگی" کو پڑھکر

چھٹی قسط

(از جناب خواجہ فیض لودھیانوی لاہور)

(۲۵۱) خود غرض افراد سے قومی کام بخیر وخوبی نہیں ہو سکتے۔ (۲۵۲) قومی کاموں کیلئے ایثار اور انصاف شرطِ اول ہے۔ (۲۵۳) عوام جذبات کی مخلوق ہوتے ہیں۔ (۲۵۴) حساب کتاب کی ذمہ داری لینا اپنے گلے میں استرہ کی مالا ڈال لینے کے برابر ہے۔ (۲۵۵) خدا نفاست کو پسند کرتا ہے۔ (۲۵۶) خدا بدبو سے نفور اور خوشبو سے مسرور ہوتا ہے۔ (۲۵۷) خدا کبھی ایسی بستی میں نہیں آتا۔ جہاں غلاظت کے ڈھیر اور کوڑے کے انبار ہوں۔ (۲۵۸) خدا کی رحمت کے پاک فرشتے صاف ستھرے گھر میں امن اور سلامتی کا پیغام لے کر داخل ہوتے ہیں۔ (۲۵۹) والدین خود اجلے کپڑے پہنیں اور بچوں کو پہنائیں۔ (۲۶۰) بچوں کا منہ صاف پانی سے دھونا چاہئے (۲۶۱) خدا امیروں کے بڑے بڑے باغوں میں جاکر خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ غریبوں کی چھوٹی چھوٹی پھلواڑیاں دیکھنے کا شوق رکھتا ہے۔ (۲۶۲) اپنے گھروں میں اپنے

ہاتھ سے خوشنما پھولوں کے پودے لگاؤ۔ (۲۶۳) خدا کو بادشاہ کے پرتکلف محل کی نسبت غریب کا سادہ جھونپڑا زیادہ عزیز ہے۔ (۲۶۴) اہل جنت کی ظاہری نشانی صفائی ہے۔ (۲۶۵) جس بے ہمت نے اپنے گھر کا آنگن صاف نہ رکھا وہ اپنی روح کو کیا پاک کریگا۔ (۲۶۶) جس کا ظاہر درست نہیں اس کا باطن کیسے درست ہوسکتا ہے۔ (۲۶۷) جو قومیں دنیا کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں بہشت انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے بیتاب ہے۔ (۲۶۸) غلیظ انسانوں کے لئے دوزخ منہ کھولے بیٹھا ہے۔ (۲۶۹) جنت پاک بندوں کی آبادی ہے۔ گندے لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔ (۲۷۰) خدا خود پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے۔ (۲۷۱) اگر خدا کی خوشنودی مطلوب ہے تو صاف ستھرے رہو۔ (۲۷۲) حسن معاملہ ہی اصل عبادت ہے۔ (۲۷۳) فریب کاری اور فتنہ انگیزی سے باز رہو (۲۷۴) خدمتِ خلق کرنے والے لوگ آخرت میں فلاح پائیں گے۔ (۲۷۵) جو مخلوقِ خدا پر رحم نہیں کھاتا اس پر بھی رحم نہیں کھایا جائیگا۔ (۲۷۶) اے جواں ہمت! بغیر کسی التجا کے بوڑھوں کو سہارا دے۔ (۲۷۷) اے تندرست! بے یار و مددگار مریضوں کو تسلی دے۔ (۲۷۸) جس نے بوڑھوں کو سہارا نہ دیا اس نے اپنی جوانی ضائع کی۔ (۲۷۹) جس نے مریضوں کی خبرگیری نہ کی۔ اس نے اپنی تندرستی سے فائدہ نہ اٹھایا۔ (۲۸۰) بیمار کی مٹھی چاپی کرنے سے خدا کو راحت ملتی ہے۔ (۲۸۱) خدا کے جھوٹے جویا خدا کو جنگلوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ مگر سچے جویا کو خدا

آبادی میں ملتا ہے۔ (۲۸۲) جوگی پہاڑوں سے سر ٹکراتا ہے۔ اور بھوگی گلیوں میں
موہن پاتا ہے۔ (۲۸۳) زبانی جمع خرچ سے جب بندہ تسلی نہیں پاتا تو لفظی
عبادت سے خدا کیونکر مطمئن ہو سکتا ہے۔ (۲۸۴) شکر شکر کہنے سے خدا کا شکریہ
ادا نہیں ہو سکتا۔ (۲۸۵) مصیبت کے وقت کسی کی مدد کرنا جملہ عبادات کا
مغز ہے۔ (۲۸۶) کمزور پر ظلم کرنے سے زمین کانپتی ہے۔ (۲۸۷) کسی کا حق دبانے
سے خدا کا غضب جوش مارتا ہے۔ (۲۸۸) بعض خدا ناشناس رات دن عبادت
کرتے ہیں مگر اپنی نا انصافیوں پر دھیان نہیں دیتے۔ (۲۸۹) اکثر بے عمل
انسان زبان سے رب رحیم کا وظیفہ پڑھتے ہیں مگر کمزوروں پر رحم نہیں کھاتے
(۲۹۰) یتیم بچے کے آنسو خدا کی رحمت کے انمول موتی ہیں۔ رحمت کے اس خزانے
کو اپنے گھر میں لے جاؤ۔ (۲۹۱) جہاں کوئی یتیم گھر کے بچوں کی طرح پرورش پاتا
ہو وہاں خدا کی رحمت شبنم کی طرح گرتی ہے۔ (۲۹۲) یتیم پر پیار کی ایک نظر کرنا ریا کار
زاہد کے لاکھوں سجدوں سے افضل ہے۔ (۲۹۳) یتیم بچے پر ایک پائی خرچ کرنا
زحمت خیز چلوں سے زیادہ رحمت خیز ہے۔ (۲۹۴) خدا بنی نوع انسان کی مدد
میں کوشاں رہنے والوں پر جنت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ (۲۹۵) خدا
سے ایسی نمازوں اور ایسے روزوں کی توفیق مانگو۔ جن سے خدمت خلق کا جوش
بڑھے۔ (۲۹۶) لوگوں میں عدل و انصاف کی صلاحیت پیدا کرو۔ (۲۹۷) اپنی
دو روزہ زندگی اہل دنیا کے لئے مفید بناؤ۔ (۲۹۸) وہی شخص اچھا مہمان ثابت

ہوتا ہے جو میزبان اچھا ہو۔ (۲۹۹) جسے اپنے گھر میں رہنے کا ڈھنگ نہ آتا ہو وہ دوسری جگہ رہنے کا سلیقہ کیا جانے۔ (۳۰۰) بوڑھے ماں باپ جوان اولاد کے پاس بیٹھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مگر جوان اولاد کو تنہائی پسند ہوتی ہے (۳۰۱) نادان عورتیں اپنے ماں باپ کی امیری پر غرور کرتے ہوئے غریب خاوند کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ (۳۰۲) یہ قانونِ قدرت ہے کہ ماں باپ کو جو محبت اولاد سے ہوتی ہے۔ وہ اولاد کو ماں باپ سے نہیں ہوتی۔ (۳۰۳) اگر ماں باپ کی نسبت اولاد کو زیادہ محبت ہوتی۔ تو دنیا کے انتظام میں نقص پیدا ہو جاتا۔ (۳۰۴) بری بیوی جان کا روگ ہے۔ (۳۰۵) اچھی عورت گھر کو بہشت بنا دیتی ہے۔ (۳۰۶) شداد نے غریبوں کے خون سے اپنے لئے بہشت بنوائی تھی۔ تم اپنے خون سے غریبوں کیلئے بہشت تعمیر کرو۔ (۳۰۷) عورت کی محنت اور توجہ سے غریب کا گھر بھی رشکِ گلزار بن سکتا ہے۔ (۳۰۸) ہر وقت آرام کی ضرورت بیماردل کو ہے یا اوباشوں کو۔ (۳۰۹) علم کی بدولت عرفان اور احساس بڑھتا ہے۔ (۳۱۰) تا دمِ زیست علم حاصل کرتے رہو اور جب مرو تو یہ غیر فانی دولت اپنے بچوں میں چھوڑ جاؤ۔ (۳۱۱) اپنے علم سے اہلِ دنیا کو بہرہ ور بناؤ۔ (۳۱۲) بے ضابطہ رہنے والوں میں گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ (۳۱۳) جسم اور لباس کو صاف رکھو۔ (۳۱۴) اپنے اہل و عیال میں صاف ستھرا رہنے کا وصف پیدا کرو۔ (۳۱۵) اپنے گھر کی وسعت کے مطابق اس میں پھلواڑی لگاؤ۔ (۳۱۶) مخلوق کی خوشی سے

تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ (۳۱۷) خدمتِ خلق کو دنیا کا اول و آخر فرض سمجھ کر اس میں دن رات کوشاں رہو۔ (۳۱۸) موت آنے سے پہلے کوئی ایسا کام کر جاؤ۔ جس کا فائدہ جاری رہے۔ (۳۱۹) ایسی موت کی خواہش کرو جس میں اہلِ دنیا کا نفع ہو۔ (۳۲۰) ایسے کام کرو جس سے ملک کی خوشحالی بڑھے اور اس کے علم و اقتدار میں اضافہ ہو (۳۲۱) صحت خدا کی نعمت ہے۔ اس کی حفاظت ایک خزانے کی طرح کرو۔ (۳۲۲) جسم کو محنت کے قابل بناؤ۔ (۳۲۳) جس انسان کے اعضا مضبوط نہ ہوں وہ دنیا کے مصائب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (۳۲۴) مسلسل مہربانیاں مخالف میں بھی علوی فضیلتیں پیدا کر دیتی ہیں۔ (۳۲۵) گھر میں عزت ہو تو باہر بھی عزت ہوتی ہے۔ (۳۲۶) خواہشِ محنت اور ادائے فرض کو داخلِ حسنات سمجھو۔ (۳۲۷) ظاہری صفائی سے باطنی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ (۳۲۸) قومی عہدوں کو باپ دادا کی جائداد سمجھ کر ان پر قابض رہنے کی حرص نہ کرو۔ (۳۲۹) انجمن سازی کی علت اچھی نہیں ہے۔ (۳۳۰) رات دن خواہ مخواہ کسی جماعت کے سکرٹری بننے کی ترکیبیں نہ سوچو۔ (۳۳۱) عہدہ دار بننے کا ایسا ملکہ نہ پیدا کرو کہ کارکن دیکھتے رہ جائیں اور تم اُچک کر کرسیٔ صدارت پر جا بیٹھو۔ (۳۳۲) نفسِ انسانی کی کمزوریوں کا احساس پیدا کرو۔ (۳۳۳) اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ دوسروں کے دروازے پر نہ پھینکو (۳۳۴) رکا ہوا پانی مچھروں کی افزائشِ نسل کے کام آتا ہے۔ (۳۳۵) اپنے لباس اور مکان کی صفائی کے بعد محلے کی صفائی کا خیال رکھو۔ (۳۳۶) کوئی نیا

کام شروع کرتے وقت طبیعت ضرور اکتاتی ہے مگر پھر عادت ہو جاتی ہے۔ (۳۳۷) مصلحین کو غریب طبقے کی اصلاح میں دشواری پیش آتی ہے۔ (۳۳۸) مویشی خانوں میں سونا صحت کو برباد کرنا ہے۔ (۳۳۹) بعض محنتی نوجوان محض سرمایہ کی کمی کے باعث بیکار رہتے ہیں۔ (۳۴۰) آوارہ گردوں کیلئے دنیا تنگ ہو جاتی ہے۔ (۳۴۱) سوسائٹی کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنی زندگی کو بدلنے میں خیر سمجھو۔ (۳۴۲) ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ (۳۴۳) اصل اخلاق یہ ہے کہ ہم جو کچھ کمائیں بانٹ کر کھائیں۔ لیکن سوسائٹی کی موجودہ تشکیل مساوی تقسیم کی متحمل نہیں۔ (۳۴۴) جو روپیہ بچوں کی تربیت و تعلیم کے بعد بچ رہے۔ اسے دنیا کو فائدہ پہنچانے میں صرف کرو۔ (۳۴۵) بیکار نوجوان مالی اور اخلاقی امداد کے محتاج ہیں۔ (۳۴۶) دہقانوں کے لئے گاؤں میں ایک ایسا مشترکہ مکان ہونا چاہیئے۔ جسے امیر غریب جو چاہے بیٹھنے اٹھنے کے کام میں لا سکے۔ (۳۴۷) جہالت اور غلاظت کے خلاف مل کر جہاد کرو۔ (۳۴۸) محنت و استقلال سے خواب کی باتیں بیداری میں بھی نظر آجاتی ہیں۔

(۳۴۹) چہرے پر تبسم، آنکھوں میں شرافت اور زبان میں شیرینی پیدا کرو۔

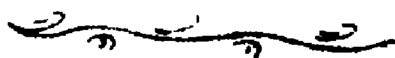
(۳۵۰) ہر شخص کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی مفید کتاب ضرور ہونی چاہیئے۔

(باقی پھر۔ انشاءاللہ)

اعتذار

اشاعتِ رواں ترجمان القرآن کی برکات سے محروم جا رہی ہے۔
حضرت مدیر اعلیٰ سلمہ اللہ تعالےٰ قریباً دو ماہ سے سخت علیل ہیں اسلئے
یہ فیضان اس مرتبہ جاری نہ رہ سکا۔
خدائے رحیم کا لاتعداد شکر ہے کہ اب حضرت موصوف کی طبع مبارک
رو بہ صحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اشاعت آتیہ میں ترجمان القرآن
کی دو کاپیاں شائع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔
اس شمارہ میں آقائے محمد حسین خان بی۔ اے سابق رئیس تدریسیات
افغانستان کے معارف پرور قلم سے "قرآنی نصیحتیں" کے عنوان سے
ایک بلند پایہ مضمون مندرج ہے جو ترجمان القرآن کے صفحات کا بدل ہو
رہا ہے۔ جو عنقریب باقی حصہ مضمون کے ساتھ کتابی صورت میں بھی شائع
ہو گا۔

محمد احمد خاں ذاکر



قرآنی نصیحتیں

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اللہ تعالٰے نے نیکیاں اور بدیاں پیدا کر کے تمام اچھی باتوں کو اپنے ساتھ اور برائیوں کو شیطان کے ساتھ منسوب کیا اور اس بدیوں کے منبع کو مردود قرار دیکر اپنے بندوں کو فرمایا کہ اس سے بچیں مگر چونکہ غصہ، حسد، شہوت، حرص، بخل، کبر وغیرہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ ان سے پرہیز اور گریز آسان ہو اس لئے ان کے مقابلے میں اپنی پناہ کی سجھائی یعنی ہر ایک برائی کی ضد اور توڑ کو دل میں لانے کی نصیحت فرمائی اور اپنی ذاتِ متعال کو اس کا حامی و مددگار ٹھیرایا۔ عفو، حلم، ایثار، صبر، ضبط، عجز وغیرہ کو یاد میں لانے کی ہدایت فرمائی جن کا اجر مقرر اور ظاہر ہے اور انکے مقابل ذمائم کی سزا اور بدنامی بھی پوشیدہ نہیں۔ جیسا سب باتوں کو خدا نے بنایا ہے اسی طرح اچھا اور

برا بھی انکو اسی نے ٹھیرایا ہے اسکے حکم سے جو سراسر حق پر مبنی ہوتا ہے۔ غصہ مذموم ہے۔ مگر یہ کبر کے ظالم اور متکبر کے سامنے پسندیدہ بن جاتا ہے ان باریکیوں کو سمجھنا سیدھے راستے کی تلاش ہے اور دنیا کے پیچیدہ معاملات میں صراطِ مستقیم ہے۔ اور اس پر روش قائم رکھنا اسی طرح سہل ہو سکتا ہے کہ انسان سب برائیوں کو رد کیا ہوا ذلیل اور آخر کار مضر و مہلک جانکر جب انکی تحریک بظاہر مجبوری بھی ہو تو ان سے نفرت کرکے بھاگے اور خدا کی بارگاہ میں پناہ لے جہاں خوبیوں کی قدر و منزلت ہے اور اس حق مبین کے امر پر ثابت قائم رہنے کی خاطر ہمیشہ حق و باطل کی تمیز حلال و حرام کے فرق بلکہ دو خوبیوں سے بہتر اور دو بدیوں سے بدتر کی پہچان کو مدنظر رکھکر افضل کو اختیار کرے اور جب چارہ نہ ہو تو شر سے پہلے دور رہے۔ قرآن مجید کی آیات کو سمجھنے کے لئے ان اشارات کو ذہن نشین کرلینا ضروری ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

فرشتوں کی کیفیت

کسی چیز کی بھی کنہ کو پہنچنا انسان کی محدود عقل سے خارج ہے۔ ذرہ تک ایک ذخیرۂ اسرار ہے۔ خیالات اور حسیات بہت زیادہ بھیدوں سے بھرے ہیں۔ عملی کارروائی کے لئے تاہم ان اصطلاحات و کلمات کو واضح کرنا ضروری ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں منجملہ ملائکہ ہیں۔ جبریل کی نسبت فرمایا گیا ہے نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ اسے نبی کے دل پر اتارا گیا جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ جیسا اس خاص فرشتے کا تعلق نبی کے دل کے ساتھ تھا ویسا دوسرے عام فرشتوں کا تعلق انسانوں کے دلوں کے ساتھ ہے۔ یہ بھی راز ہیں جنکو مشاہدے اور تجربے سے منکشف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن میں قلب مذکور ہوا۔ ور علم النفس اور علم الحیات میں لے دماغ سے تعبیر کرتے ہیں جو سر میں ہے۔ بلکہ تمام اعضا میں بھی اسکے مراکز بتائے جاتے ہیں اور دل سینے میں ہے بلکہ خود قرآن کے روسے جوف میں یعنی انسان کے اندر۔ بعد میں مصنوعی موضوعات تشکیل کئے گئے مثلاً تزکیہ قلب مومن کے ساتھ اور تزکیہ نفس کافر کے ساتھ مختص کیا گیا حالانکہ قرآن میں صاف اور عام دعوے ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا

قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے ست ٹھیک کیا۔ پھر اس میں نافرمانی اور خداترسی کے خیالات ڈالے۔ وہ شخص جسنے اسے پاک صاف کیا کامیاب ہوا اور وہ جسنے اسے فروگذاشت کیا نامراد رہا ✦ قرآن میں روح کا لفظ صرف جبریل کے لئے استعمال ہوا ہے اور نفس انسان کی ذات اور اسکی ذاتی کیفیات کے لئے جسے بعد میں روحانی جامہ پہنایا گیا اور حکماء نے روح حیوانی اور روح صبی کی تقسیم کی ✦

از روئے احادیث انسان کی تمام قوتوں اور حواس پر فرشتے مقرر ہیں مثلاً

فرمایا ہے کہ حیا پر دو فرشتے متعین ہیں۔ جن کا مقام ناک کی دو طرفیں ہیں۔ اسی طرح شیطان کو ناک کے اندر جگہ دی گئی ہے جسے اگر سوتے اٹھتے ہی خوب صاف کیا جائے تو فوراً نیند کی آلائش دور ہو کر چستی آجاتی ہے۔ اس مختصر بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حیا، عفت، حلم، صبر، شکر، احسان، عدل، عقل، ہوشیاری اور تمام اچھی صفات فرشتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کے عکس بےشرمی، بےناموسی، بےصبری، ناشکری، بخل، ظلم، جہالت، غفلت اور تمام بری خصلتیں شیطان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ یہ اس کا لشکر ہیں جس کی بابت ارشادِ خداوندی ہے: اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ اے ابلیس! اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ آور ہو اور اموال و اولاد میں ان کے ساتھ شرکت کر اور ان کو وعدہ دے۔ اور شیطان سوائے دھوکے کے اور کوئی وعدہ نہیں دیتا + پھر فرمایا: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۝ اے شیطان! میرے بندوں پر تجھے غلبہ نہیں ہوگا۔ خدا کے نیک مرد برے وسوسوں کو ہی پامال کر ڈالتے ہیں اور ان کی اضداد یعنی نیک جذبات کو ابھارتے رہتے ہیں۔ یہ مشیت ایزدی کے مطابق ہے۔ شیطان نے آدم کو سجدہ نہ کیا اور فرشتے مطیع ہو گئے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ بری حسیات سرکشی کرتی ہیں اور نیک خیالات

تابع ہیں۔ اچھے لوگ جنھیں سچے عاقل اور جوانمرد کہہ سکتے ہیں شیطان کے جنود کا فرشتوں کے عساکر سے مدافعہ کرتے رہتے ہیں مثلاً غصے کا حملہ ہو تو اسکے مقابلے میں عفو کی ڈھال اٹھاتے ہیں۔ بخل کے سامنے احسان کو لا کھڑا کرتے ہیں جیسے محاربات میں گوناگوں چالیں اور حیلے اختیار کئے جاتے ہیں رات دن یہی لڑائیاں انسان کے اندر اور باہر جاری ہیں۔ داخلی اور خارجی اعداء سے ہر دم پالا پڑا ہے جو کبھی دوست کے لباس میں بھی نمایاں ہوتے ہیں مثلاً ظالم اور متکبر پیہم ظلم اور کبر سے پیش آتا ہے اور مظلوم و عاجز حلم و صبر سے کام لیتا جاتا ہے مگر اسکی تعدی اور غرور حد سے تجاوز کر کے دین اور عزت کو بھی خوار و ذلیل کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ یہاں درگذر اور معافی جو انسان کی دوست دار سپاہ تھی، اب دشمن بن جائیگی اور غضب و انتقام جو متخاصم فوج کے دستے تھے۔ اب اسکے حامی و طرفدار ہو جائینگے۔ حضرت معاویہ کے قصے میں یہی خدعہ حرب بیان ہوا ہے۔ عبادت میں کبر کا شائبہ ہوا غفلت میں حسرت و ندامت ہوئی جو عجز و آئندہ خبرداری پر منجر ہو کر عبادت با کبر سے بہتر ثابت ہوئی شیطان ایک نیک کام کو بھی اپنا سپاہی بنا لیتا ہے تاکہ اس سے ریا اور تکبر پیدا کر کے اپنا الو سیدھا کرے۔ اسی لئے شروع ہی میں اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت و حمایت کی درخواست کی جاتی ہے جو نہ صرف تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے بلکہ ان کی مدد کر کے انھیں غلبہ و عروج بخشتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ط جو عزت حاصل کرنے کی خواہش رکھے تو سب عزت خدا ہی کے قبضے میں ہے + وہ اسے ان لوگوں کو جو حق جانتے اور اسی کو عطا کرتا ہے جو قول و فعل دونوں میں پاک و صاف ہوں اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ط - اسکی طرف پاک باتیں اونچی ہوتی ہیں اور خالص کام کو وہ بلند کرتا ہے + وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ط وَمَكْرُ أُولٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ○ اور جو لوگ برائیوں کے مکر کرتے ہیں انکے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر برباد ہو کر رہیگا + وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ○ اور بری تدبیر اسکے اپنے کرنے والے پر لوٹ پڑے گی - اس دعوے کے ساتھ مکرر ارشاد ہوا ہے کہ یہ خدا کا قاعدہ ہے اس سے ہرگز انحراف و انصراف نہیں ہوگا + یہ آیات حفظ کرنیکے قابل ہیں - نیز کیا اچھا ہے بشرطیکہ معنی بھی یاد ہوں نیت ان سے کام اور عمل میں استقامت حاصل ہوگی جتنی آیتیں یہاں درج کی گئی ہیں انہیں نیک ارادوں اور اچھے اعمال کی تعلیم ہے اور یہی اس کتاب کا مقصود ہے +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع ہوں تمام اقوال و افعال جو مہربان ہے رحمت والا ہے بُرائیں بات کو نرمی و ملائمت سے جانچتا ہے - اگر بری بھی ہو تو اس عفو سے کام لیتا ہے

اور اگر اچھی ہو تو وہ چند اجر دیتا ہے۔ ایسے خالق کے مقابلے میں کسی اور کیطرف متوجہ ہونا جو آخر اسی کا مخلوق ہے البتہ ناقابل معافی گناہ ہے اور یہی شرک ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ بتوں کے سامنے ماتھا ٹیکنا یا بعض بڑے آدمیوں کو خدا ماننا ہی کفر نہیں ہے بلکہ اگر کسی خواہش کی پیروی کی جائے جو امر حق کے خلاف ہو تو وہ خواہش بھی معبود بنجائیگی۔ اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوَاہُ۔ ہوا و ہوس کے بندے جو خدا اور رسول کے احکام کی پروا نکرکے صرف اپنی خواہشوں کے دیپلے ہوں نصِ قرآنی کے رو سے خدا کے علاوہ دوسرے معبود کی پرستش کر رہے ہیں اور یہ زیادہ عام ہے بہ نسبت ظاہرہ بت پرستی کے۔ اس بات کو بھی دلنشیں کرنا لازم ہے کیونکہ جہاں کہیں فرمایا گیا ہے کہ اچھے کام کرو اور خدا کے ساتھ اور معبود نہ گردانو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ برے کام نکرو کیونکہ نیک اعمال خدا کے حکم پر کئے جاتے ہیں اور بد افعال نفس کی خواہش سے ہوتے ہیں یعنی خواہش کو حق پر ترجیح دیجاتی ہے جو بالفعل اور فی الحقیقت شرک سے بھی بتر کام ہوا۔ ایک ولی اللہ نے تو یہانتک تاکید فرمائی کہ انسان نماز اور روزے کو بھی اپنا معبود بنا لیتا ہے۔ اس سے بھی احتیاط چاہیئے۔ نماز بری عادتوں اور ناشائستہ امور سے بچنے کیلئے ہے۔ اگر آدمی زیادہ زور نماز پر دے اور اوضاعِ ذمیمہ و اطوارِ سیئہ سے آلودہ اور لتھڑا رہے تو گویا اسنے ذریعے ہی کو انجام قرار دے کر خدا کے منشا کے خلاف نماز ہی کو مسجود ٹھیرا لیا۔ روزہ ضبطِ نفس کی خصلت بخشتا ہے۔ فاقہ کشوں کے ساتھ ہمدردی سکھاتا ہے اور بیماریوں سے بھی بچاتا

ہے۔ اگر کوئی بقول ابن سینا رمضان کو مرفان بنادے، بردباری کی بجائے بدخلقی اور مساکین کے ساتھ بید ردی کو اپنا شعار کئے رکھے تو اس نے روزے کی پرستش کی اور ان احکام و نصائح کو پس پشت ڈال دیا جو خدا تعالےٰ کے نزدیک مقدم و مکرم ہیں اور جن کا ذکر ترجمۃً یہاں کیا جاتا ہے اور ساتھ کچھ تفسیر بھی کی جاتی ہے ✦

فقہا نے فرض، واجب، سنت اور مستحب کی صنفوں کو اسی لئے وضع کیا کہ اعمال کا تفاوت بیّن ہو جائے۔ پھر وَالْعَصْرِ ۵ کی قسم نے زمانے کو پیش نظر رکھنے کی اشارت فرمائی۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۵ ایمان خدا کے حکموں کو ماننا ہے۔ جیسا اسلام زبان کے سوا بدل و جان ہمہ تن ان کی تعمیل کا نام ہے۔ ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں اور آپس میں حق کی نصیحت اور صبر کے ساتھ نصیحت کرنے والوں کے سوا باقی سب انسان نقصان میں ہیں۔ اس سورہ میں خاص امر حق ہے جو اگرچہ عام لفظ ہے مگر ہر زمانے بلکہ عمر کے مختلف حصوں میں اسکا حکم جدا ہے۔ مثلاً مسلمان حاکم ہیں دوسرے اہل ادیان محکوم یا برعکس یا مساوی۔ تو ان حالات میں جداگانہ روشیں مناسب ہوں گی۔ ایک لڑکے یا لڑکی کو علم و ہنر سیکھنے کی ہدایت کی جائیگی تو بوڑھے یا بوڑھی کو سکھانے کی۔ مگر کسی حال میں بھی نصیحت کے بغیر چارہ نہیں اور

نصیحت بھی اسی قدر کافی نہیں کہ اگر کوئی نہ مانے تو دست برداری یا بیزاری ظاہر کی جائے بلکہ ثابت قدمی سے سمجھانا لازم ہے +

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط اپنے پروردگار کے طریقے کی طرف معقول باتوں اور اچھی نصیحتوں سے دعوت دو اور مخاطبوں کے ساتھ بحث اور جھگڑا بھی ایسے طور پر ہو جو بہترین طرز کہا جا سکے +

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ اور اگر مخالفین کے ساتھ مقابلہ میں سختی کرنے لگو تو اتنی ہی سختی کرو جتنی تمہارے ساتھ کی گئی ہو۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۵ اور اگر سختیوں پر صبر اور درگذر کرو تو البتہ وہ صبر اور درگذر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے +

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ اگر کوئی برائی کرے تو اس کا رد بہترین طریقے سے کرو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جسکے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی وہ تمہارا پرجوش دوست بن جائیگا۔ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۵ ایسے سلوک کی ہمت صرف انھی کو دیجاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ تحمل کی روش انھی کا حصہ ہے جو بڑے نصیبے والے ہیں

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی حملے اور بدلے کی تحریک ہو تو خدا کے پاس پناہ لینے کی درخواست کرو وہ پوری سننے اور جاننے کی قدرت رکھتا ہے +

فَمَآ أُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ أَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ۝

جو چیز بھی تمھیں دی گئی وہ ورلی زندگی کا اسباب ہے اور جو کچھ اللہ کے

پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (انسان کے پاس جو چیز ہے وہ اسے ہر وقت خرچ کر کے یا استعمال کر کے فوری فائدہ یا حظ اٹھا سکتا ہے مگر یہ عارضی ہوگا اور خدا کے نزدیک جو عوض اور اجر ہیں وہ ہمیشہ ملتے رہینگے مگر انکے حصول کیلئے صبر و انتظار لازم ہے۔ اللہ کے احکام کو قبول کرنا اور ان کی پیروی میں باوجود تکلیف و مزاحمت کے اسی پر توکل و اعتماد رکھنا شرط ہے۔ انعامات الٰہی ایسے لوگوں کو ملتے ہیں) اور انکو جو بڑے گناہوں اور گندہ باتوں سے الگ رہتے ہیں اور جب انکو غصہ آئے تو درگذر کرتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کے لئے تیار رہتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور انکے کام کاج باہم صلاح و مشورے سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہمنے انکو عنایت کیا ہے وہ اسے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر سرکشانہ حملہ ہو تو مقابلہ کر کے بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کی سزا تو اسی کی مانند برائی ہے پس جو شخص معاف کر دے اور صلح و صفائی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو جاتا ہے۔ وہ کبھی ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور البتہ جو اپنے پر ظلم ہونے کے بعد انتقام لے تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ جوابدہ وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی و فساد مچاتے ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور البتہ جو صبر کرے اور درگذر کرے تو بیشک یہ کاموں میں

ارادہ ہے اور الوالعزمی +

وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ - ہر ایک قوم کے لئے پیغمبر ہے + اس
دعوے سے ثابت ہے کہ دنیا میں کوئی قوم بغیر پیغمبر کے نہیں رہی۔ اسی لئے
روایت ہے کہ سوا لاکھ نبی ہوئے ہیں۔ جیسے یہود و نصارے نے اپنے رسول
کو خدا کا درجہ دیا۔ اسی طرح دوسری اقوام نے بھی کفر و شرک کیا مگر پھر بھی وہ
یہود و نصارے کی طرح اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہیں اور ان کو ماننا لازم
ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِکَ - جو ہمارے رسول پر اور جو ان سے پہلے نازل ہوا اسے ماننا
ہمارا فرض ہے۔ البتہ جو تحریف و تبدیل سابق کتابوں میں ہوئی اسے قرآن
سے تطبیق دے کر تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ ہر زمانے کے مطابق پیغمبر
آتے رہے ہیں۔ اسلئے زمانہ حال کو ان کی حقانیت کا معیار نہیں بنانا چاہئے
خاتم النبیین ہمارے پیغمبر تھے جن کی رسالت مکمل ہوئی۔ ان سے پہلے تمام
ممالک میں قوانین کی ابتدائی اور درمیانی حالت تھی۔ ہم دوسری اقوام کے
ادیان سابقہ پر تمسخر نہیں کر سکتے جب ہماری کتابوں میں مسطور ہے کہ
حضرت آدمؑ کے زمانے میں آگ فیصلہ کرتی۔ حضرت نوحؑ کے وقت کشتی۔
حضرت یوسفؑ کے عہد میں پیمانہ۔ حضرت داؤدؑ کے روزگار میں زنجیر حضرت
سلیمانؑ کی سلطنت میں سوراخ۔ حضرت زکریاؑ کی نبوت میں قلم۔ ان تمام اشیا

کے متعلق علامات مقرر کر رکھی تھیں جن کی حرکت یا سکون سے جو اتفاقی امر تھا عدل کیا جاتا۔ اسی طرح ایک نبی کی ننانوے بیویاں تھیں تو ہم نہ ان پر اعتراض کی جرأت کر سکتے ہیں نہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں پر جو اپنے اپنے خاص حالات کے موافق البتہ بہترین اعمال پر کاربند تھے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ ان کو خوب سمجھا سکے۔ اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی آیا اور انھی کی زبان میں اس نے ان کو سمجھایا۔ اسلئے کسی قوم اور مذہب کے بزرگوں کا حقارت سے ذکر نہیں کرنا چاہیئے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ اور مت کوسو ان کو جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں پس وہ نادانی اور سرکشی سے خدا کو برا بھلا کہنے لگینگے۔ اس کے مطابق حدیث ہے جسمیں اپنے والدین کو گالی دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ جب مخاطب نے تعجب سے کہا کہ کوئی ایسا بھی کرے گا تو فرمایا کہ اگر تم کسی کے ماں باپ کو گالی دوگے وہ تمھارے والدین کو دشنام دیگا۔ گویا تم ہی نے اپنے ماں باپ کو موردِ تشنیع بنایا +

بنی اسرائیل کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کا تکرار قرآن مجید میں بھی ہے تاکہ مسلمان بھی انکو سنیں اور ان پر عمل کریں۔ اسی طرح سابقہ ادیان کی باتیں

جو معروف ہوں منکر نہوں پسندیدہ ہوں غیر معقول نہوں تو ان کو بھی کام میں لانا چاہئے۔ اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت + وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ اور والدین کے ساتھ احسان اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرنا +

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۵ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۵ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۵ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۵ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۵ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۵ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ

مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۵ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۵ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ
خِطْاً كَبِيْرًا ۵ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ
سَبِيْلًا ۵ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ
وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ
فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۵ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ص وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج
اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۵ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۵
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۵ وَلَا تَمْشِ
فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ
الْجِبَالَ طُوْلًا ۵ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۵
ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۵

اور تیرے پروردگار نے قطعی حکم دیدیا ہے کہ صرف اسکے سوا اور کسی کی بندگی مت کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونو تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو ہُوں تک بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور اُن کو شرافت سے بات کہنا اور مہربانی سے عجز کا بازو انکے لئے جھکنا اور کہنا اے میرے پالنے والے ان پر رحمت فرما جیسا انھوں نے مجھے چھوٹے کو پالا ہے۔ تمھارا پروردگار سب سے زیادہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے۔ اگر تم خلوص سے نیک ہو تو وہ قصوروں سے باز آنے والوں کو معاف کر دینے والا ہے۔ اور رشتہ داروں اور محتاج و مسافر کو ان کا حق دو اور حد سے بڑھکر خرچ مت کرو، فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا منکر و ناشکرا ہے۔ اور اگر حقداروں سے تمھیں منہ پھیرنا پڑے اس امید پر کہ اپنے پروردگار کی رحمت حاصل کروگے تو اس اثنا میں نرمی سے انھیں قول دے دو۔ اور نہ تو خرچ کرتے اپنا ہاتھ گردن کی طرف باندھے رکھو اور نہ اسے پورے پھیلاؤ ہی سے کھولدو جس صورت میں حسرت کھاتے ملامت کا نشانہ بنے بیٹھے رہ جاؤگے۔ تمھارا پروردگار جسکے لئے چاہتا ہے روزی کی کشائش کر دیتا ہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے پورا باخبر اور ان کے ظاہر و باطن کو دیکھتا ہے۔ اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل مت کرو۔ ہم انکو

اور تم کو بھی ۔ روزی ہم پہنچاتے ہیں ۔ انکا قتل بھاری خطا ہے ۔ اور زنا کے نزدیک نہ پھٹکنا کیونکہ یہ گندی بات اور برا طریقہ ہے ۔ اور کسی جان کو جس کا لینا خدا نے حرام کر دیا ہے بغیر حق کے مت مارو ۔ اور جو ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اسکے وارث کو غلبہ دیا پس وہ خون کا بدلہ لینے میں حد سے نہ گزرے بیشک وہ فتحیاب ہے ۔ اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہترین ہو یہانتک کہ وہ جوانی کو بالغ ہو جائے ۔ اور عہد کو بجا لاؤ ۔ بیشک عہد کی بازخواست ہونے والی ہے ۔ اور پورا پیمانہ بھرو جب ناپ کر دو اور سیدھی ترازو سے برابر تول کر دو ۔ یہ اچھا ہے اور بہترین صورت ہے معاملات کی ۔ اور واقفیت نہ دکھاؤ اسکی جسکا تمھیں علم نہیں ہے ۔ بیشک کان آنکھ اور دل ان سب سے بازپرس ہونے والی ہے ۔ اور زمین میں اترا کر نہ چل نہ تو زمین کو پھاڑ سکیگا اور نہ بلند قامتی میں پہاڑوں کو پہنچ سکیگا ۔ ان سب کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ۔ یہ ہے جو تیرے پروردگار نے حکمت کے بارے میں تیری طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنا ورنہ دوزخ میں ملامت اور ذلت سے ڈالا جائیگا ۔

ان آیات کے آخر میں پھر اشارہ دوسرے معبود کی طرف ہے جس کا ما حصل مطلب ان صفات کی اضداد ہے جنکی نصیحت کی گئی ہے ۔ یہ اضداد یہ ہیں :

والدین کی نافرمانی ۔ عزیزوں محتاجوں غریبوں کو دینے میں بخل یا ساتھ ہی

فضول خرچی۔ اپنے نفس کی سرکشی، بخل اور اسراف جو نمایش اور بے پروائی سے ہو جب خدا کے حکم کے مقابل ہوں تو گویا یہی اصنام بنائے گئے۔ قتل اولاد خواہ واقعی ہو یا انکو جاہل اور بے ہنر رکھکر کیا جائے اس اندیشے سے کہ والدین کے پاس انکی تربیت کے لئے کچھ نہیں۔ زنا۔ تکبر و تبختر بھی خدا کے روبرو عبودیت و طاعت سے بچکر سامنے ہو جاتا ہے۔ علم کا جھوٹا دعوےٰ حالانکہ کوئی شخص بھی ہر چیز کا عالم نہیں ہو سکتا اور خصوصاً ان امور سے کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتا جو آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ایسی بات ہے جس سے علماء و حکما اکثر خالی نہیں۔ سقراط نے اسے آزمایا اور سب کو جھوٹے پا کر ان کو دشمن بنایا اور خود مورد ہلاک بنا۔ پھر بھی کسی بات کا جھوٹا دعوےٰ چھپا نہیں رہتا کسی نہ کسی طرح سے ظاہر ہو جاتا ہے + کان اور آنکھ اور دل کا مسئول ہونا یہ ہے کہ کوئی کہے میں نے فلاں بات سنی یا دیکھی حالانکہ اس نے اپنے دل سے ہی وہ بات بنائی ہو تو آخر ایک وقت آتا ہے کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں۔ اسکے سننے اور دیکھنے اور اسکی دنی بات کا بھی اعتبار نہیں کرتے۔ یہ تو دنیاوی امور کی کیفیت ہے۔ اگر کوئی شخص دینی اسرار میں جو زیادہ تر نبوت کے خصائص میں داخل ہیں اپنی ہی اختراع اور ابتداع پر اعتقاد کر کے اسے لوگوں میں پھیلانے جسکا تجربہ نہیں ہوا تو وہ ایک خطرناک کام کریگا۔ اسلام سابقہ ادیان کی تصدیق کرتا ہے اور انہی کے تجارب پر مبنی ہے۔ پھر اسکو بھی تیرہ سو سال گزر گئے

ہیں ان سب کی بنا پر اور انکی مطابقت و متابعت میں اگر کوئی خیال پکایا اور ظاہر کیا جائے تو بجا ہے ورنہ بیجا تجاوز ہوگا اور معنی زیادتی + مسرفوں کو شیطان کے بھائی اسلئے قرار دیا کہ وہ خدا کی مقرر کردہ حدود سے باہر نکلتے ہیں اور انجام کو بھی نہیں سوچتے۔ اسراف کا ذکر خیرات کے ساتھ ہوا کیونکہ شیطان بعض انسانوں کو معینہ خیرات سے زیادہ یا حقداروں کے علاوہ دوسروں کو بیجا طور پر معرض جود و سخا بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ۥ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں۔ جواب دے کہ جو زیادہ ہے یعنی تمھاری حاجتوں کے پورا کرنے کے بعد بچ رہے۔ اگر انسان بے سوچے سمجھے سب کچھ خیرات کر دے تو ہر چند جذبہ پسندیدہ ہے اور اسی پسندیدگی کی وجہ سے احتیاط بتائی گئی ہے مگر انجام برا ہوگا۔ علاوہ اسکے اسمیں ریا ہوگا یا بے اعتنائی۔ یہی شیطان کی خصوصیات ہیں یعنی اس نے آدم کو اسلئے سجدہ نہ کیا کہ وہ خاکسار رہے حالانکہ جو سراپا اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہو وہ اس شخص کو جو سراسر رذائل و شرور سے بھرا ہو مغلوب کرکے چھوڑیگا۔ خودسری اور اپنی مرضی سے بلا لحاظ دین ہر کام کرنا اور کسی نصیحت اور تجربے سے فائدہ نہ اٹھانا البتہ ابلیسانہ حرکات ہیں جنکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے +

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ خدا ہی کا ہے مشرق اور مغرب پس جدھر کو بھی منہ کرو اُدھر ہی خدا کا رُخ ہے۔ نماز میں کعبہ کی جانب تو قبلہ ہے مگر یہ توحید عبادت کی غرض سے ہے ورنہ ہر طرف خدا کی ذات موجود ہے۔ دنیا کے تمام ممالک مشرق میں ہوں یا مغرب میں اسی کی ملکیت ہیں۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۔ اس کا حکم ہر جانب جاری ہے۔ جس ملک میں علم ہو خواہ وہ چین میں ہو اسکی طلب کے لئے جانا لازم ہے۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ اسی لئے حدیث میں آیا ہے۔ مشرق و مغرب کی تفریق مصنوعی ہے۔ اللہ کی حکومت ہر جگہ برپا ہے اور اسکے مقابلے میں عارضی طور پر شیطان کے لشکر بھی صف آرا ہیں۔ حق و باطل کا مقابلہ ہے اور کشمکش کے بعد آخر حق غالب آتا ہے۔ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اور خدا حق کو اپنی باتوں سے حق کر کے چھوڑتا ہے اگرچہ مجرم ناپسند ہی کریں يُبْطِلُ الْبَاطِلَ۔ وہ جھوٹ اور بیہودہ چیزوں کو جھوٹا ثابت کر کے چھوڑتا ہے۔ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ ہم حق کو باطل پر اٹھا مارتے ہیں جھوٹی باتوں کا کچومر نکل جاتا ہے اور وہ زائل و غائب ہوجاتی ہیں۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ حق آیا اور باطل بھاگا۔ بیشک جھوٹ چیز ہی ایسی ہے جو برباد و مضمحل ہو کر رہیگی۔ اسکیں بڑی احتیاط لازم ہے کہ

حق کو ایسے سچ کے ساتھ مخلوط نہ کردیا جائے جسمیں جھوٹ سے بھی زیادہ گناہ ہو مثلاً اندھے کو صاف اندھا کہا جائے تو اسکی دلازاری ہوگی۔ حافظ کہتا گو جھوٹ ہے مگر ایسے سچ سے بہتر ہے۔ بحران کی حالت میں مریض کو طبیب کا صحیح نہ بتانا بلکہ جھوٹی تسلی دینا غلط نہیں ہے ورنہ وہ نازک حالت میں صدمے سے ہی احتمالاً ہلاک ہوجائے۔ حق و باطل بڑی وسیع و پیچیدہ باتیں ہیں انکی تمیز بڑا دشوار معاملہ ہے۔ سادہ طریقہ یہ ہے کہ انسان ہرایک کے حقوق کو پہچانے اور انکو ادا کرنے کے درپے ہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ یہ تو منفرد حالت میں ہے۔ قوموں کا مجادلۂ حیات جدا آئین رکھتا ہے۔ ہرایک قوم بلکہ ہرایک قبیلہ یہانتک کہ ہرخاندان کیا ہرفرد بھی استقلال آزادی بلکہ حاکمیت اور وہ بھی مستبدانہ اور مطلق العنانی کا خواہاں ہے یہاں پھر اشخاص و اقوام کا معاملہ واحد ہوجاتا ہے مگر اشخاص تابعِ قوانین بنائے جاسکتے ہیں کہ اپنے حقوق سے تجاوز نہ کریں اور اقوام کا استحقاق انکی قوت و تدبیر پر منحصر ہے اور اسمیں بھی امر مفعول خدا کی طرف سے یہ ہے کہ جو ہلاک ہوگا وہ حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہوگا اور اسی طرح حیات بھی اسی سے قائم رہ سکتی ہے کہ انسان یا مجموعۂ انساناں دیکھ بھال کر اپنی زندگی و حریت کے بچاؤ کے سامان فراہم کریں۔ موازنہ و مقابلہ ثابت کردیگا کہ کونسی ملت حفاظت و استحکام بلکہ تعرض و ہجوم کے لوازم سے زیادہ آراستہ

ہے وہی غالب ہے اور زور آزمائی کے بعد فاتح ہوگی اگرچہ اس میں پھر حق کا خاص حصہ ہوگا کیونکہ سلطنت کی قابلیت اور حکومت کی لیاقت بذاتِ خود ایسا حق ہے جس سے وہ ملل محروم ہیں جن میں عدل و انتظام کا مادہ ہی مفقود ہے علوم و فنون جداگانہ حق رکھتے ہیں جن کے سامنے جہالت اور بیخبری ان کے اہل کو باطل کی طرح زاہق بنا دیتی ہے +

یہ طبعی قانون ہے کسی جہت و ملت کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۔ یہ جملہ بیان ہوا ہے شجرۂ مبارکۂ زیتون کی تعریف میں جو کبھی تلمیح ہوتی ہے حضرتِ موسےؑ کی طرف جن کی تعلیم و ہدایت شرق و غرب میں منتقل و منتشر ہوئی اور اس نے وہ روشنی پھیلائی جو کسی سمت کے ساتھ محدود نہیں ۔ جب وہ مدھم پڑ گئی تو انجیر کے درخت تلے جس کا تعلق حضرت مسیحؑ کے ساتھ ہو گیا انھوں نے تمثیلیں بیان کیں اور تاریکی پھر درخشانی کے ساتھ مبدل ہو گئی ۔ جب پھر اندھیرا چھایا تو شہرِ امین سے نورِ خدا کا طلوع ہوا جو سارے جہان کو منور کر کے رہا اگرچہ لوگ نہ مانیں ۔ یہ بھی نہ شرقی ہے نہ غربی ۔ جہاں کہیں یہ فانوس پہنچا اسکی ستارہ مانند شیشہ دار مصباح نے درخشانی اور چمک دمک دکھائی مگر شپرہ چشمی نے جو کسی ملک یا قوم کے ساتھ مختص نہیں اسکو نہ دیکھا نہ اس سے استفادہ کیا +

لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِہٖ وَلَا یَجِدْ لَہٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۵
تمھاری آرزوؤں کے ساتھ نہیں اور نہ ہی دیگر کتاب والوں کی آرزوؤں کے ساتھ جو کوئی بھی برا کام کریگا اسکی سزا پائیگا اور خدا کے سوا اسے کوئی یار و مددگار نہیں ملیگا۔ مسلمان اگر محض تمنا کے ساتھ جئیں اور کام نہ کرکے خدا کے خاص بندوں کی حیثیت میں اجر کی توقع رکھیں تو یہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہے جو کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ۔ ہم خدا کے بیٹے ہیں اور اس کے دوست۔ انکے جواب میں یہ کہا گیا: فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ۔ پس وہ تمھارے جرموں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے۔ اگر مسلمان بھی اپنے حق میں ایسا ہی حسن ظن رکھیں تو اپنی موجودہ حالت پر نظر ڈالیں کہ انکے گناہوں کے سبب ذلت، اسارت و محکومیت کے گڑھے میں گرے ہیں حالانکہ ان کی بابت ارشاد ہے: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ تم اونچے ہو اگر تم مومن ہو۔ کیا مسلمان اونچے ہیں؟ اگر نہیں تو انکے ایمان کی شرط میں شبہ وارد ہوگا۔ مرتبت، عزت، حکومت، سلطنت بلند چیزیں ہیں اور ایمان کے ساتھ وابستہ ہیں بقول اس آیت اور ایمان کے ساتھ محنت و مشقت مربوط ہے بلکہ الٓمٓ کے حروف مقطعہ شاید تاکید کی غرض سے الم اور درد کے لئے استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ

انکے ساتھ ملحق ہیں یہ معانی کہ آیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ چھوڑ دئے
جائینگے اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائینگے ؟ حالانکہ ہم نے
ضرور آزمایا انکو جو ان سے پہلے تھے اور اللہ معلوم کر کے رہیگا جو سچے ہیں اور
جھوٹوں کو بھی جان لیگا ۔ الٓمٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ
يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ
مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ کیا گمان کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں
کہ ہم سے سبقت لے جائینگے ؟ برا ہے فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں ۔ اَمْ حَسِبْتُمْ
اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ
يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باغ میں داخل ہو جاؤگے
حالانکہ ابھی تک اللہ نے معلوم نہیں کیا انکو جنھوں نے جدوجہد کی اور نہ ہی
ثابت قدم رہنے والوں کو جانچا ۔ یہ خدا کا علم لانا بندوں کے حساب سے ہے
جو آئندہ سے بے خبر ہیں ورنہ وہ تو ازل و ابد سے خبیر ہے ۔ جب تک دوسرے
لوگ یا دوسری قوم مسلمانوں کو مساعی و مجاہدات میں مصروف نہیں دیکھینگے
وہ ان کی قدر و منزلت نہیں کرینگے چہ جائیکہ انکے محکوم یا ماتحت بنینگے اور جب
تک خدا کے احکام و قواعد و قوانین کو نہیں مانینگے ایمان کے کیا معنی ؟

اور جب تک جہاد صبر اور شہادت کو پیش نظر رکھکر کام نہیں کرینگے اسلام کہاں ؟ ان دو صورتوں کے ساتھ ہی دنیا میں باغ باغ رہنا ممکن ہے اور نیز عقبےٰ میں نعیم کے باغوں میں بسنا ؛

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ - اگر تم کو زخم پہنچے تو اور لوگوں کو بھی زخم لگ چکا ہے اور ان دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں - تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ - یہ قوم گذر گئی اسکے لئے وہ جو اس نے کمایا اور تمھارے لئے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے پوچھا نہیں جائیگا اسکے بارے میں جو وہ کر رہے تھے ؛ ہر ایک قوم اپنی بہبودی کی آپ ذمہ دار ہے اور اپنی موجودہ حالت کو سدھار کر آزادی و ترقی حاصل کر سکتی ہے - گذشتگان کو مسئول ٹھیرانا اپنی نکبت کے لئے یا ان کی عظمت پر تکیہ کرنا عبث ہے - اسی طرح ہر فرد بھی اپنی بہتری کا خود سامان مہیا کرتا ہے اور پیشینیاں یا آبا و اجداد کو الزام نہیں دیسکتا

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ - کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں ؟ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا - انھوں نے کہا ہاں ہم گواہ ہیں - سب انسان جدا جدا یہ جواب دیتے ہیں - یہ اسلئے کہ کوئی کہہ نہ سکے کہ میں غافل تھا - یا میرے باپ دادا

نے شرک کیا اور میں نے بھی اس کی پیروی کی۔ ہر شخص کو وجدان سے ہی اتنی
ہوشمندی ملتی ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کو پہچاننے اور اسکے احکام کو بھی جانے
جن کے ماننے سے آسودگی و آبرو حاصل ہوتی ہے اور غفلت سے ذلت و
مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۔ اور ہر
ایک کے لئے ایک طرف ہے جس کی جانب وہ منہ کرتا ہے۔ پس اچھے کاموں
میں ایک دوسرے سے بڑھو۔ دنیا میں مختلف مذاہب اور فرقے ہیں اور ایک
دین کے پیرؤوں میں بھی کئی گروہ ہوتے ہیں اور یہ اختلاف ہمیشہ رہے گا۔ وَ
لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۔ پس باہم رواداری اور برداشت کو شیوہ و شعار
بنا کر ہر ایک فریق اور ہر شخص کو چاہئے کہ باوجود مذہبی اور مسلکی اختلافات کے
نیک کاموں میں جو اصولاً طور پر مسالم ہوں ایک دوسرے سے سبقت لیجائیں
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۔ پھر ان میں
سے بعض اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ میانہ رو ہیں اور ایسے
بھی ہیں جو خدا کی اجازت سے نیک اعمال میں سبقت لے جاتے ہیں یہی بڑی
بزرگی ہے اور فضیلت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ

اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ○ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ○

اے ایمان والو: صبر اور نماز سے مدد لو۔ بیشک خدا صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ اور جو خدا کی راہ میں قتل کئے گئے انکو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے اور ہم تم کو ضرور آزمائینگے کچھ خوف بھوک مال جان اور میووں کے نقصانات سے اور خوشخبری دے صبر کرنے والوں کو جن پر مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی کی طرف آخر لوٹنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا کی طرف سے عنایات و رحمت ہوتی ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں +

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ

مَّوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور شب و روز کے اختلاف اور سمندر میں جہازوں کے چلنے میں جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور پانی جسے خدا آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے زمین کو اسکی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسمیں جانوروں کو پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے چلانے اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے ہیں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو عقل استعمال کرتے ہیں +

اس آیت میں اکثر علوم کی طرف اشارہ ہے جنکی تحصیل کماحقہ کرنے کی بھی ترغیب ہے کیونکہ فرمایا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ ہمارے پروردگار تو نے انکو بیکار اور بیفائدہ خلق نہیں کیا + سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تمھارے قبضے میں کئے جہاز تاکہ سمندر میں اسکے حکم سے چلیں تم اسکے فضل سے ثروت کماؤ اور شکر کرو۔ شکر زبان کے سوا تمام اعضا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ مال کا شکر یہ ہے کہ اسے ناجائز طریقے سے نہ خرچ کیا جائے دل و دماغ کا شکر یہ ہے کہ انکو مفید امور میں صرف کیا جائے جنمیں ایجادات بھی ہیں۔ جہازوں کے بنانے کے قابل ہونا ان کا قبضہ ہے۔ اسی طرح بحر کو

خدا نے ہمارے قبضے میں دیا جس سے یہ مراد ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اور اسمیں جہاز چلائیں۔ سَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْھَارَ۔ دریاؤں اور نہروں کو ہماری تسخیر میں کیا کہ ان سے سیرابی وغیرہ کے منافع لیں۔ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ سورج اور چاند کو بھی تمہارے لئے مسخر کیا۔ بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سبکو تمہارے قبضے میں دیا وَسَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ۔ معمولی عقل اور منطق کے صغرا و کبرا سے یہ نتیجہ نکل سکتا تھا کہ جب بحر کو مسخر کیا تاکہ اس میں جہاز چلیں اور ہر ایک چیز کو مسخر کیا جسمیں فضا و ہوا بھی داخل ہے تو ہوائی جہاز بھی بنائے جاسکتے تھے مگر مسلمانوں نے باوجود اس صریح اشارے کے غفلت کی اور خدا کی تسخیری بشارت سے فائدہ دوسروں نے اٹھایا اور ایجادوں کا سہرا انکے سر بندھا۔ اب سورج اور چاند کے قبضے کی بھی انھی کو فکر ہے حالانکہ اس کا ذکر ہمارے قرآن میں ہے۔ البتہ یہ انھی کی کتاب ہے جو اسے سمجھیں اور اسکے معانی پر عمل کریں۔ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا۔ بیشک میری قوم نے اس قرآن کو [illegible] سمجھا۔ اس کے معنوں سے بیخبر رہنا گویا قرآن کو دور رکھنا ہے اور اسکے معنے تمامی سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک کہ دل و دماغ ان علوم پر حاوی نہ ہوں جنکی طرف بارہا قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

ہرگز نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو بلکہ خوبی اس کی ہے جو
مانے خدا اور آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں کو اور دے مال باوجود
اس کی محبت کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافر اور مانگنے
والوں اور گردن کی رہائی میں اور نماز کو قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ اور
جب وعدہ کریں تو عہد کو بجا لائیں۔ اور سختی اور مصیبت اور خوف کے وقت
صبر کرنیوالے۔ یہ لوگ ہیں سچے اور یہ ہیں متقی اور پرہیزگار۔ اس آیت سے
پتہ چلتا ہے کہ سچے اور متقی لوگوں کی کیا تعریف ہے۔ گردن کی رہائی سے عبارت،
غلام آزاد کرنا، قید سے چھڑانا، قرض ادا کرنا، خوں بہا دینا وغیرہ ہیں۔ مگر ان سب
باتوں میں استحقاق کو دیکھنا شرط ہے کہ آیا جس شخص پر احسان کیا جاتا ہے
وہ اس کا اہل ہے یا رہائی و کشائش کے بعد پہلے سے بہتر کام کرے گا۔ اسی
طرح سائل کو مطمئن کرنا اس کی غرض پورا کرنا اور اس کو مال دینا ہے چاہے
پیشہ ور عادی بھکاری مانگنے والے کو جواب دینا ہی بہتر ہے۔ سوال کرنے والے کی
حقیقت معلوم کرنا مقدم ہے تاکہ مدد بے جا صرف نہ ہو بلکہ مالدار شخص کو زیبا
یہ ہے کہ محتاجوں کے احوال سے باخبر ہو کر بغیر سوال کئے ہی ان کی
امداد کرے جیسا کہ فرمایا ... الَّذِيْنَ ... لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ بعض لپٹ کر پیچھے پڑ کر سوال نہیں کرتے۔ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ بہترین خیرات عمومی امور میں ہے جس سے شخصی کی بجائے مجموعی طور پر فوائد مرتب ہوں۔ ہونہار بچوں کو علم و ہنر سکھلانا بھی اس میں داخل ہے۔
مالی خیرات کی مثال قرآن مجید میں ایک دانے سے دی گئی ہے جس میں سات بالیں لگتی ہیں اور ہر ایک میں سو دانے ہوتے ہیں۔ اور خدا اس سے بھی زیادہ اجر دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایسے انفاق فی سبیل اللہ کے بعد احسان نہ جتایا جائے اور نہ اذیت پہنچائی جائے جس سے نہ دینا ہی بہتر ہے اور اس کی بجائے محض پسندیدہ بات اور درگذر ہی اچھا ہے۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى۔ بخشش کر کے اترانا کبر کرنا اور ممنونیت جتانا ایسی تکلیفیں ہیں جن سے البتہ غیرت مند محتاج کو سخت پشیمانی ہوتی ہے کہ کیوں وہ ایسی بدحالی کو پہنچا جو یہ ذلت سہنی پڑی۔ اسی لئے فرمایا۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى اپنے صدقوں کو احسان جتانے اور تکلیف دینے سے باطل اور ضائع نہ کرو۔ اسی طرح جو چیز خیرات میں دو وہ ایسی پاک و صاف ہو کہ لینے والا خوش و خورم ہو جائے اور اس میں گندی چیز کی آمیزش و آلائش نہ ہو ایسی کہ اگر وہ تمھیں دی جائے تو نفرت سے منہ پھیر لو۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ یہ خیرات ظاہرہ بھی اور پوشیدہ بھی دی جائے۔ عمومی کاموں میں ظاہر دینا دوسروں کی ترغیب کا

باعث ہوتا ہے اور چھپا کر دینا مخفی امور میں محتاج کی شرم وغیرت کی حفاظت کرتا ہے۔ صدقہ دوطرفہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ نادار کو تو نفع ظاہر ہے مگر اس سے بڑھ کر دانندہ مستفیض ہوتا ہے۔ اسے حکمت کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ جسے حکمت دی گئی ہے اللہ اسے بہت مال اور خوبی دی گئی۔ رازق خود خدا تعالیٰ ہے جسے چاہتا ہے روزی کی فراخی دیتا ہے۔ غریب بنکر شرمندہ ہوتا ہے اور دولتمند دے کر مفتخر ہوتا ہے۔ یہ کتنا احسان خداوندی ہے جس پر غنی کو شکرگذار ہونا چاہئے۔ یہی حکمت ہے سود کی مذمت میں اور صدقے کی تحریص میں۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔ خدا سود کو گھٹاتا اور مٹاتا ہے اور صدقوں کو بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔ سودخور بخیل سنگدل اور کمینہ بن جاتا ہے اور علاوہ اس قرضدار کی دشمنی کے جسے بیاج نے [illegible] کیا ہو سودخور بنی بشر کا دشمن ہوتا ہے۔ وہ کبھی تجارت ونفع رسانی پیدا ہی نہیں ہونے [illegible] [illegible] حالات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ اور خدا کے رستے میں خرچ کرو اور اپنے تئیں ہلاکت میں مت پڑو۔ خرچ نہ کرنا بھی خودکشی ہے۔ اگر کوئی شخص ضروری امور میں خرچ نہ کرے تو ذلیل ہوگا۔ اور اگر وہ ضروری کام سرانجام ہی نہ ہو تو پھر وہ دوسروں کے ساتھ خود بھی خطرے میں پڑیگا۔ قومی کاموں میں حصہ لینا زندگی اور عزت ہے

اور اگر قوم تباہ ہو تو وہ غنی بھی ساتھ ہی برباد ہوگا جس نے مال خرچ کر کے عام فائدہ نہ پہنچایا۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۵۔

اور جب میرے بندے میری بابت سوال کریں تو میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔ جب وہ مجھے پکارے پس وہ چاہیئے کہ مجھے قبول کریں اور مجھے مانیں تاکہ رشادت حاصل کریں۔ خدا کے سوا دوسروں سے حاجات مانگ کر سیدھی راہ سے نہ بھٹکیں۔

لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۵ ان کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی فائدہ نہیں مگر جو صدقے یا پسندیدہ امور یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی ہدایت اور ترغیب دے اور جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے یہ کام کرے تو آخر ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے۔

بعض لوگ فوری اور نقد فائدہ اور آرام چاہتے ہیں۔ ان کی نسبت خدا

نے فرمایا کہ آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پہلے بھی اور پیچھے بھی خوبی کی خواہش رکھتے ہیں تو ان کے لئے بہرہ مندی اس کی جو وہ کمائیں اور عمل کریں اور خدا بہت جلدی حساب لینے والا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ دنیا البتہ فانی ہے اور آخرت جاودانی۔ دور اندیش آدمی ضرور عقبےٰ کو ترجیح دیگا مگر جزا و سزا کی نسبت جو عقیدے میں ضعف ہو تو معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اسلام میں فضیلت یہ ہے کہ اس جہان کی خوبیاں بھی اس جہان کی تیاری میں ضمناً مل جاتی ہیں۔ اس دنیا میں بھی اول و آخر ہیں مثلاً ایک لڑکا جلدی کمائی پر اتر آئے تو اسے بہت تھوڑی اجرت ملے گی۔ اور اگر وہ علم و فن سیکھے تو انجام میں بہت زیادہ کما سکیگا۔ اول حالت میں وہ اپنے خاندان اور قوم کے لئے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ اس لئے اس کے واسطے آخرت میں بھی کوئی درجہ نہیں ہوگا۔ اور دوسری صورت میں جتنا زیادہ نفع دوسروں کو پہنچانے کے قابل ہوگا اتنا ہی عقبےٰ میں اس کا مرتبہ بلند ہوگا البتہ خدا سے یہ دعا مانگنی چاہئے کہ پہلی حالت میں بھی جب وہ ہنر سیکھ رہا ہو اسے آرام حاصل ہو اور مصیبت سے بچے اور آخر میں بھی راحت و ثروت و سعادت نصیب ہو۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰۤی اَنْ

تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

تم پر لڑائی کا حکم فرض کے طور پر لکھا گیا اور وہ تمھارے لئے ناگوار ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمھارے لئے بہتر ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی بات کو اچھی جانو اور وہ تمھارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ لڑائی ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی چارہ نہیں۔ دینی قومی اور ملی لڑائیاں ہمیشہ جاری ہیں اور معلوم نہیں کب تم بھی ان میں مبتلا ہو جاؤ۔ ان کے علاوہ دنیا کے واقعات خبر نہیں کب تمھیں ایسے حالات میں پھنسا دیں جن میں لڑائی ضروری ہو۔ ظالموں ڈاکوؤں اور دشمنوں سے لڑنا پڑے اور اگر لڑائی کے قاعدے معلوم نہ ہوں تو گرفتار اور زخموں کا شکار ہو جاؤ یا ہلاکت میں پڑ جاؤ اس لئے اپنی موجودہ حالت کے مطابق ورزش وغیرہ کے ذریعے صحت قوت اور فنون جنگ سے آگاہی حاصل کر کے آمادگی پیدا کرو۔ نہ صرف منفرد طور پر بلکہ اجتماعی حیثیت سے محاربے کی تیاری لازم ہے۔

نشے کی چیزوں اور جوئے کی بازیوں کے متعلق فرمایا کہ ان دونو میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور دونو کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ پھر فرمایا کہ شیطان یہ ارادہ رکھتا

ہے کہ نشے اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈالے اور تمہیں
خدا کی یاد اور نماز سے روکے۔ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ
يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ
وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ باوجود اس کے عمل
صالح اور تقوے اور احسان اتنا بلند درجہ رکھتے ہیں کہ کھانے اور پینے کی حرمت
ان کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی جس کو عوام بہت زیادہ ضروری سمجھتے ہیں
شراب پینا اتنی بری بات سمجھی جاتی ہے کہ شرابی کی ہر کوئی انگشت نمائی کرتا ہے
کوئی سور کا نام لیجائے تو کفر سے بدتر ہے۔ کھالے تو سب گناہوں سے
زیادہ کا مرتکب ہوا۔ بیشک شراب پلید اور سور حرام مگر دوسرے کا مال کھانا
بھی تو کمتر حرام نہیں اس سے کوئی زیادہ بدنام نہیں ہوتا۔ خود پورا وزن کرکے
لینا اور دینا کم تول کر۔ اپنے لئے زیادہ کا مطالبہ اور دوسرے کے لئے تھوڑا
روا رکھنا ایسی حرکات کے لئے خدا نے افسوس یا ایک طبقہ دوزخ تیار کیا ہے
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ
وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۞
افسوس ہے ان مفت خوروں کے لئے جو لوگوں سے پیمانہ لینے کے وقت تو
پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔
لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا

اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

ہرگز ان پر جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے گناہ نہیں اس میں جو انھوں نے کھایا۔ جب انھوں نے تقوے کیا اور ایمان لا کر اچھے کام کئے پھر تقوے کیا اور ایمان لائے اور پھر تقوے کیا اور احسان کیا اور خدا احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ اور جیسے مردوں کے حق عورتوں پر ہیں ویسے ہی پسندیدہ دستور کے مطابق عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں اور مردوں کے لئے ان پر درجہ ہے۔ یہ فضیلت اور نیابت فطری ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ عورتیں چار تو جائز ہیں مگر شرط ہے کہ ان کے درمیان عدل کیا جائے اور اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی روا ہے۔ اِنْ لَّمْ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ پھر فرمایا کہ تم ہرگز عورتوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے اگرچہ حرص کرو تو پھر ایک طرف کلی رغبت کر کے دوسری کو لٹکتی ہوئی نہ چھوڑ دو۔ وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۔ زناشوئی کے معاملات میں بلکہ ہر جگہ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے

کہ باہم مہربانی اور مراعات کو فروگذاشت نہ کیا جائے اور ایک دوسرے کو بڑائی دے۔ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔ اگر دو شخص مرد ہوں یا عورت ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو خدا دونوں کو ایک دوسرے سے بے پروا اور بے نیاز کردیگا۔ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؎

درین دنیا کسے محتاج کس نیست ٭ ہمیشہ کار دل افتادہ با دل

اسی لئے صلح کو بہتر کہا گیا ہے۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ اکثر خدا کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غلبہ پالیتی ہے اور خدا صابروں کے ساتھ ہے قومی اور ملی مقابلوں میں شرط ثابت قدمی ہے اور خدا کا حکم یہ ہے کہ عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے اس صورت میں کم تعداد کو بھی غالب آنے کی امید ہے کیونکہ زیادہ تعداد والے گروہوں کی بابت فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ اگر مخالفین مقابلے کے فن میں زیادہ سمجھدار ہوں۔ فنون حرب سے واقف ہوں اور مسلمان برعکس تو پھر کیسے فتح کی توقع کرسکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ اے ایمان والو خرچ کرو جو ہم نے تمھیں دیا ہے۔ قبل اس کے

کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے نہ دوستی اور سفارش کام آسکے خرچ کرنا وہی اپنی حاجات سے علاوہ اور بہ ترتیب حقداروں اور محتاجوں کو دینا مراد ہے ان کو محروم کرکے اگر کوئی مال و دولت صرف اپنی ذات کیلئے جمع کرتا ہے تو آخر حسرت میں جلتا ہوگا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ - قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ - دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں البتہ ہدایت گمراہی سے جدا ہو کر تمیز پا چکی ہے۔ جب صاف صاف طریقۂ راستی و نجات ظاہر کر دیا جائے اور پھر بھی کوئی نہ مانے تو اسے مجبور کرنے سے کیا فائدہ ، اگر ظاہری قدرت بھی ہو تو وہ بھی ظاہرہ اطاعت کریگا اور موقع پا کر مخالفت کریگا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا - خدا کسی شخص کو اس کے بس اور اندازے سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جتنا کسی کو دیا گیا ہو اسی کے مطابق وہ خرچ کرے۔ جتنی اس کی جسمانی یا دماغی قوت ہو اسی کے موافق وہ کام کرے ورنہ اخلاص اور بیباکی کا سامنا ہوگا۔

دنیا کی زندگی کو فرمایا کہ زینت، تفاخر اور اموال و اولاد میں تکاثر ہے جو بادل کی طرح ہے جس کی بارش سے نباتات اگتی اور کھیتی والوں کو خوش و خرم بناتی ہے۔ پھر وہ ہری بھری ہو کر زرد اور آخر خشک ہو جاتی ہے۔ پھر زینت کی بابت فرمایا کہ کیا ہے ؟ عورتوں، بیٹوں سونے اور چاندی کے ڈھیروں کے ڈھیر

لگے ہوئے ساز و سامان والے گھوڑے اور مواشی اور کھیتی کی خواہش اور محبت اگر کسی کے پاس یہ اشیاء ہوں تو اس کے لئے ان سے بھی بہتر تقوے ہے جس کے معنے یاد رکھنے کے قابل ہیں جو بتائے گئے کہ ظاہری و باطنی قوا و حواس کو صحیح مصارف میں لانا ورنہ خدا باز پرس کرے گا۔ اگر کسی کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں تو وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حسد یا حسرت سے دوسرے ثروت والوں کی طرف نہ دیکھے کیونکہ یہ مال و متاع فی الحقیقت تقوے کے بغیر بذات خود عذاب ہے جس کے سنبھالنے میں اس کے مالکوں کو بڑی زحمت اٹھانی پڑتی ہے اور آخر دفعۃً ہی اسے چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس کے کمانے اور بڑھانیکی کوشش بے جا نہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔ کہدو کہ کس نے حرام کیا زینت کو جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے۔ اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ خدا کے نزدیک دین اسلام ہے۔ ایمان اس کے احکام اور قواعد کو ماننا اور اسلام ان پر دل سے ہمہ تن عمل کرنا ورنہ ہر کوئی آسمانوں اور زمین میں چاروناچار اسی کا مطیع ہے

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ

اور خدا سے ڈرو جس کے ذریعے سے مسئلت کرتے ہو اور رشتہ داروں سے ڈرو ان کا لحاظ رکھو اور ان کے معاملات میں ڈرتے ڈرتے عمل کرو تاکہ ان کے حقوق پورے ادا ہوں۔ کسی طرح ان کی حق تلفی نہ ہو اور وہ خفا ہونے میں حق بجانب نہ ہوں۔ مَوَدَّةٌ فِی الْقُرْبٰی۔ بڑی نعمت ہے ان میں محبت بہر حال ہونی چاہیئے اور یہ مبنی ہے اچھے سلوک پر جس میں ہر وقت صبر و درگذر کا دخل ہو۔ حدیث ہے کہ اگر ایک رشتہ دار دوسرے کی نامہربانی پر بھی اس کے ساتھ مہربانی کرتا ہے تو خدا اس کے ساتھ ہے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ طبعی ہے کہ ایمان اور کفر میں موافقت نہ ہو۔ قانون کے پیرو اور اس سے منحرف اکٹھے نہیں ہوتے۔ شکرگذار اور کفران نعمت والوں میں دوری ہوتی ہے۔ باوجود اس کے اگر ان دو نو گروہوں میں دوستی ہو جائے تو ایمان والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ طرف ثانی سے ڈرتے رہیں اور ایسی صورت میں تو ان کے ساتھ اتحاد ہی نہ کریں۔ جب اس میں مومنوں کے ایک فریق کے ساتھ دشمنی متصور ہو اور اگر مل جل کر رہیں تو خبرداری سے ان کے مکر و حیلے سے بچتے رہیں۔ کافروں کے ساتھ اتفاق کی شرط ہے۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ان کے ساتھ دوستی جس میں مومنوں پر ترجیح ہو خدا کے ساتھ قطع تعلق ہے

مگر تدبیر سے ان کے ساتھ میل جول روا ہے۔ تقویٰ نہ صرف خدا کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے بلکہ رشتہ داروں اور کافروں کے ساتھ بھی ضروری ہے۔ ان کا لحاظ چاہیئے تاکہ وہ بیزار نہ ہو جائیں۔ اگر منکروں کی مراعات نہ کی جائے تو وہ براہ راست کس طرح لائے جا سکتے ہیں۔ جب دین میں جبر و اکراہ نہیں تو انکو رضامندی سے ہی ہدایت کی جا سکتی ہے اور اگر ان کے ساتھ راہ و رسم نہ ہو تو وہ کیسے سچی بات سن سکتے ہیں۔ حسن سلوک کی مثال ہی زیادہ مؤثر ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان کافروں سے نفرت کرتے رہیں تو وہ ہدایت پانے کے لئے نزدیک ہی نہیں آئینگے۔ اگر پہلے مسلمانوں کا یہ وتیرہ ہوتا تو ان کی تعداد کس طرح بڑھتی اور دوسرے مذاہب کے پیرو کس طرح فوج فوج ان کے ساتھ آملتے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ تم ہرگز خوبی کو حاصل نہیں کرو گے جب تک وہ خرچ نہیں کرو گے جسے تم پسند کرتے ہو۔ مال و جان دو نو عزیز ہیں۔ جب تک روپیہ نہ لگایا جائے تجارت میں ترقی نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک محنت و مشقت نہ کی جائے عزت و مرتبت کا حصول بھی محال ہے

بقدر الکد تکتسب المعالی + ومن طلب العلیٰ سہر اللیالی

زحمت و رنج کے اندازے پر تم بلند درجات کا اکتساب کرتے ہو۔ جو مرتبہ عالی کی خواہش کرے راتوں کو جاگے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور چاہیئے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی دعوت دے اور پسندیدہ امور کی ہدایت کرے اور ناشائستہ کاموں سے روکے۔ یہی کامیاب لوگ ہیں مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت لازم ہے جو صرف انھی فرائض کو ادا کرے اگرچہ عام مسلمانوں کی بابت بھی کہا گیا ہے کہ وہ سب کے سب ہی ان امور کے لئے مخصوص ہو کر بہترین امت بنائے گئے ہیں۔ بلکہ دوسری کتابوں والوں کی نسبت بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ ان کاموں کو سرانجام دیں تو صالح ہیں اور بے اجر نہیں رہیں گے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۝

یہ خدا کی رحمت ہے کہ ان کے لئے نرم ہوئے اور اگر تم سخت مزاج اور سنگدل ہوتے تو وہ تمہارے گرد سے بکھر جاتے پس تم ان سے درگذر کرو اور ان کے لئے معافی چاہو اور کام میں ان سے مشورہ کیا کرو۔ پس جب ارادہ کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو وہ بھروسہ رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن

يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ

مت گمان کرو ایسے لوگوں کو جو اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔ پس خیال مت کرو کہ یہ عذاب سے بچ جائینگے۔ اپنے کئے پر اترانا اچھا نہیں اور جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کی خواہش اور بری۔ ایسے لوگوں کی قلعی کھل جاتی ہے اور وہ معزز نہیں ہوتے بلکہ دکھ پاتے ہیں۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ـ

کافر قوم منکر لوگ اور ناشکرے اگرچہ دنیا میں تصرف و غلبہ پیدا کرلیں تو اس سے دھوکے میں مت آؤ۔ آخر وہ سرنگوں ہونگے اور ان کے وارث ہونگے خدا کے نیک بندے وَلَذَرْهُنَّ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ٥

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں وہ تھوڑا ہو یا بہت یہ حصہ مقرر کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ صرف اپنے

پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝

اے ایمان والو ناحق ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ مگر یہ کہ آپس میں رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔ حرص سے دوسرے کا مال کھانا آخر ہلاکت لائے گا۔ اور تجارت وغیرہ میں مصروف ہو کر بے ایمانی کرنا بھی بربادی کا موجب ہوگا۔ اور اگر دنیاوی کاروبار میں حد سے زیادہ محنت ومشقت کی جائے اور دوسرے فرائض کو پس پشت ڈال دیا جائے تو یہ بھی انجام کار خسارہ اور تباہی ہوگی۔ کیوں یہ خودکشی کی جائے جب خدا تعالیٰ تم پر رحیم وکریم ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ اور مت تمنا کرو اس کی جس سے خدا نے تم میں سے بعض کو دوسروں پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو وہ کمائیں اور خدا سے اسکے فضل ورحمت کی

درخواست کرو وہ ہر چیز کو پورا جاننے والا ہے۔ ثروت عزت صحت وغیرہ جس میں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو۔ خدا کی مہربانی سے عطا شدہ چیزیں ہیں پس ان پر حسرت و حسد نہیں چاہئے خواہ مرد ہو یا عورت اس کے عمل کے مطابق اس کی سعی و محنت کے انداز سے سے اسے محنت ملیگی پھر محض آرزو و رشک سے کیا فائدہ۔ بجائے اس کے کوشش و زحمت سے کام لیا جائے اور خدا کی طرف سے مرحمت کی امید رکھی جائے وہ جب ہر چیز کو جانتا ہے تو اپنی مہربانی سے رنج کے بعد گنج اور دکھ کے بعد سکھ عنایت کریگا۔ یہ اس کا قاعدہ ہے۔

جن لوگوں پر احسان کرنیکی ہدایت ہے وہ یہ ہیں:۔ والدین۔ قرابت والے۔ یتیم۔ مسکین رشتہ دار پڑوسی۔ اجنبی پڑوسی۔ ہمنشین دوست۔ مسافر۔ غلام۔ نوکر۔ بخل کی ممانعت ہے۔ ریا برا ہے۔ اگر یہ احسان ذرا کیلئے کیا جاتا تو وہ دہ چند اجر دیگا اور ذرہ بھر نیکی ضائع نہیں کریگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ

خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ دو۔ ایک تو شخصی امانتیں ہیں جنکا ادا کرنا فرض ہے دوسرا ملکی امانتیں ہیں جیسے مالیہ و محصول۔ سو انکو بھی رعیت کی بہبودی میں صرف کرنا لازم ہے۔ اسی طرح آپس میں جھگڑے ان کا فیصلہ شخصی بھی ہے اور حکومت کی طرف سے بھی سو دونو کو عدل کرنیکا حکم دیا گیا +

قابلِ مطالعہ کتابیں

الفبار اردو: یہ قاعدہ بہت آسان اور نہایت دلچسپ ہے۔ مدرسۃ البنات میں پڑھایا جاتا ہے۔ بچہ اسکو تین ماہ میں ختم کرکے ہر قسم کی اردو عبارت بآسانی پڑھ سکتا ہے۔ قیمت ۲ر۔

سیر دلبراں: یہ نفیس کتاب مندرجہ ذیل نایاب مضامین کا مجموعہ ہے (۱) دعوت و تبشیر۔ اس کتاب میں ایک نیم فرانسیسی وکیل البرٹ اور اسکی فرانسیسی خاتون کے مشرف باسلام ہونے اور اشاعت اسلام کرنے کا ذکر ہے۔ (۲) انگلستان میں اسلام پر آدھی صدی۔ یہ شیخ الاسلام عبداللہ کولیم انگلستان کے پہلے نومسلم کے لیکچر کا ترجمہ ہے جس میں انھوں نے اپنے مشرف باسلام ہونے اور انگلستان میں تبلیغ اسلام کرنے کا مفصل ذکر کیا ہے۔ (۳) ابو محجن الثقفی۔ قرون اولیٰ کے نامور شہسوار کا کارنامہ نفس اسلام کی قوت و عظمت کا بے نظیر نقشہ۔ (۴) تیغِ زبان اور زبانِ تیغ کے جوہر۔ یہ دو قصے ہیں۔ قیمت ۴ر۔

منیجر کتب خانہ انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر پنجاب

قابل مطالعہ کتابیں

ترجمان القرآن: پارہ اول و دوم و سوم و چہارم چھوٹی تقطیع ۲۲×۱۸/۸ کتابت طباعت کاغذ اعلیٰ۔ قیمت فی پارہ ۸ر
تیسواں پارہ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ ۔قیمت ۸ر۔ انتیسواں پارہ زیر طبع ہے۔

تفاسیر: مندرجہ ذیل تفسیریں حضرت العلامہ مولانا ابوتراب محمد نورالحق علوی پروفیسر السنہ شرقیہ اورینٹل کالج لاہور کی تصنیفات میں سے ہیں۔ علامہ ممدوح نے ان تینوں کتابوں میں کتاب اللہ کے اصول و قواعد اور حقائق و معارف کو اس خوبی کے ساتھ "بحر در کوزہ" کر دیا ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد پورے قرآن شریف کے تدبر کی راہ بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ یہ تفسیریں علماء و طالبین خصوصاً ایجوکیٹڈ طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہیں

نورالحق فی تفسیر سورۃ العلق معہ ضمیمہ بارقۃ الحق قیمت ۲ر۔ الناموس المفصل فی تفسیر سورۃ المزمل قیمت ۸ر۔ فتح المقتدر فی تفسیر سورۃ المدثر قیمت ۱۱ر

ملنے کا پتہ

مینیجر کتب خانہ انجمن اشاعت اسلام جالندھر شہر پنجاب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام اسلام

جالندھر شہر

چندہ سالانہ: تین روپے۔ امراء و رؤساء سے:۔ پانچ روپے

فہرست مضامین

نمبر ۲	اگست ۱۹۳۴ء - ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ	جلد ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرار و حقائق

(از مُلا رموزی)

ذیل کا مضمون میں نے اخبار "خلافت بمبئی" کے لئے لکھا تھا جو اس کی اشاعت مورخہ ۲۴ جون ۱۹۳۳ء میں شائع ہو چکا۔ لیکن اشاعت کے بعد ہی مجھے میرے متعدد دوستوں نے مجبور کیا کہ مضمون چونکہ حقائق سے لبریز ہے اس لئے اس کی جتنی زیادہ اشاعت ہو نسبتاً سبق آموز ہے۔ ادھر خود میری رائے میں یہ مضمون "پیام اسلام" کے مقاصد کے عین موافق ہے اس لئے اخبار مذکور سے نقل کیا جاتا ہے۔



گرم تر ممالک کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ ان کے باشندوں میں عقل و عمل کی قوتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ پھر اگر ایسے ممالک کے باشندے غلامی اور مانحتی کے عذاب میں مبتلا کر دئے جائیں تو سمجھ لیجئے کہ اب ان میں عقل و عمل کی ہڑتال ہو چکی۔ یہی ہے کہ ہندوستانی بہن بھائی خرافات، لغویات، واہیات اور مہملیات سے زیادہ قریب اور "عقلیات" سے کوسوں دور نظر آئیں گے۔ اس غلامانہ بے عقلی کی پہلی پہچان یہ ہے کہ ایک چیز کی قباحت اور برائی کو جان لینے کے بعد بھی اس کے ترک پر قادر نہیں آتے۔



مثلت مثلاً مسلمانانِ ہند جانتے ہیں کہ مساجد کی تعمیر کا کیا مطلب ہے؟ وہ جانتے ہیں کہ ان مقدس و محترم مخصوص عمارتوں میں چند فرائض و وظائف کی بجا آوری کے سوا کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں۔ مگر ہندوستان میں اگر مساجد کی "مردم شماری" ہو سکے تو معلوم ہوگا کہ تقریباً پچیس فیصدی مساجد ایسی ہیں جو خاکم بدہن مسلمان یار لوگوں کے لئے "گپ خانہ"، "تفریح گاہ" اور "سرائے" کا کام دے رہی ہیں۔ کوئی ہے جو مسجد کے حوض سے اس لئے دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے کہ حوض کے پانی سے گھنٹوں بیٹھا ٹھنڈک حاصل کرتا رہے اور حوض کی سرخ و زرد مچھلیوں سے نظروں کو تازگی بہم پہنچاتا رہے، کوئی ہے جو مسجد کی برقی روشنی کی رنگین اور نظر نواز فضا سے دل و دماغ کو شبابت پہنچانے کے لئے مسجد میں ڈٹا ہوا ہے۔ کوئی ہے جو مسجد کے ٹھنڈے فرش پر لیٹا ہوا جسم کو تازگی پہنچا رہا ہے اور فرش کی ٹھنڈک پہ بار بار سبحان اللہ کہہ کر کروٹیں بدل رہا ہے۔ کوئی ہے جو مسجد کے باغ کے سبزہ و گل سے دل لگائے مسجد کو آباد رکھنے کے بہانے سے اسے تفریح گاہ بنائے ہوئے ہے۔



کوئی ہے جو مسجد کی رونقوں کے بیچ میں بیٹھا لمبے لمبے وظیفوں کے نام سے مستانہ وار جھوم رہا ہے، کوئی ہے جس پر گھر کی نیند حرام ہو چکی ہے اور وہ ایک گھنٹہ قبل ہی مسجد میں آکر کھانس رہا ہے اور نصف نصف گھنٹے کے استنجے میں وقت برباد کر رہا ہے۔ حد ہو گئی کہ بعض مساجد میں باضابطہ سونے، رہنے اور کھانے پینے تک کے انتظامات مکمل ہیں اور آخری مصیبت یہ کہ یہ سب کچھ مسجد کی خدمت اور عبادت کے نام سے کیا جاتا ہے اور صرف ایسی ہی مساجد میں کیا جاتا ہے جن میں خوبصورت حوض ہیں، برقی پنکھے ہیں، رنگین بافات ہیں اور نظر پرور جانمازیں لیکن اگر ان مشاغل کا نام عبادت ہے تو کیوں نہیں ایسے نفس پرست ویران اور بے رونق مساجد میں نظر آتے؟

یہ ہیں وہ مسلمان جو ہر ذکار پر تین مرتبہ الحمد للہ اور ہر جمائی پر پانچ مرتبہ لاحول ولا پڑھنے کے لئے باقی رہ گئے ہیں اور ان کی گاڑھی کمائی سے ٹیکس وصول کرتا ہے انگریز جس سے پلاؤ اور قورمے اڑاتا ہے، پھر روتے پھرتے ہیں کہ مسلمان ہر جگہ کیوں ذلیل ہے؟

اب مساجد کی اس کھلی ہوئی بے حرمتی کا سبب یہ ہے کہ محترم علما، مشائخ، لیڈروں، حکام اور امرا نے مساجد میں آنا ترک کر دیا ہے۔ اس لئے جاہل اور دین کے نازک مسائل سے بے خبر مسلمان مساجد کو اس طرح تفریح گاہیں بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر علما و اصحاب علم و واقفیت فریضۂ نماز ادا کرنے پابندی سے پانچ وقت آتے تو وہ ان حمقا کی اس مسجد پرستی کو مٹا کر انھیں خدا پرستی کی صحیح روشنی دکھاتے۔ لیکن علما نے مساجد کو چھوڑ دیا ہے کہ ان کی نماز بھی "عالمانہ" ہی ہوتی ہے، مشائخ کی نماز "خانقاہ" میں فرض ہوئی ہے۔ لیڈروں کو سیاسی کاموں سے نماز کی فرصت نہیں اور امرا کو نماز سے زیادہ یورپ ڈریس سے تعلق ہے، پھر مساجد میں جاہل اور علوم دین سے بے خبر لوگ ان اعمال کے مرتکب نہوں تو کون ہو؟

اب سیاست ایسے کارے پانی پہنچا دینے والے معاملات سے ڈرنے اور بدنام ہونے والے مسلمان اتنا بھی نہ کریں کہ مساجد کو ان یکسر جاہلانہ اعمال و آثار سے پاک کردیں؟

مگر وہ جو اوپر کہا ہے کہ ہندوستانی مسلمان کی صفت ہی یہ ہے کہ ہر معقول بات کو سن بھی لے اور سمجھ بھی لے مگر عمل نہ کرے لہٰذا دیکھ لینا کہ مساجد میں انھی جاہلوں کی مذہبی نام کی انگڑائیاں نظر آئینگی اور چند زاہدان خشک و واعظین بے روح زیادہ حد صبر و جبر خورد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام۔

مسلمانان ہند جب تک ایک مرکز و جامعہ کے تابع نہیں۔ ان کا ایک سردار اور ایک امیر نہو جس کے احکام کی خلاف ورزی

پر مسلمانوں کو اخلاقی مقاطعہ کی سزا دی جائے اس وقت تک مسلمانوں میں اصلاح کی لاکھوں تحریکات ہوں گی مگر بے سود اور بے نتیجہ البتہ بعض ایسی ضروریات ہیں جن کے لئے اگر مسلمان چاہیں تو وہ حکومت سے قوانین بھی نافذ کرا سکتے ہیں اگر ہندوستان کی مجالس قانون ساز میں جانے سے پہلے تو رکن مجلس رائے دہندوں کا تابع فرمان اور غلام رہتا ہے لیکن جہاں وہ مجلس قانون ساز کا رکن نامزد ہوا کہ پھر مختار مطلق۔ الا ماشاء اللہ اس کے رائے دہندوں کی ضروریات کچھ ہوں اسے تو جو خود سوجھتا ہے وہ حکومت سے عرض کرتا ہے اور اوپر سے اس عرض سے بھی ڈرتا ہے ورنہ قانون سارداؔ کی طرح کے بے شمار قوانین ہوتے جو مسلمان اراکین مسلمانوں کی داخلی اور اخلاقی اصلاح کی خاطر منظور کرا لیتے کیونکہ مسلمان عذاب آخرت سے زیادہ پولیس سے ڈرتا ہے۔



پس اندرونی زندگی اور اجتماعی مسائل میں مسلمانوں میں شادی بیاہ کے موقع پر "مہر" اور "جہیز" ہزاروں خاندانوں کی تباہی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اور گوان رسوم کے لئے بے شمار تحریکات بھی ظہور پذیر ہوئیں مگر چونکہ یہ سب کچھ بغیر پولیس کی امداد کے ہوتا رہا۔ اس لئے نتیجے میں بجز خاک کے اور کچھ نہیں۔ مہر میں روپیہ کی تعداد ہزاروں سے لیکر لاکھوں تک باندھ دینا۔ اسی طرح جہیز میں اپنی حیثیت سے کہیں سوا دینے کی رسم سے خاندانوں سے سوا لڑکے اور لڑکی کے حق میں مصیبت خیز و مصیبت اندوز ہے۔ پھر اگر کہیں اس موقع پر خاندان میں کچھ آڑے ترچھے بزرگ بھی ہوں تب تو تباہی اور رسوائی ہر آن موجود ہے۔



یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر ایک اور بلا ہے جو جاہل مسلمانوں میں خاندانی نفاق مقدمہ بازی، مارپیٹ اور رسوائی کا سبب بنی ہوئی ہے اور لڑکی کے مرجانے کے بعد وارثوں کا مہر کے لئے مقدمہ چلانا اور جہیز کا سامان شوہر سے واپس لینا، اس لعنت نے مسلمانوں کی رہی سہی آبرو بھی خاک میں ملا رکھی ہے۔ چنانچہ لڑکی بیاہتے وقت وارثوں کا جذبہ یہ نہیں ہوتا کہ اسے جہیز کے نام سے جو کچھ دیا جا رہا ہے اسے مرنے کے بعد واپس بھی لیا جائے گا۔ لیکن اگر شوہر سسرال کا غلام نہ رہا یا لڑکی کی نالائقیوں سے غصہ ہو کر اپنی لڑکی سے سختی برتا گیا اور اس سلسلہ کے اندر ہی لڑکی اِنّا للّٰہ ہو گئی تو اس کے شوہر سے سسرالی انتقام اسی طرح لیا جاتا ہے کہ رکھ دیجئے لڑکی کا سوالی مہر اور دھر دیجئے لڑکی کے جہیز کے برتن اور زیور۔ اس مطالبہ کی ابتدا تو تو۔ میں میں۔ سے ہو کر مقدمہ بازی اور مارپیٹ پر ختم ہوتی ہے اور سب سے آخری خوبصورتی یہ کہ ان خیالات کو خودداری، غیرت، اور عزت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا بلکہ "حق" کہا جاتا ہے۔



اسی سلسلہ سے ایک بلا اور ہے جس کا نام "وصیت" ہے۔ اس کی شرعی حیثیت سے قطع نظر صرف اتنا معلوم کر لیجئے کہ جاہلوں اور علوم دین سے یکسر بے خبر مسلمانوں میں لفظ "وصیت" بھی سو مصیبتوں کی ایک مصیبت بنا ہوا ہے۔

مثلاً مرنے والا یا مرنے والی بھی جاہل ہوتا ہے اور سننے والے اور وصیت پوری کرنے والے بھی جب جاہل ہوں تو وصیت کے جیسے جیسے جاہلانہ نمونے سامنے آتے ہیں، دیکھئے اور مارے وحشت کے جنگل میں بھاگ جائیے۔ مثلاً مرنے والے یا مرنے والی نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد پندرہ دن میری قبر پر چراغ جلانا۔ تو اب چاہے زمین آسمان ایک ہو جائے لیکن پسماندے ہیں چراغ جلا رہے ہیں۔ مثلاً مرنے والی بیوی نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد میرے بچوں کو میرے شوہر سے چھین لینا تو اب باپ بھائی چاہے جیل خانے چلے جائیں لیکن جب تک وہ شوہر سے بچے نہ چھین لیں، نہ محلے والوں کی سنتے، نہ عالموں کی۔ مثلاً مرنے والی بیوی نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد میرے شوہر سے میرے جہیز کا تمام سامان چھین لینا۔ تو اب باپ بھائی ہیں کہ شوہر کے گھر میں نقب لگا کر جہیز لے بھاگنے سے بھی نہیں چوکتے۔ مثلاً شوہر نے وصیت کی کہ میرے بعد نئے بیوی تو دوسرا نکاح نہ فرمانا، تو اب بیوی کے سر پر لاکھوں مصیبتیں آئیں مگر بیوی صاحبہ ہیں کہ بے نکاح ہی عاقبت بخیر کرانے پر تلی ہوئی ہیں۔ القصہ وصیت کی بے شمار لعنتیں ہیں جن میں لاکھوں انسان تباہی اور رسوائی میں مبتلا ہیں مگر کوئی نہیں ہے جو ایسے گنواروں کو پکڑ کر علما کے پاس لے جائے اور انھیں وصیت کی شرعی حیثیت سے واقف کرے۔

کاش! اراکین مجالس قانون ساز مسلمانوں کی ان اخلاقی اور داخلی ضروریات اور حماقتوں کے لئے قوانین وضع و نافذ کرانے پر ملتفت ہوں، اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ خود مسلمان ان اراکین کو ان حالات پر متوجہ کریں۔ اگر وہ انکار کریں تو پھر ذرا علامہ موذی کو ایک کارڈ پر ان کا نام انکار کا سبب لکھ کر تماشہ دیکھئے!



مجالس قانون ساز کے اراکین کی نہیں بلکہ اخبارات اور رائے دہندگان کی غفلت کا نتیجہ ہے جو اراکین مجالس مذکورہ قوم کی ان اہم بربادیوں کے انسداد پر متوجہ نہیں ہوتے حالانکہ انھوں نے دیکھا کہ ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے کم سنی کی شادی چونکہ ایک جماعتی بربادی تھی۔ لہٰذا ایک ہی رکن مجلس اٹھا اور اس نے جوں ہی کہ اس کے خلاف ایک مسودہ قانون پیش کیا تمام ہندوؤں کی تائید اسے حاصل ہو گئی یہاں تک کہ مسلمان بھائی بھی اس کی مخالفت کا اہتمام نہ کر سکے۔

مگر مسلمانوں میں اس سے بھی اہم نقصان رساں بلکہ رسوا کن اور برباد کن و بامکار، عیار اور بدکار پیروں، صوفیوں، مولویوں اور عالموں کی پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن نہ اخبارات ایسے قانون کی تحریک کرتے نہ رائے دہندے اپنے اپنے رکن مجلس قانون ساز کو مجبور کرتے اور یوں کہنے کو ہر مسلمان صاحب ایسے حوادث سے بہت زیادہ تاؤ میں آتے ہیں۔

آہ! کسی قوم کے بےعمل ہونے کے کبھی کبھی یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ ساتھ ہی اس کی حیا و حمیت بھی مضمحل ہو چکی۔ درج ذیل کے حالات پڑھ کر آپ ہی بتائیے کہ کیا خموش ہو کر رہ جانا چاہئے۔



چنانچہ اخبار "انقلاب لاہور" مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۳۴ء لکھتا ہے کہ

"فصل ربیع کی کٹائی کے موقع پر پنجاب کے دیہات میں ایک خاص قسم کے واعظ اور مولوی کثرت سے دورہ کرتے ہیں۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے مقرر کردہ مرد اور عورتیں ان کی پیشگی تعریفیں کرتی ہیں۔"

"ان حضرات کے وعظ سننے کے لئے عورتوں کو بڑے اہتمام سے جمع کیا جاتا ہے۔ عام معشوقوں کی طرح (حضور رسول پاک ؐ) کے لئے پنجابی عورتوں کے سامنے تڑپا دینے والے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور یکسر غلط اور بے سرو پا وعظ کا تو اندازہ ہی نہیں۔"

غرض تو ہے پیر صاحب، مولوی صاحب اور عورت سے سو مذکورہ موقع پر قوم کے یہ تینوں ارکان موجود ہیں۔ غیرت ہو تو چاہئے پنجاب کے دیہات میں اور انتظام کیجئے ورنہ نصف آہ کھینچ کر پھر مصروف عیش و غفلت ہو جائیے کہ زوال یافتہ قوم کے افراد کی یہی پہچان ہے۔



۲۷ مئی ۱۹۳۴ء کے اخبار "انقلاب لاہور" میں ناگاہ ایک "مسماۃ قسم کے پیر صاحب" کے حالات تفصیل کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ

"ضلع علیگڑھ کے ایک گاؤں سوفا کھیڑا میں ایک بڑھیا پیدا ہوئی ہے جس کا نام "حسینہ" اور لقب "مائی جی" ہے دہلی کے اخباروں کا بیان ہے کہ وہاں تقریباً ہر گھر میں مائی جی کا چرچا ہے اور روزانہ ہزاروں آدمی اس عورت کے گاؤں پہنچتے ہیں۔ مائی جی اپنے ہر عقیدت مند زائرے پانچ پیسے کے بتاشے وصول کرتی ہیں جو روزانہ چار من کے قریب ہو جاتے ہیں جو روزانہ تقسیم ہو کر پھر دکانداروں کو فروخت کر دئے جاتے ہیں۔ مائی جی کی اصل آمدنی علیحدہ ہے۔ یعنی وہ بتاشے چاندی کے ہوتے ہیں جنھیں عرف عام میں روپیہ کہتے ہیں۔ آپ کی کرامت یہ ہے کہ آپ کانسے یا رانگ کے روپیہ پر دم کر دیتی ہیں اور اسے باندھ لینے سے تمام مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ یہ روپیہ اصل چاندی کے روپیہ کے بدل میں لیا جاتا ہے۔"

"اس کے ساتھ ہی مائی جی سلب امراض میں کمال کر دکھاتی ہیں (نتیجہ خاک نہو) خلاصہ یہ کہ آپ کا فتنہ اس درجہ بڑھا کہ دہلی کے مسلمان اشتہارات شائع کر کے لوگوں کو متنبہ کر رہے ہیں کہ وہ اس مائی جی کے پاس جا کر اپنا ایمان خراب نہ کریں وغیرہ"۔

دیکھیے مسلمانوں کے ضعف ایمانی کے حالات؟

جو مسلمان کہ خدا اور صرف خدا پر بھروسہ کرنے آئے تھے وہ ایک غیر ذمہ دار عورت کے ان نمایاں خلاف شرع واقعات کے غلام ہیں۔ اور یہ سب نتیجہ ہے الیسوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہ کرنے کا اور بس، ورنہ جس دن سے کہ مکار پیروں عاملوں

اور وظیفہ خطوں کے خلاف مسلمانوں نے کوئی قانون نافذ کرادیا۔ آپ دیکھ لیجئے کہ پھر ایسے پیر فقیر اور ولی دوا اور تبرک کیلئے بھی دستیاب نہو گئے



۴ مئی کے اخبار "انقلاب لاہور" نے اخبار "مدینہ بجنور" کے حوالے سے صوبۂ بہار کا ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے کہ "محفل سماع شباب پر تھی، ایک پیر طریقت کا دربار تھا، اللہ والے رنگیلے عرف مریدانِ باصفا پیر کے گرد شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہے تھے، کہ قوال نے پیلو کے مدھم سروں میں ع صابر پیا موری رنگ دے چندریا۔ کا حقیقت افروز نغمہ الاپنا شروع کیا، سارنگی اور طبلے کی تھاپ پر اہل حال نے "بکر کود" شروع کی۔ حضرت پیر صاحب قبلہ نے ایک ایک کو سینے سے لگا کر تشفی دینا شروع کیا ہی تھا کہ کسی نے ایک طرف سے چلا کر تین مرتبہ کہا ——

زلزلہ۔ زلزلہ۔ زلزلہ۔

اب کیا تھا سرمستانِ بادۂ معرفت کا سارا نشہ ایک منٹ میں اتر گیا۔ حضرت مرشد جو سر پر پاؤں رکھکر بھاگے تو مریدانِ باصفا پر جا پڑے اور مرید جان بچانے کی خاطر حضرت مرشد پر سے پھاند گئے۔ غرض ؎

تو تلے اور میں تھا اوپر فاعلاتن فاعلان"

دیکھا آپ نے اللہ کے خاص الخاص بندوں کا زلزلہ کے ڈر سے یہ پتلا حال؟ ایسوں کے ہاتھوں امت کی صلاح کی باگ ہے۔ فیا للعجب!



۱۵ جون ۱۹۳۲ء کے اخبار "ملاپ لاہور" کے صفحہ ۱۸ کالم ۲-۳ پر ذیل کا واقعہ موجود ہے:-

"مسٹر اے ایس رسٹی مجسٹریٹ دہلی نے ایک پیر صاحب کو زیر دفعہ ۴۲۰ تعزیرات ہند دھوکہ دہی کے الزام میں نو ماہ قید سخت کی سزا دی۔ پیر جی کا جرم یہ تھا کہ آپ نے اشتہاروں کے ذریعہ عوام کو یقین دلایا تھا کہ میں جادو کے ذریعہ امراض کا علاج کرتا ہوں۔ اس پر ایک تپ دق کا مریض آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے سونے کا زیور طلب کیا۔ وہ سونے کی بالیاں لایا۔ انھیں ایک مٹکے میں اس طرح رکھیں کہ بالیاں تو غائب کریں اور اس مٹکے میں آٹا ہی آٹا رہ گیا جسے ایک ہفتے تک دفن کرنے کو کہا گیا۔ جب اس عمل سے افاقہ نہوا تو دوسری مرتبہ پھر انگوٹھی طلب کی۔ غرض جب کسی طرح مریض کو شفا نہوئی تو اسکے تیمار دار نے مٹکے کو کھول کر دیکھا تو بالیاں اور انگوٹھی ندارد تھی۔

اس پر پولیس میں اطلاع دی اور جادوگر حکیم صاحب دھر لئے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اسی طرح کے آپ پر نصف درجن کے قریب یو۔ پی۔ میں مقدمات دائر ہیں۔"

یہ ہیں مسلمان عاملوں کے نمونے۔

اس سلسلے میں پہلی خطا جاہل اور ضعیف الاعتقاد پرست مسلمانوں کی ہے جو بے نصیب بے علم ہونے کے باعث ان بلاؤں میں گرفتار

رہتے ہیں اور دوسری خطاب ہے ان مسلمان انجمنوں کی جو اصلاح رسوم وغیرہ کے نام سے قائم ہیں مگران مشکلات اور مہالک کے انسداد کے لئے کوئی اہم اقدام نہیں کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اصولاً انجمن حمایت اسلام، ان حوادث کے انسداد کی سب سے زیادہ ذمہ دار ہے کیونکہ اس کا نام "حمایت اسلام" ہے حمایت تعلیم تو نہیں؟

فرزندان اسلام کا ترانۂ تبلیغ

(از خواجہ فیض محمد فیض لدھیانوی منشی فاضل)

قرآن کے احکام کی تحکیم کرینگے — شیطاں کی رسومات میں ترمیم کرینگے

باطل کی ہر آواز کو ٹھکرائیں گے لیکن — حق بات جو ہوگی اُسے تسلیم کرینگے

لہرائیں گے توحید کی تبلیغ کا پرچم — شیرازۂ اسلام کی تنظیم کرینگے

اس قوم کی تذلیل کا احساس ہو جس کو — ہم اس کے دلِ پاک کی تعظیم کرینگے

اخلاف کو سمجھائیں گے تہذیب کا مضموں — اسلاف کے اطوار کی تکریم کرینگے

ایقان کی، عرفان کی، وجدان کی دولت — دل کھول کے آفاق میں تقسیم کرینگے

اے فیض مذاہب کی کشاکش کو مٹا کر

ہم پیروئ دین براہیم کرینگے

اتحادِ عمل اور مسلم کا لائحہ عمل

(از جناب عبدالحمید صاحب کلیم یزدانی ایم پی آئی سابق مدیر مخزن)

یہ مقالہ جناب عبدالحمید کلیم یزدانی ایم۔پی۔آئی (ماہر تبلیغ، سابق مدیر "مخزن") کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ کافی غور وفکر کے بعد لکھا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ملت کے سامنے جو لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔ واقعی معقول اور اس نازک دور میں ملت سے فوری عمل کی اپیل کرتا ہے۔ اس میں ملت کی مشکلات کا صحیح حل پیش کر دیا گیا ہے۔ اب ملت کا فرض ہے کہ وہ اس لائحہ عمل پر گامزن ہو جائے۔

اس اہم آواز کو ملت کے ہر فرد تک پہنچانے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی پریس اور جرائد و رسائل کے نمایاں صفحات پر یہ مقالہ شائع ہو جائے۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی جرائد کے مدیر بہت جلدی کسی قریبی اشاعت میں اس کو چھاپ دینگے۔

مولانا عبدالحمید کلیم یزدانی کے اکثر مضامین پیام اسلام میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

انجمن اشاعت اسلام ۔ جمعیت تبلیغ اسلام انبالہ، انجمن حمایت اسلام، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور جمعیت علماء ہند دہلی ارباب حل وعقد اس پر غور فرمائیں کہ اس لائحہ عمل کو ملت کیلئے قابلِ عمل بنانے کی پوری پوری کوشش کرینگے۔ (مدیر)

یہ مسئلہ کہ مسلم کی ضرب المثل شوکت وسطوت پر ذلت ومسکنت کیوں مسلط ہو گئی اسکے علل واسباب کیا ہیں۔ دنیا میں جتنی ملل واقوام آج کارزار حیات میں کامران وحکمران ہیں زبون حالی سے فارغ البال تب ہی ہوئی ہیں جب قوم کے مدبرین ومفکرین نے میدانِ ارتقا کی منازل طے کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کر کے قوم کو اس پر گامزن اور عمل پیرا کر دیا لیکن مسلم مدبرین اور علمائے کرام نے اس طرف بہت کم توجہ مبذول کی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر غور وفکر کیا ہوتا اور مسلم کے سامنے وہ لائحہ عمل پیش کیا ہوتا جو اسلام کا دستور العمل ہے تو غیر ممکن ہے کہ مسلم اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا اور دنیا میں حکمران وشادکام اور آخرت میں کامران وخوش انجام نہ ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ مشاہدات صریح طور پر اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ ملک ہند میں خدمت اسلام کے جوش و ولولہ اور مقصد عظیم کے پیش نظر کم وبیش پچیس تیس انجمنیں قائم ہوئیں جو امت مرحومہ کو قعرِ مذلت سے نکال کر ہم پایۂ ثریا بنا دینا چاہتی تھیں۔ لیکن کسی کی زندگی چند ایام میں ختم ہو گئی اور کوئی برس چھ ماہ کے اندر اندر دم توڑتی ہوئی نظر آئی۔ مدبرین وعلمائے کرم کی خاموشی و

بے حسی نے ان کی تباہی و بربادی پر عدم ضرورت کی مہر ثبت کر دی۔ دینی اور ملی جوش و خروش رکھنے والی سعید ارواح پر خاموشی۔ قنوط اور ہبوط عزم کا عالم طاری ہو گیا رفتہ رفتہ وہ ملت کا درد رکھنے والے انسان ملی مقاصد کو پس پشت ڈالے ملک کی موجودہ تہذیب اور مغرب کے ریاکار تمدن و سیاست کی رو کے ساتھ بہنے لگے اور روحانیت سے کنارہ کش ہو کر اخلاق تہذیب سوز اور تمدن کش مادیت سے اپنا دامن وابستہ کر لیا۔ اسلامی سیاسیات سے رشتہ توڑ کر مغربی سیاسیات سے رشتہ جوڑ لیا۔ جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔

حقائق کا اعلان اور حقیقت کا بیان کرنا ملت کے بعض افراد کے لئے کتنا ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو لیکن انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے مردانہ وار ان حقائق کا مطالعہ کریں۔ اس حقیقت سے آج کسے تابِ انکار ہے کہ مدبرین و مصلحین ملت۔ اور علمائے کرام و مفکرین اسلام کی ملت سے بے اعتنائی کے سبب ملک و ملت کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہو رہی ہے دلوں سے عزم و ارادہ اور دست و بازو سے قوت عمل مفلوج ہو کر مفقود ہو رہی ہے۔ علمائے کرام جن پر دین و ملت کی حیات اور باطل کی ممات منحصر تھی اگر متفقہ طور پر ملت کے سود و بہبود کے لئے ساعی ہو جاتے اور اپنے فرائض کو مد نظر رکھتے ہوئے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ احساس عمل اور قوت ارادی کو بیدار کر دیتے تو آج ملت کی زبوں حالی کے بجائے فارغ البالی ہوتی۔ آج اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا دم بھرنے والے کس منہ سے دعوے کر سکتے ہیں کہ ان کی جد و جہد نے ملک کے تمام طول و عرض کے کسی ایک مقام میں روح اسلام اور اسلامی شان پیدا کی۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے ملک و ملت کے نیم گمراہ تعلیم یافتہ طبقہ کے نوجوانوں اور تہذیب و ادب مغرب کے مذموم اثر سے ماؤف دماغوں کو موجودہ کوائف حالات کے پیش نظر اسلام کی کونسی مخصوص جاذبیت سے مرعوب کرنے کے سامان فراہم کئے اور اسلام کی کونسی فطری کشش سے اہل عالم کے لئے ترغیب کے وسائل بہم پہنچائے۔ مساوات و جمہوریت کے وسائل اخوت و حکومت یا زکوٰۃ کے فطری نظام اقتصاد سے تمام عالم میں پیدا ہونے والی فارغ البالی و خوشحالی کے ذرائع اگر ان ترغیبات سے انسان کی روح اسلام کی حقانیت میں جذب ہو سکتی ہے اور یقیناً ہو سکتی ہے تو ان کا وجود کشور ہند میں کہاں ہے کیا ان کی ہستی نیستی سے نہیں بدل چکی اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں مسلم کا وجود نابود نہیں ہو گیا۔ تاریخ مسلم کے شہرہ آفاق عالم سید سلیمان ندوی نے بجا طور پر اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ "ہم بظاہر مسلمان بنتے ہیں مگر اسلامی ایمان و یقین سے سر تا پا عاری اسلامی تعلیمات و ہدایات سے یکسر غافل اور اسلامی تمدن و معاشرت سے تمام تر خالی" مسلم کا طغرائے امتیاز دنیا میں خلافت اللہ اور قوانین فطرت رائج کرنا تھا مسلم پیک صلح و آشتی ہے۔ وہ امن کا علمبردار ہے۔ کیا علمائے کرام نے اپنے طرز عمل سے اپنے فرائض کو کما حقہٗ انجام دیا اور عوام کو ترغیب دی۔ اور اس دستور العمل خداوندی پر دنیا کو عامل ہونے کی دعوت دی جو فلاح دارین کا باعث ہے۔ کیا انھوں نے دنیا کے سامنے وہ عملی نمونہ پیش کیا جسے دیکھ کر سوشلزم اور

بالشوزم کے قائم کردہ نظام کے نقائص اور اسلام کے فطری نظام اقتصاد کی آسائش اہل عالم پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی۔

اس تلخ حقیقت کے بیان کرنے کے سوا چارہ ہی نہیں کہ نام نہاد علماء نے مساجد کے حجروں کے گوشۂ عافیت کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور "صوفیائے کرام" خانقاہوں میں سر چھپائے بیٹھے رہے۔ "مدبرین و رہنمایان ملت" نے ذاتی غرض و مفاد کیلئے ملت اور دین کے سود و بہبود کو نظر انداز کر دیا۔ اسکے ساتھ ہی ہم کو ملک کے معدود علمائے کرام اور چند رہنمایان ملت کی مساعی جمیلہ کا انکار نہیں اور ملت کے مقاصد جلیلہ کے لئے انکے جذبۂ ایثار کی دل سے قدر ہے لیکن ان کی جدوجہد نوجوانان ملت کے قلوب میں ایک ہنگامی اور وقتی جوش و خروش کے سوا دائمی اور سرمدی کیف و سرور سے فرزندانان اسلام کی ارواح کو سرشار و اثر پذیر نہ کر سکی

دراصل ملت ایک مرکز پر جمع ہو کر مستقبل کی استواری کے لئے کوئی تعمیری کام نہیں کرتی۔ عوام نے دین علمائے کرام کے سپرد کر دیا ہے۔ اور خود اس سے بے نیاز ہو گئے ہیں، اور علمائے کرام سیاست اور سیاسی امور عوام کو سونپ کر خود اس سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ عوام کو شاید معلوم نہ ہو کیا علمائے کرام بھی اس حقیقت سے بے خبر ہیں؟ کہ اسلام میں دین اور سیاست علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ مسلم کی سیاست اور دین لازم و ملزوم ہیں۔ دین سیاست کی ہم آہنگی کے بغیر بیکار اور سیاست دین کی ہمسازی کے بغیر دور از کار رہ جاتی ہے۔

دین کا مقصد اس دستور العمل اور اس عہد کی تجدید و تکمیل کا قول و قرار ہے جس کو وہ کارگاہ عالم میں کارزار حیات میں میدان جنگ و پیکار میں جان پر کھیل کر انجام دیتا ہے۔ مسلم نماز میں اس عہد کو پورا کرنے کا اقرار کرتا ہے اور میدان سیاست میں اسکو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ اسلامی سیاست کا نصب العین دنیا میں خلافت الٰہیہ قائم کرنا ہے اور مساوات و جمہوریت سے اہل عالم کو روشناس کر کے انسان کی قدر و منزلت سے ظالم و غاصب سرمایہ پرست اور استعمار دوست نام نہاد انسانوں کو آگاہ کر دینا خلافت الٰہیہ کا مقصد ہے۔ وہ نماز میں شانہ بشانہ اور زانو بزانو ہو کر مساوات اخوت اور جمہوریت کی تعلیم و تربیت پاتا ہے اور پھر جمہوریت کی اساس پر قصر خلافت الٰہیہ تعمیر کر کے نیابت الٰہی کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اب نماز اور دیگر عبادات کو مذہب کہ لیں یا دین اور خلافت الٰہیہ کے قائم کرنے کو حکومت کے نام سے موسوم کر لیں یا سیاست کہیں لیکن ان میں تفریق کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہیں۔

مسلم کو جبین نیاز درگاہ رب السموٰت والارض میں خم کرنے کے بعد دنیا میں سرفراز ہو جانے کا مژدہ اور حیات جاوید کی نوید ہے اسکے ساتھ عروۃ الوثقیٰ سے بھی مضبوط وعدہ ہے کہ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ الخ" اور پھر اسکے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا کہ الذین امنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ

فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ لا تبدیل لکلمت اللہ۔ اس حیات مستعار میں اسے جو خوشخبری دی گئی ہے۔ وہ خلافت کی ہے اور آخرت کی بشارت جنت الفردوس کی ہے۔ اگر وہ فرائض خلافت الٰہیہ کے تمام پہلوؤں کو زیر نظر رکھے گا تو یہ ناممکن ہے کہ خلافت کے استحکام کے ساتھ ساتھ نعمت کونین اور سعادت دارین سے لذت یاب نہ ہو۔ قانون الٰہی یہی ہے، فطرت کا تقاضا یہی ہے۔ مسلم کو یہ حکم ہے کہ وہ خلافت الٰہیہ کی مسند پر بیٹھ کر نسل وخون۔ زمان ومکان ذات ورنگ۔ دین و ملت کی قید کو نظر انداز کر دے اور تمام بنی نوع آدم کے ساتھ عدل و انصاف کرے استبداد و فساد کو نیست و نابود کر سکے امن و امان قائم کر دے۔ اور حکومت کے فرائض میں سے جس فرض کو انجام دینے کی قابلیت ولیاقت رعایا کے جس فرد میں ہو وہ فرض اسکے سپرد کر دے۔ جس عہدہ سے مسلم ہو یا عیسائی۔ یہودی ہو یا ہندو جو بطریق احسن عہدہ برآ ہو سکے وہ عہدہ اس کے حوالے کر دے۔ تجارتی امور میں صداقت۔ اکل حلال اور عدل کا خیال رکھے۔ رعایا کی معاشرت تہذیب و تمدن کی اور معابد کی حفاظت کرے۔ مصر و ایران ٹیونس واندلس۔ افغانستان و ہندوستان میں اسس نے خلافت الٰہیہ کی جو مسند بچھائی تھی اس کو اگر استحکام واستواری نصیب ہوئی تو یہ احکام خلافت کی پوری پوری پابندی کا نتیجہ تھی۔ تواریخ عالم مسلم کے بے نظیر عدل وانصاف کی شاہد ہے۔ اس کی تاریخ بنی نوع انسان کے لئے باعث فخر ہے۔ اسس کی قدر زندہ اقوام سے پوچھو۔ اسکے محرک روح انسانیت اثرات مغرب کے منصف اور مشرق کے غیر متعصب طبقہ کے چہروں پر دیکھو۔ جس کا مطالعہ ہی طمانیت قلب کا موجب ہو۔ اس سے اثر پذیر انسان میدان کارزار میں شجاعت ومردانگی کا ثبوت نہ دے گا؟ سفرِ مغرب میں ڈاکٹر اقبال کی ملاقات ایک ایسے شہزادے سے ہوئی جس نے ایک رقم خطیر تاریخ اسلامی کی کتب جمع کرنے پر صرف کر دی ہے اور اسس کا یہ شوق تاریخ اسلامی کے کسی نایاب ورق کے لئے اسقدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ اسکے حصول کے لئے بڑی سے بڑی رقم خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ڈاکٹر اقبال نے بصد حیرت واستعجاب اس سے تمام تواریخ عالم کو چھوڑ کر تاریخ اسلامی کی رغبت کی وجہ پوچھی تو اس نے چند الفاظ کہے اور اپنا مطلب اور خلاصہ بتا دیا۔ اس نے کہا کہ "اسلامی تاریخ نوجوان کو عورت[1] سے مرد بنا دیتی ہے۔" کہاں ہیں تہذیب وادب کے دعویدار وہ آئیں اور ہم سے بصیرت حاصل کریں۔ واقعات کی تفصیلات کی اس مقالہ میں گنجائش نہیں ورنہ وہ حقائق بھی ہیں جن کو پڑھ کر ایک لوٹ انسان جیسے انسان بلکہ جہاں ارتقا میں پہنچا ہے ضرور ان حقائق سے سبق حاصل کر سکتا ہے اگر کسی مقام پر اسلام کے کسی فرد سے بدعنوانی ہوئی تو اس نے یقیناً اصول اسلام سے سرتابی کی اور دنیا کو یہ اچھی طرح یاد ہے۔ اسلام چند سیدھے سادھے اصول کے مجموعہ کا نام ہے جو انسان ان کی پابندی کرتا ہے وہ مسلم ہے اور جو ان پر عمل نہیں کرتا وہ غیر مسلم وضع قطع۔ لباس کے

---

[1] تاریخ اسلامی میں عورت ذات کے ان کارنامے نمایاں کا ذکر ہے کہ جن کا مطالعہ انسان کو ورطۂ حیرت میں غرق کر دیتا ہے۔ ایران کے ایک میدان کی فتح کا سہرا جس سے مرد بہا پاہی ہو چکے تھے عورت ہی کے سر ہے وغیرہ

تراش خراش سے یا صرف مسلم کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے کوئی شخص مسلم نہیں کہلا سکتا۔ اسلام ان افراد کے افعال کا ذمہ دار نہیں وہ افعال انکے ذاتی کردار تھے اگر انھوں نے اپنے اعمال اسلام کے پردے میں چھپا کر انجام دیئے تو یقیناً انھوں نے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اسلام وہ ہے جو خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ انکے بعد خلافت کے امور میں چند ذاتی اغراض بھی شامل ہوگئیں۔ کم و بیش حضرت عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت تک یہی رو چلتی رہی لیکن آپس کی خانہ جنگی میں رعایا کے حقوق کو پامال نہیں کیا گیا۔ اس خلافت کے بعد شان امارت اور غرور تمکنت۔ آرائش و زیبائش بھی دخل پاتے گئے۔ اور روح خلافت رفتہ رفتہ مفلوج ہوتی گئی۔ موجودہ دور میں اس کا وجود ہی مفقود ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ مسلم کونسے لائحہ عمل پر گامزن ہو کہ پھر خلافت اللہ کی بنیاد پر اسلام کا قصر تعمیر کر سکے۔ سب سے پہلے مسلم کی زبوں حالی کی علت غائی معلوم کرنا چاہیئے۔ اس نقطہ نگاہ سے جب مسلم کو دیکھا جائے تو ہماری نظر اسکی عبادات پر جم کر رہ جاتی ہے۔ عبادات کی روح ہی غائب۔ امام کی فضیلت اور اس کا مقصد امامت ہی فوت۔ بظاہر امام بھی ہے اور مقتدی بھی لیکن امام اور مقتدی دونوں میدان عمل سے کوسوں دور۔ امام کا تعلق مقتدی سے اتنا عرصہ ہی رہتا ہے جتنی مدت نماز ادا ہوتی رہی۔ بس اسکے بعد ختم پھر تو کون اور میں کون

آج وہ زبوں حال اور ذلیل و خوار ہے تو صرف اس وجہ سے کہ وہ نماز میں جو قول و اقرار کرتا ہے اسے میدان حیات میں پورا نہیں کرتا۔ روزہ اور حج کی روح کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ دینے کا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا۔ روزہ صبر و تحمل کی عملی تعلیم دیتا ہے اور نماز جمعیت و تنظیم کی تربیت دیکر اس جمعیت کو حج کے فرائض ادا کرنے کے لئے ایک مرکز پر جمع کر دیتی ہے جہاں مسلم ایک ہی ہو جاتے ہیں تمام ملت ایک جسم کی شکل میں نظر آتی ہے لیکن اسکی بھی روح غائب۔ آج مسلم بتا سکتا ہے کہ ملت کا وہ کونسا مرکز ہے جہاں سے ایک آواز اٹھے اور تمام ملت کی آوازوں کی یکسانیت لئے ہوئے تمام کرۂ عالم میں گونج جائے۔ کیا اس کا کوئی ایسا بیت المال ہے جو مسلم کی تمام مالی ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ خلافت کے لوازمات یہی چیزیں ہیں۔ اور یہی ہم میں موجود نہیں۔ مسلمانو! آؤ ہم خدا کی رسی کو ملکر مضبوط ہاتھوں سے پکڑ لیں۔

مدبرین و مصلحین اسلام اور علمائے کرام خدا کا نام لیکر میدان عمل میں کود پڑیں۔ ہندوستان کے قریہ قریہ اور چپہ چپہ پر اسلامی شان رکھنے والے ادارے قائم کریں۔ درس و تدریس اور عمل کا جوش و خروش پیدا کریں۔

ملت اپنے نمائندے اسمبلی اور کونسل۔ گول میز کانفرنس اور کانگرس میں بھیجکر دیکھ چکی ہے اور انکے نتائج و عواقب سے بھی آگاہ ہو چکی ہے غلامی کی زنجیریں ملکی ہوں یا سنہری لوہے کی ہوں یا سونے کی وہ زنجیریں ہی ہیں۔

مسلم آزاد پیدا ہوا ہے وہ آزادی کی زندگی بسر کرتا ہوا جام شہادت نوش کر کے حیات جاوید حاصل کر لیتا ہے آج ملک میں مسلم لیگ مسلم کانفرنس وغیرہ جتنی انجمنیں ہیں ان کا مطمح نظر ملازمتوں اور اسمبلی میں نشستوں کے حصول کے سوا کچھ نہیں

لیکن مسلم کا مقصد حیات ملازمت اور اسمبلی نہیں مسلم کی ذات میں رحمۃ اللعالمین کی شان ودیعت کی گئی ہے۔ وہ ہر ظلم کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر دنیا میں دورِ راحت کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمام عالم کو دارالسلام بنانا چاہتا ہے سلامتی کا گھر تعمیر کرنا چاہتا ہے جس میں تمام بنی نوع آدم سلامتی کے اصول پر کاربند ہو کر امن کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ آؤ ہم زمانہ کی اس اضطراب آفریں رَو کو جو آندھی بنکر دنیا کو تباہ و برباد کر دینے پر تلی کھڑی ہے ختم کر دیں۔ آج مغرب کی خود غرض اور حرص و ہوس سے اندھی، قوام حرب و ضرب اور جنگ و پیکار کے ان تمام کیل کانٹوں سے لیس ہو چکی ہے جو امن عالم کو تباہ کر دیں لیکن اگر دنیا میں ربانی نظام پر شیطانی دست درازی تا قیامت غالب نہیں آسکتی۔ تو وہ اقوام ضرور منہ کے بل گریں گی۔ میری مسلم مدبرین سے التماس ہے کہ آؤ ہم اپنے فرائض انجام دیں اور تمام عالم کو خدا کا ایک ہی کنبہ بنا دیں اور دنیا کو بتا دیں کہ مسلم کسی محدود و ملت کسی خاص مذہب۔ کسی فرقہ کا نام نہیں۔ مسلم وہ ہے جو امن و امان کے اصول پر کاربند ہو کر سلامتی کے گھر میں زندگی بسر کرنے کے قابل اپنی زندگی کو بنالے۔ جو فطرت کے اصول اخلاق و تمدن کا پابند ہو کر آزادی کی زندگی بسر کرے۔

چونکہ انسان بتقاضائے فطرتِ انسانی ان اصول کی تدوین و احاطہ نہیں کر سکتا۔ خطا کا اس سے امکان ہے اور رہنمائی کے لئے عقل و فکر کافی نہیں ہو سکتے جب تک کسی علم کامل کی حامل ہستی سے اُسے تائید حاصل نہ ہو اور جب تک کامل و افضل ہستی سے فیض اور تحصیل علم و عمل نہ کرے تب تک انسان کے قوائے ذہنی مکمل نہیں ہو سکتے۔ کامل علم حاصل کئے بغیر وہ کامل انسان نہیں بن سکتا۔ از بس کہ اکملیت حاصل کئے بغیر انسان تمام بنی نوع آدم کے لئے اس ربع مسکون کو دارالسلام بنا کر خلافتِ الٰہیہ کی مسند نہیں بچھا سکتا۔ اس لئے کامل ہستی کی طرف رجوع ہر انسان کے لئے لازم ہے مسلم اس کامل و اکمل، افضل و اکرم ہستی کو اللہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے وہ آئین فطرت جن پر عمل پیرا ہو کر انسان انسانِ کامل بنتا ہے۔ اپنے بندوں کی وساطت سے جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اہل عالم کو بتلائے۔ آخر کار وہ تمام احکام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیل و بسط کے ساتھ قرآن شریف کی شکل میں مکمل کر کے تمام دنیا کو بتا دیئے اور اہل عالم کو باقی تمام انسانی عقلی موشگافیوں اور خطا کار فلسفوں سے بے نیاز کر دیا۔ بس ان اصول کی پابندی کا نام اسلام اور پابند ہونے والے کو مسلم کہا جاتا ہے۔

ان آئین فطرت کی دعوتِ عمل جو انسانیت کے لئے آیۂ رحمت اور بہائم صفت انسانوں کے لئے ننگِ اجل ہیں جو تمام بنی نوع آدم کے حقوقِ انسانیت محفوظ کر لینے کا ذریعہ ہیں۔ ان کا اعلان ہر ایک انسان کا بحیثیت انسان فرض نہیں؟ آئین کے ناشر کی جد و جہد اس دستور العمل کی ترویج و تجدید قابل ستائش نہیں۔

کیا ہم علمائے اسلام اور اشاعت اسلام کالج انجمن حمایت اسلام لاہور کے اساتذہ کرام اور طلبہ سے امید رکھیں کہ

وہ اس نازک دور میں ملت کی صحیح معنوں میں رہنمائی کرینگے۔ اس وقت ملت کے سامنے دو چیزیں ہیں اور دونوں ہی ملت کے مقاصد کے منافی۔ موجودہ یونیورسٹیاں ہیں اور اسمبلیاں یونیورسٹیوں کی تعلیم متاع ملت یعنی فرزندان اسلام کی زندگیوں کو بیکار بنا رہی ہے اور اسمبلیوں کا داخلہ رہی سہی دماغی قوت کو مفلوج کر کے کٹھ پتلیوں کا سماں پیدا کر رہا ہے ہم حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ ہماری پس ماندگی کا باعث مفید اداروں کی مالی کمزوری ہے۔ ہر انجمن مالی زبون حالی کا رونا روتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کچھ انجمنیں تو مالی مصائب کے مقابلے کی تاب نہ لا کر دم توڑ دیتی ہیں اور کچھ ٹمٹماتے ہوئے دیئے کی طرح حیات و موت کا مقابلہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس لئے سب سے پہلے ہمیں مالی فارغ البالی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اسکے بعد ملت کے جسد بے روح میں دم پھونکا جائے۔ اس فرض کو اشاعت اسلام کالج کے ماہرین تبلیغ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور درد ملت رکھنے والے ایثار پیشہ نوجوان زیر قیادت انجمن حمایت اسلام۔ جامعہ ملیہ اور جمعیت علمائے کرام کے انجام دیں۔ فی الحال پنجاب میں زکوٰۃ کو ایک مرکزی بیت المال میں جمع کیا جائے۔ اس کی صورت یوں ہو کہ پنجاب کے ہر ضلع میں ایک یا دو ماہرین تبلیغ ضلع کو قائم مقام بنا کر تمام ضلع کے دیہات میں دورہ کریں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ ملت کو اس کے فرائض یاد دلائیں اور بیت المال کی تحریک کریں۔ اور کسان کی فارغ البالی کے ذرائع بہم پہنچائیں۔ ہر ایک گاؤں میں کم از کم مسلمانوں کی دو دکانیں کھلوائیں جہاں پہلے ہی دکانیں موجود ہوں وہاں ضرورت کے مطابق اور دکانیں کھلوائیں اور اناج وغیرہ کی فروختگی کا شہر میں بندوبست کریں۔ ایسے وسائل فراہم کریں کہ مسلم۔ اغیار کا دست نگر نہ رہے۔

ابتدا کار میں اگرچہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اگر مبلغین کے ساتھ مسلمانوں کا اتحاد عمل شامل ہو گیا تو آخر کار مبلغین اور مسلمان اپنے ایثار و قربانی سے ضرور کامیاب ہونگے۔ میں اپنے برادران مادر علمی اور انجمن حمایت اسلام۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جمعیت علمائے ہند دہلی سے اتحاد عمل اور پیش قدمی کی پوری پوری امید رکھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس پر غور و خوض فرما کر ماہرین تبلیغ و اشاعت کے لئے ایک دستور العمل مرتب کرینگے۔ اب تامل کی مطلق گنجائش نہیں۔

میکانکی اسلام

سلسلہ کے لئے دیکھو پیام اسلام ماہ جولائی ۱۹۳۷ء

(از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز)

ہم ۔ ہاں یہ بھی درست ہے کہ بعض اعمال کی سزا یا جزا اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے ۔

لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (۱۰: ۱۰۰) جب یہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے دور کر دیا اور انھیں کچھ مدت کے لئے سامان حیات دے دیا۔

لیکن اصل دار المکافات اخروی زندگی ہی ہے ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۶: ۹۷) صاحب ایمان مرد و عورت میں سے جو کوئی بھی عمل صالح کرے گا ہم (اس دنیا میں) حیات خوشگوار عطا فرمائیں گے اور ان کے ان بہترین اعمال کا اجر (اخروی دنیا میں بھی) دینگے ۔

اس سے بھی واضح تر یہ ارشاد ہے : ۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ (۱۳: ۵) کفار کے لئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا تمام تر عمل اور ابتلاء کا مقام ہے تخم ریزی اور بار آوری میں جو لازمی وقفہ چاہئے وہ پورا کرنیکے لئے ایک وقت معین تک مہلت دی جاتی ہے اور حقیقی بار آوری کا وقت اخروی ہی ہے ۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (۱۶: ۶۱) اگر اللہ انسانوں کو انکے ظلم کے بدلے میں (فوراً) گرفتار کر لیتا تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے ایک وقت معین تک ؏

یہ بھی صحیح ہے کہ اطمینان قلب بڑی چیز ہے اور نعماء جنت میں سب سے بڑی نعمت نَفسِ مُطْمَئِنَّہ ہے نیز اضطراب قلبی

؏ اور یہ وقت معین ہے روز محشر کا۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (۴۰: ۱۷) آج کے دن (یوم محشر) ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

بھی ایک سخت عذاب ہے لیکن جنت و دوزخ اور معاد کی تمام تفصیلات کو جو قرآن میں مذکور ہیں محض قلب انسانی کے اندر محیط کر دینا بھی درست نہیں۔ دوسری زندگی کے متعلق قرآن میں بڑی تکرار و اعادہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ احیاء بعد الموت کے متعلق ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (۲:۲۸) تم مردہ تھے پھر تمہیں اللہ نے زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا

یہ پیدائش کیسی ہوگی؟ ارشاد ہے۔

كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ (۲۱:۷) جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کرینگے۔

اس میں شبہ نہیں کہ نعمائے جنت اور عقوبات جہنم کی تفاصیل تمثیلی رنگ میں بیان ہوئی ہیں کیونکہ یہ بعد الطبیعات کے سے متعلق ہیں۔ لیکن اس تمام تفصیل کے ایک ایک جزو پر ہمارا ایمان اسی طرح ہونا چاہئے۔ جس طرح قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے اور جس حقیقت کا راز خود اللہ تعالیٰ نے کھولا اس پر تاویلات سے قطعیت کا حکم نہیں لگانا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے اور کس قدر زور دار الفاظ میں کہتا ہے کہ۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (۵۱:۱) آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایسا ہی حقیقی واقعہ ہے جیسا تمہارا باتیں کرنا واقعہ ہے

۵۔ یہ بھی درست ہے کہ عبادات میں بدنی اور معاشرتی مفاد بھی ساتھ ہی ساتھ آ جاتے ہیں لیکن صحیح نہیں کہ ان عبادات سے مقصود بالذات یہی بدنی و معاشرتی مفاد ہیں۔ انسان کے ساتھ مختلف تعلقات وابستہ ہیں۔ ایک خالق کا' ایک اپنے نفس کا اور ایک مخلوق کا۔ اسلامی احکام میں یہ خصوصیت رکھی گئی ہے کہ ان کی بجا آوری میں بیک وقت ہر سہ فرائض کی ادائیگی ہو جاتی ہے یعنی رضائے مولیٰ حفظ نفس اور ہمدردی خلائق کا حصول ایک ہی عبادت کی سرانجامدہی میں ہو جاتا ہے اور یہی ہم آہنگی ہے جو اسلامی احکام کے سوا اور کہیں نظر نہ آئے گی ان میں مقدم خوشنودی باری تعالیٰ ہے اور یہی چیز ہے جسے تقویٰ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بغیر کسی قسم کی ذاتی غرض و منفعت کو پیش نظر رکھنے کے محض اس خلوص نیت سے جو کچھ کر رہا ہوں محض خدا کے کر رہا ہوں عمل کرنا روح اسلام اور تقویٰ کا مدعا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ کہہ دے کہ میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی میری موت سب اللہ کے لئے ہے۔

یہ ہے نقطۂ ماسکہ تمام عبادات و اعمال اسلامی کا۔ اگر کوئی عمل اس معیار پر پورا اترتا ہے تو اسکے لازمی نتائج و اثمار خواہ اپنی ذات کے لئے ہوں خواہ مخلوق کے لئے سب حلال و طیب لیکن اگر اسکے خلاف ہو تو وہ عمل لاکھ منافع در آغوش کیوں نہ ہو سب حرام و خبیث۔ نماز کے متعلق یہ کہدیا کہ۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔

لیکن اس رکز کو سامنے سے نہیں ہٹنے دیا کہ

إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ بیشک نماز گراں گزرتی ہے لیکن ان لوگوں پر نہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں

روزہ فرض کرتے وقت اول و آخر یہ ارشاد فرمایا کہ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

زکوٰۃ کی دنیاوی منفعتوں سے کسے انکار ہے لیکن علتِ غائی وہی ہے کہ۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو اور اس طرح ان کے اموال وقلوب کو مطہر و پاکیزہ بنادو۔

اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اور اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے مال کو محض دکھاوے کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

گویا ریاء اور کفر مترادف ہیں۔

حج اور قربانی میں بھی یہی علت کارفرما ہے کہ یہ دونوں شعائر اللہ کو قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال کہ چونکہ مقصود ان عبادات سے دنیوی منافع ہیں۔ اس لئے یہ مقاصد کسی اور شکل میں حاصل کر لئے جائیں۔ یکسر غلط اور گمراہ کن ہے مقصد اولیٰ ان سے تقویٰ اور رضائے اللہ ہے اور یہ محض اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے متعین فرمادی ہے اور اس میں کسی قسم کا رد و بدل قطعاً ناقص ہے

قوم کی اقتصادی و معاشرتی اصلاح اور سیاسی و تمدنی زندگی کے بقا کے لئے جو قدم بھی اٹھایا جائے لائق صد تحسین ہے اسلئے کہ ذلت اور رسوائی کی زندگی قرآن کی رو سے غضب الٰہی کی نشانی ہے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ۔ ان پر ذلت و مسکینی کی مار ماری گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے۔

اور عزت و وقار کی زندگی بسر کرنا عین امتیاز ایمان ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (۶۳:۸) عزت تو بس اللہ اور اسکے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔

یہی نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح کا لازمی نتیجہ خلافت فی الارض ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے محض دنیا کے کسی مقصد کا حصول، خواہ کتنا ہی جلیل المنزلت کیوں نہ ہو، مسلمان کی مساعی و توجہ کا آخری نقطہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا مقصد تو دنیاوی

عروج کے ساتھ ساتھ تقوی کا حصول بھی ہے۔ لہذا جس پروگرام میں محض دنیا ہی دنیا ہو اور تقوی اور تزکیۂ قلوب کا خیال نہ رکھا گیا ہو وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں ہو سکتا۔ اسی تقوی بے غرض قربانی۔ ایثار لمرضات اللہ کا نام جہاد ہے۔ خواہ اسکے لئے ایک قدم اٹھانا پڑے یا جان تک بھی دینی پڑے۔

حکایت دراز ہو گئی اس لئے ان اسباب و ذرائع کی تفصیل کو نظرانداز کرتا ہوں جو اس تجدید مذہب کے موجب ہوئے ہیں لیکن ان میں سے ایک اہم ترین سبب کا ذکر نہایت ضروری ہے اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دور جدید کی اسلامی معلومات کا ماخذ قرآن و سنت نہیں بلکہ مستشرقین مغرب کی تصانیف ہیں اور یہی سب سے بڑی وجہ اس ذہنی انقلاب کی ہے ان مستشرقین کے علمی احسانات اسلام پر خواہ کسی قدر کیوں نہ ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یا تو شاید اسلئے کہ وہ خود اس تک نہیں پہنچ سکے یا دانستہ بہرکیف وہ اسلام کے متعلق جو کچھ لکھتے ہیں اس زاویۂ نگاہ سے لکھتے ہیں کہ اسلام کو ایک کامیاب "ارضی تحریک" ثابت کر دیا جائے۔ وہ یوروپین مصنف جنھوں نے حضور نبی اکرم صلعم کی ذات گرامی سے حسن عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ان کے خیالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ انھوں نے حضور صلعم کو زیادہ سے زیادہ ایک دنیاوی مصلح۔ کامیاب لیڈر۔ اور اولوالعزم فاتح کی حیثیت سے سمجھا ہے یا پیش کیا ہے۔ یہی حال قرآن کے متعلق ان کے خیالات کا ہے۔ ایک تو ہم ویسے ہی ان مستشرقین کی علمی تحقیقات سے مرعوب ہو چکے ہیں پھر ان کا انداز بیان کچھ ایسا ساحرانہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان کی تعلیم ہم پر پورا پورا اثر کر دیتی ہے اور ہم اسلام کو انھیں کی عینک سے دیکھنے لگ جاتے ہیں[1]۔ ایمانیات کا صحیح ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ایک مسلم کی دینی دنیوی عمارتیں استوار ہوں گی۔ لہذا ضرورت ہے کہ ہم خالی الذہن ہو کر مذہب کا مطالعہ کتاب اللہ اور اسوۂ رسول اللہ کی روشنی میں کریں اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ اسلام کے پیش نظر جہاں کلیسا کے "راہب" پیدا کرنا نہیں وہاں محض سکندر اعظم بھی اس کا مطمح نگاہ نہیں وہ ان دونوں کے امتزاج سے "عمر فاروق" کا ہیولیٰ تیار کرتا ہے۔ ذٰلِکَ الدِّینُ القیم

---

[1] ان محققین کی ریسرچ محض قیاسیات پر مبنی ہوتی ہے جن کے اتباع کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ　اگر تو دنیا کے اکثر لوگوں کی اطاعت کریگا تو وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دینگے۔

ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون (۶:۱۱۶)　وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض دوڑاتے ہیں۔

اور قرآن کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ

اِنَّہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ۔ (۶۹:۵۱)　یقیناً وہ حق الیقین ہے۔ (ظن و قیاس نہیں) ۔ باقی دیگر

خطاب بہ تاجدارِ مدینہ

(از خواجہ فیض محمد فیض لدھیانوی منشی فاضل)

یہ نظم ۲۳ جون ۱۹۳۴ء کو عید میلاد النبی کے ایک رفیع الشان اجلاس منعقدہ کمیٹی باغ لدھیانہ میں پڑھی گئی۔

(۱)

اے کہ تیری ذات پر سو ناز ہیں اسلام کو + تو نے دنیا میں اُچھالا ہے خدا کے نام کو

ملتِ بیضا کی خاطر خود اٹھائیں سختیاں + دین پر قربان کیا اپنے دلی آرام کو

کوششِ پیہم سے تو نے بے خطر پہنچا دیا + مشرق و مغرب میں حق کے آخری پیغام کو

چین و جاپان ہند و ایران کو مسخر کر لیا + دائرہ میں لے لیا روم و عراق و شام کو

جس کو پی کر میکشانِ بزم بیخود ہو گئے + تو نے چھلکایا مئے توحید کے اُس جام کو

قلبِ انسانی کی تاریکی مٹانے کیلئے + شمعِ عرفاں سے درخشاں کر دیا اوہام کو

اہلِ عالم مُردگی کے راز سے واقف ہوئے + تو نے سمجھائے رموزِ زندگی اقوام کو

تیری اس ناخواندگی پر سینکڑوں عقلیں نثار + تو سمجھتا تھا بخوبی غیب کے الہام کو

نعرۂ تکبیر کی شورش سے گونج اٹھی فضا + قل ھو اللہ پڑھ کے لرزاں کر دیا اصنام کو

آسمانِ شرک سے ظلمت کا بادل چھٹ گیا

لشکرِ طاغوت کا سب زورِ باطل گھٹ گیا

(۲)

گمرہوں کو راستی کا راستہ دکھلا دیا + پائے استحقار سے شیطان کو ٹھکرا دیا

جہل و نادانی کی رسموں کو مٹا کر خلق سے + جا بجا قرآن کی تعلیم کو پھیلا دیا

ذوقِ وجدانی سے ہر شے وجد میں آنے لگی + ذکرِ ھُو سے محفلِ آفاق کو گرما دیا

تو نے نکتہ دانوں کو تھی جس کی جستجو + باتوں باتوں میں ہمیں وہ فلسفہ سمجھا دیا

ہم کو ارزاں ہو گئیں دونوں جہاں کی نعمتیں + کیا بتاؤں تو نے اپنے لطف سے کیا کیا دیا

تیرے اخلاقِ حمیدہ پر فدا ہو جایئے + تو نے خلقت کو سبق خلق و محبت کا دیا

یہ زمین و آسماں پیدا ہوئے تیرے لئے + صاف یہ لولاک میں اللہ نے فرما دیا

تو نے پستی کے مکینوں کو بلندی کی عطا + فرش سے اُن کو اٹھا کر عرش پر بٹھلا دیا

سیرتِ تاباں سے انجم کی چمک پھیکی پڑی + صورتِ روشن نے مہر و ماہ کو شرما دیا

کفر آبادِ جہاں میں پھر اجالا ہو گیا

تیرے دم سے معرفت کا بول بالا ہو گیا



لطائف القرآن

(پیوستہ گذشتہ)

(از حضرت مولینا سید محمود علی صاحب پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ)

تکرارِ مطالب

دوم۔ قرآن حکیم میں ہدایت کے متعلق تمام سامان مکمل ہونے کے باوجود اختصار اور اطناب یا اجمال اور تفصیل کا ایسا کرشمہ دکھایا گیا ہے کہ ایک ایک مضمون اور ایک ایک مسئلہ کو بار بار ذکر کرنے کے لئے کافی گنجائش پیدا کر لی گئی ہے۔ اکثر نکات حکمت اکثر قوانین قدرت اکثر مناظر عبرت علم وعمل کے اکثر قاعدے اور مجاہدہ ریاضت کے اکثر مسائل تلاش کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو ایک بار بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ اور بیشتر اہتمام کے لائق مطالب عالیہ کا تکرار متعدد بار کیا گیا ہے انبیائے سابقین اور ان کی سرکش اقوام کا ذکر ہو۔ اعمال نیک وبد کے اثرات نتائج کا تذکرہ ہو۔ آنجہانی عذاب وثواب کا مذکور ہو۔ مومن وکافر کے خصائل وعادات کا بیان ہو۔ انبیا وصلحا کے درجات ومراتب کا اظہار ہو یا حق تعالیٰ کے صفات کمال کی توصیف ہو ہر مضمون کو بار بار دہرایا گیا ہے اور ہر موقع پر جدید طرز کلام اور نئے اسلوب سے کام لیا گیا ہے یا کہیں کہیں ایک ہی عبارت کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ تو ماقبل و مابعد کے دیگر مطالب سے ربط دیکر باریک نکات ولطائف ایسے ایزاد کر دیئے گئے ہیں جو باوجود تکرار کے مضمون میں نئی دلفریبی اور کشش پیدا کر دیتے ہیں۔

اس تکرار واعادہ کی مصلحت اور حکمت جہاں تک عقل انسانی کام دے سکتی ہے دریافت کرنے کیلئے پہلے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگرچہ عقل وشعور انسان کا سب سے اعلیٰ اور شریف جوہر ہے مگر اس کا دائرہ عمل صرف خیالات اور تصورات تک محدود ہے عمل حالت کو دیکھا جائے۔ تو انسان اکثر و بیشتر جذبات اور طبعی کشش کا فرمان بردار بے بیمار ہوتا ہے اور اطبائے حاذق کی ہدایت یا اپنے تجربہ سے کسی لذیذ چیز کو اپنی حالت کے لئے مضر خیال کرتا ہے۔ اس پر ہر طرح یقین رکھتا ہے اور عقل وشعور کی تمام قوت اس کو اس چیز کے برے اثر اور مہلک نتائج پر یقین دلوانے میں صرف ہوتی ہے۔ مگر اکثر یا کبھی کبھی باوجود عقل باز رکھنے اور سمجھانے کے اس چیز کو استعمال کر لیتا ہے اور دیدہ ودانستہ نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے کوئی کام پیشہ یا علم و ہنر سیکھنا چاہتا ہے۔ اور عقل کے رو سے اس کی خوبی اور ضرورت کا سر طرح قائل ہوتا ہے۔ اور اس کام کے لئے جس قدر محنت اور کوشش درکار ہے اس کو پورے منطقی دلائل سے ثابت کر سکتا ہے۔ اور ارادہ بھی رکھتا ہے کہ عقلی رہنمائی سے

جس قدر تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت ہوگی اس میں کوتاہی نہ کرے گا۔ مگر جب عمل کا وقت آتا ہے اور اس کام کی دشواریاں سامنے آتی ہیں تو باوجود عقل کی تاکیدی ہدایتوں کے کوتاہی اور کم ہمتی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور تکلیف سے بچنے کی طبعی کشش عقل کی تحریک پر غالب آجاتی ہے اور طبعی کشش جس قدر زبردست ہوتی ہے اسی قدر عقل کی گرفت کمزور ثابت ہوتی ہے۔ کبھی اس کام سے بالکل منحرف ہوجاتا ہے۔ اور کبھی کرتا ہے تو آرام طلبی کے سبب سے مہارت میں ناقص رہ جاتا ہے۔ یا بہت دیر میں کامیاب ہوتا ہے کبھی عادت بد یا فعل ناجائز سے اجتناب کرنا چاہتا ہے اور اسکے بد نتائج اور مضر تاثیروں کو جن کا اپنے اوپر یا اور لوگوں کے اوپر بار بار تجربہ کرچکا ہو عاقلانہ استدلال سے پورا یقین رکھتا ہے مگر طبعی میلان اور دلی خواہش پر غالب آنے میں قاصر رہتا ہے اور اجتناب کرنے کے ارادہ کو وقت پر پورا نہیں کرسکتا۔ یا کبھی عقل و شعور کے زور سے اپنے تئیں مجبور کرتا ہے اور ایک موقع پر باز رہنے میں کامیاب ہوتا ہے تو دوسرے موقع پر پھر طبیعت غالب آجاتی ہے اور باوجود عقل کے ڈرانے اور دھمکانے کے نہیں سنتا اور جان بوجھ کر آغوش بلا میں جا گرتا ہے۔

غرض جہاں کہیں عقلی رفتار اور طبعی میلان میں مقابلہ ہوتا ہے وہاں عقیدہ اور یقین بیشک عقل کی اطاعت کرتا ہے مگر عمل اکثر طبعی میلان کے ماتحت ہوتا ہے۔ البتہ اگر خوش قسمتی سے کسی شخص کا فطری میلان ہمیشہ کے لئے یا کسی خاص موقع پر عقلی رفتار کے مطابق ہو۔ تو اس حالت میں بیشک عقل نہایت آسانی کے ساتھ اپنی حکومت تسلیم کرواسکتی ہے اور دیکھنے والوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ عقل و شعور کی طاقت کامیاب ہوئی۔ مگر حقیقت میں اسوقت بھی کامیابی بڑی حد تک طبعی میلان کی رہین منت ہے۔ نہ عقل دوراندیش کی۔ اور انسان انہی کمالات میں عقلی رہنمائی کو آسانی کے ساتھ قبول کرتا ہے جن کی طرف فطری طور پر یا عادت کی رو سے خود بخود مائل ہو۔

اور چونکہ ایسے سعادت مند بہت کم یا غالباً ناپید ہیں جن کی طبعی خواہش عقل و شعور کے مطابق ہو۔ بلکہ راحت۔ لذت۔ اور فرحت کی آرزو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور فضائل و کمالات کا حصول بلا استثنا ان جذبات کی بیخ کنی یا ان کی حد بندی پر موقوف ہے۔ اس لئے ہر قسم کے محاسن اور خوبیوں سے متصف ہونے کے لئے اگر ایک طرف عقل کارفرما کو جلا دینے اور حسن و قبح کے نیک و بد نتائج کو واضح کرنی کی ضرورت ہے تو دوسری جانب اس امر سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ ایک تو محاسن کو حاصل کرنے کے لئے ایسی صحبتوں میں رہنا ضروری ہے جو ان محاسن سے آراستہ ہوں اور دوسرے بچپن سے آدمی کو محاسن کا خوگیر بنانے اور قبائح سے علیحدہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ نیک صحبت اور بچپن کی نیک تربیت سے جو طبعی میلان بدی سے نیکی کی جانب منعطف ہوجاتا ہے تو اسی لئے کہ ہم صحبتوں کے قول و فعل سے ہمیشہ اور بار بار ایک امر کی خوبی اور دوسرے کی بدی کا اظہار ہوتا رہتا ہے اور بچپن کی تربیت میں بھی ایک طرفہ آواز بار بار کان میں پڑتی رہتی ہے اور ہمیشہ کثرت سے ایک ہی آواز کا گوش گذار ہونا طبیعت پر ایسا اثر کرتا ہے کہ فطری میلان کو ایک جانب سے دوسری جانب منتقل کرنے میں کامیاب

ہو جاتا ہے۔ ملک داری کے قوانین میں اقوام کے باہمی تعلقات میں۔ برادری کے رسم و رواج میں۔ سوسائٹی کے فیشن میں۔ کھانے پینے کی عادتوں میں۔ لباس کے تراش و خراش میں۔ ماندوبود کے دستور میں۔ ہر جگہ بیشمار افعال کو نہایت اہتمام اور تاکید سے اور کئی طرح کی تکلیف اٹھا کر بجا لایا جاتا ہے تو محض اسی لئے کہ ایک عرصہ تک ان کو بار بار کرتے رہنے اور دیکھنے سننے سے طبیعت خوگر ہو جاتی ہے اور ہر چند عقل دوراندیش ان افعال میں کوئی خوبی نہ سمجھے بلکہ مضرت اور نقصان کا یقین دلوائے جب بھی تکرار عمل کے اثر سے عقل کا جادو کارگر نہیں ہونے پاتا۔ اور وہی فعل اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جس کی تاکید اور تائید ہمیشہ دیکھی سنی گئی ہے اس غور و تامل کا نتیجہ یہ ہے کہ طبعی جذبات کو دبانے کے لئے عقل و شعور کی کوشش اکثر و بیشتر ناکام رہتی ہے اور جذبات کا علاج اگر ہے تو یہی قول و فعل کا تکرار اور یک طرفہ طرز عمل کی دائمی تاکید۔ بلکہ کثرت کے ساتھ کسی خیال کے پیش نظر رہنے میں وہ خاصیت ہے کہ پھر سمجھنے سمجھانے اور عقل و شعور کے واسطے سے محاسن و معائب ثابت کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ انسان کو خود بخود ایسے خیال سے ہمدردی اور اس کی خوبی کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور جب یہ قاعدہ تمام محسوسات میں جاری ہے جن کے حسن و قبح کو عقل دوراندیش نہایت آسانی سے دریافت کر سکتی ہے اور طبیعت پر اپنی طاقت کے موافق اثر ڈال سکتی ہے تو جو اس سے بالا اور غیر مرئی منازل ہیں جن کی رہنمائی مذہب کے سپرد کی گئی ہے۔ طبعی جذبات کو دبانے کے لئے تکرار عمل اور دائمی تاکید کے سوا اور کیا سبیل کارباقی رہ جاتی ہے۔ محسوسات میں عقل کی ہدایت اگرچہ کافی نہ ہو مگر کسی قدر مؤثر ہے۔ انجامی نتائج اور قبر سے پرے تک جانے والے اثر کو دلنشین کرنے کے لئے اور طبیعت کی ایسی خواہشوں کو روکنے کے لئے جن کی قباحت دنیوی زندگی میں محسوس نہ ہوتی ہو عقل کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔ یہاں فطرت سلیم کو بیدار کرنے کے لئے تکرار نصیحت کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

مذہب کو بھیجنے والا اس مصلحت کو بہتر جانتا ہے۔ اس کی طرف سے آنے والے رہنما جہاں تک محسوسات کا تعلق ہو۔ عقل و شعور کو بیدار کرنے کے وسائل بھی استعمال کرتے ہیں۔ مگر زیادہ اور انجامی نتائج کے متعلق بالخصوص دائمی تاکید اور تکرار نصیحت پر مدار رکھتے ہیں۔ یہی مسلک قرآن کریم کا ہے۔ اس میں مختلف طرز استدلال سے اور گوناگوں اسالیب بیان سے فطری جذبات خیر کو تحریک دیتے اور ناجائز خواہشوں کو دبانے کی دلفریب کوشش کی گئی ہے اور طبیعت پر اثر کرنے کا وہ طریق اختیار کیا گیا ہے جس سے کوئی دل پہلی نظر میں گھائل ہو جاتا ہے تو کسی کو جلوہ بے کیف کا پیہم نظارہ خود رفتہ کر دیتا ہے کہیں اختصار نگاہ غلط انداز کا رنگ دکھاتا ہے تو کہیں تفصیل محبوب ازل کے لطف و کرم کو ظاہر کرتی ہے۔ سرکش طبیعتیں رمیدگی اور وحشت میں کوتاہی نہیں کرتیں۔ مگر جن کی فطرت سلیم ہے آخر کار اور کبھی نہ کبھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ سیہ باطنی نے کیسی سختی اور قساوت پیدا کر دی ہو سعادت یاوری کرے تو تیر عشق سے بسمل ہونے کا نتیجہ ضرور ہی مرتب ہوتا ہے۔ مذہب کا گھر دل ہے دماغ نہیں۔ اور ایمان محبت ہے تجارت نہیں۔

جس دل میں یہ تخم ریزی ہو چکی ہے۔ اسلئے قرآن کریم کا تکرار مضامین ذکر یار ہے جس سے سیری نہیں ہو سکتی اور جمال محبوب ہے۔
جس کا ہر جلوہ دل کو فریفتہ کرنے میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔ دل کا ہونا شرط ہے اور دل میں محبت کا ہونا ضروری ہے ارشاد
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا خدا نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا ہے یہ کتاب وہ ہے جس کے
مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ حصے باہم متشابہ ہیں۔ اور بار بار دہرائے گئے ہیں اس سے رونگٹے کھڑے
ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ہو جاتے ہیں انکے جنکے دل میں خوف خدا ہو۔ انکے جسم اور انکے دل خدا کی یاد
(زمر پارہ ۲۳ ع ۳) سے نرم ہو جاتے ہیں۔

غرض مذہب کا واسطہ جذبات سے ہے اور جذبات کو ایک طرف سے دوسری جانب منتقل کرنیکے لئے فلسفیانہ استدلال کے علاوہ جس صدائے دلکش کے بار بار گوش زد ہونے کی ضرورت ہے قرآن کریم نے اسکو نہایت اہتمام اور خوبصورتی سے بلند کیا ہے۔ اور جس مضمون کے لئے جسقدر تاکید کی ضرورت ہے۔ اسی قدر تکرار کو کام میں لایا گیا ہے۔ اس میں وہی احکام تکرار سے خالی ہیں جو قوانین ملکی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جن کا نفاذ قوت و حکومت پر موقوف ہے۔ باقی تمام مطالب عالیہ جو کیفیت قلبی سے وابستہ ہیں۔ انکا تکرار اہتمام و ضرورت کے مطابق ہوا ہے۔ حق تعالے کی عظمت و جبروت کا یقین اور اسکے صفات کمال کا عقیدہ صفائے روح کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ تو اسکے لئے ایجاز و اطناب کے مختلف پیرائے کثرت کے ساتھ اختیار کرنیکے علاوہ ہر قسم کے مضامین اور روحانی و جسمانی قوانین کے بیان میں بالعموم آیات کا اختتام حسب موقع صفات خداوندی کے ذکر پر کیا گیا ہے۔ اور کسی مطلب و مدعا کا اظہار ہو غالباً کوئی آیت نہ پائی جائے گی جس میں خیال کو ذات خداوندی کی جانب مبذول کرنے کا سامان نہ رکھا گیا ہو۔ اس سے دوسرے درجہ پر ان وسائل کو معلوم کرنے اور ان سے وابستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ جو روحانی ترقی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسلئے صفات خداوندی کے بعد سب سے زیادہ تذکرہ انبیاء مرسلین کی بعثت اور کتب سماوی کے نزول کا دیکھا جاتا ہے۔ پھر اعمال صالحہ کی تاکید۔ افعال قبیحہ کی تہدید اور انکے دنیوی اور اخروی نتائج۔ اہل ارشاد و ہدایت کے کارنامے اقوام گمراہ کی شرارتیں اور انکے عبرت خیز انجام۔ ان سب مطالب کا حسب ضرورت اور مناسب حال اعادہ کیا گیا ہے۔ اور ہر جگہ بلکہ ہر مضمون کے ساتھ لطیف رموز حکمت سیاسی یک قوانین قدرت۔ علم و عمل کے نفیس قاعدے اور عبرت و نصیحت کے پاکیزہ نکتے ایسے ایسے ایزاد ہوتے گئے ہیں۔ جو نگاہ دقیقہ رس کو محو حیرت کرتے ہیں۔ اور تکرار کی ثقالت باقی نہیں چھوڑتے۔ اعمال صالحہ میں سب سے بڑا اصول خالق کی یاد ہے۔ یا مخلوق کی امداد۔ اسی لئے نماز اور زکوٰۃ کا تکرار سب سے زیادہ ہے۔ اعمال قبیحہ میں سب سے زیادہ مضرت خدائے قوی و قادر کی بجائے عاجز مخلوق پر اعتماد رکھنے میں ہے۔ یا باوجود عاجزی کے اپنی عظمت و شان کا فخر کرنے میں۔ اسی لئے شرک کرنے والوں اور ذاتی یا خاندانی فوقیت کا غرور رکھنے والوں کی مذمت سب سے زیادہ ہے۔ حالات حاضرہ میں سے رات دن کا بدلنا۔ آفتاب و ماہتاب اور سیاروں کا چکر کھانا۔ ہواؤں کا چلنا۔ بادلوں کا جھومنا۔

بارش کا برسنا اور زمین کا خشکی کے بعد سرسبز ہو جانا ہمیشہ پیش نظر رہنے والے نشانات قدرت ہیں۔ قرآن میں ایسے مناظر کا تذکرہ کثرت سے ہوا ہے۔ واقعات گذشتہ میں سے انسان کا معرض وجود میں آنا اس کا تمام قوانین قدرت پر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھنا۔ دنیا کی سب نعمتوں کا اس کے لئے مہیا ہونا۔ ہر چیز سے جائز لذت اور آسائش حاصل کرنے کا اختیار رکھنا۔ اسکا خودغرضی اور بیجا ستائی کے جذبے سے عاجز آجانا اور اس قوت کی سرکشی سے تمام عمر تکلیف اور مصیبت میں مبتلا رہنا سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ قصہ آدم علیہ السلام کے پیرایہ میں یہ منظر سب سے زیادہ دکھایا گیا ہے۔ آدمؑ کی پیدائش پر فرشتے اعتراض کرتے ہیں۔ تو اس کی مفسدہ پردازی اور خونریزی کے مقابلہ میں اسکے عالمانہ جوہر کو پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اگر ایک طرف بدی اس کی فطرت میں داخل ہے تو دوسری جانب عقل و شعور اور عرفانِ شہود کی تخم ریزی بھی اسی سرزمین میں ہو سکتی ہے۔ جس سے دنیا کی تمام مخلوق حتی کہ مقدس فرشتے بھی محروم ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں انسان کا وہ خاصہ دکھایا گیا ہے جو مسلم و جاہل اور وحشی و مہذب ہر انسان میں موجود ہے۔ علم سے خالی۔ تہذیب سے عاری بلکہ لوازم زیست سے بیخبر اور جانوروں کی طرح برہنہ مادرزاد رہنے والے انسان بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر اس نوع کی کوئی صنف اور بنی آدم کی کوئی قوم ایسی موجود نہیں۔ جو زبان کی نعمت سے محروم ہو۔ اور اشیاء گردوپیش کو نام لیکر یاد کرنے کی قابلیت نہ رکھے ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی نام تجویز کر لینا یہی وہ تخم ہے جس سے ترقی کرتا ہوا انسان علوم و فنون کے معراج تک پہنچ سکتا ہے۔ اور قرآن میں فرشتوں پر آدم کی یہی فوقیت ثابت کی گئی ہے۔ کہ قدرت نے اس کو نام تجویز کرنے کی قابلیت دی ہے۔ اور علیم ہونے کی صفت بخشی ہے۔ جس سے وہ زمین پر خدا کا نائب قرار پایا۔ پھر حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر ہوتا ہے تو بیان کیا جاتا ہے کہ ملائک جو کارخانہ قدرت پر تصرف اور هُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ کا منصب رکھتے ہیں۔ آدم کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ اور شیطان آپ کی اطاعت سے انحراف کرتا ہے۔ آدم کے واسطے نعمائے بہشت مہیا ہوتی ہیں۔ مگر کامل خود مختاری کو روکنے اور بے لگامی سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک عمل خاص کی ممانعت کی جاتی ہے۔ مگر شیطان گمراہ کرتا ہے اور وہ اطاعت کو ترک کرنے کی پاداش میں بہشت سے نکالے اور تکالیف میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ یہ تمام واقعات نوع انسانی کی اس حالت پر صادق آتے ہیں جبکہ ابتدائے آفرینش میں وہ جنگل کے خودرو پھلوں پر بسر کرتے اور چشموں کا پانی پیتے تھے اور سادہ بے تکلف زندگی کے اندر سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے گھن دار درختوں کے سائے اور کوہستانی غاروں کی پناہ کافی سمجھتے تھے۔ اس وقت بہشت آنجا کہ آزارے نباشد بسر اوقات کے لئے نہ کوئی تردد تھا نہ کبھی زحمت اور تکلیف کا سامنا مگر جب عقل اور تجربے میں ترقی ہونی شروع ہوئی ہوگی تو پہلی تمیز پھلوں کے پختہ اور خام یا لذیذ اور بدذائقہ ہونے کی پیدا ہوئی ہوگی اور کسی پھل کو خوش رنگ اور لطیف سمجھکر ایک شخص اس کو لینے کے لئے لپکتا ہوگا۔ تو دوسرا اس نیت سے کہ یہ لذت مجھے حاصل ہو پہلے توڑنے یا توڑنے والے سے چھین لینے کی کوشش کرنے لگا ہوگا۔ خودغرضی کا یہ جذبہ پیدا

ہونے کے بعد تکالیف کا آغاز ہوا ہوگا۔ اچھی چیز دیکھ کر میٹھے بیٹھے بھاگ کر قبضہ کرنے کی خواہش پیدا ہونے لگی ہوگی۔ زبردستوں کو دوسروں کے منہ سے نکال کر کھانے کی کوشش کرنی پڑی ہوگی۔ کمزوروں کو ایسی چیز مل جائے تو لے بھاگنے اور چھپاتے پھرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ اور شتہابانہ ہو جب بھی اس کو ذخیرہ کرنے اور وقت پر کام میں لانے کا تردد پیدا ہوتا گیا ہوگا۔ اس کشمکش نے مار پیٹ اور خونریزی تک پہنچا دیا ہوگا۔ اور چیز کی بھلائی برائی کا احساس اور اپنی ضرورت کو دوسرے کی ضرورت سے مقدم سمجھنے کا جذبہ ذہن کو مصروف کار رکھنے لگا ہوگا۔ پہلی حالت کو بہشت کہہ سکتے ہیں جس میں نہ کوئی تردد تھا نہ رہنے والوں کے اندر نیکی اور بدی کا تفاوت۔ نہ ترقی و تنزل کا امکان۔ خود غرضی پیدا ہونے کے بعد جو حالت پیش آئی وہی زمینی زندگی ہے جس میں راحت تکلف پر اور کامیابی کوشش پر منحصر ہوئی۔ تمام لوگ اپنی غرض کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے پر مجبور ہوئے۔ اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا نقشہ جما۔ بدی اور نیکی کے رستے ایک دوسرے سے ممتاز ہوئے اور ہر طرح کی ترقی اور تنزل کے موقعے دریافت ہونے لگے۔ حضرت آدم کا قصہ ان سب مراحل پر روشنی ڈالتا ہے۔ ملائکہ کی فرمانبرداری قوانین قدرت پر تصرف کرنے اور ان سے مستفید ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔ شیطان کی دشمنی نتوشۂ شرارت کے موجود ہونے سے آگاہ کرتی اور انکے نتائج کو پیش نظر لاتی ہے۔ جس پھل کے کھانے سے روکا گیا ہے۔ اس کو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ شر کی صورت ایک نہیں جس کا نام لیا جائے۔ اطاعت کا خوگر بنانا مقصود تھا۔ کسی چیز سے روکا جائے اس سے اجتناب کرنا فرض تھا اور بعد کے طرز عمل نے بتایا کہ اس سے لطف اٹھانے کی خواہش ایسی زبردست تھی۔ کہ حکم خداوندی کی پروا نہ کی گئی اور اپنی غرض کو رضائے خداوندی پر مقدم رکھا گیا۔ دنیا میں ایسا پھل خود غرضی کے سوا کوئی نہیں۔ گناہ کی مختلف شکلوں کو دیکھ ڈالو۔ سب اپنی خواہش کو دیگر مصلحتوں پر مقدم رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان عبادت میں کوتاہی کرتا ہے تو اسی واسطے کہ انوار و برکات حاصل کرنیکے فائدے پر راحت طلبی کی خواہش غالب رہتی ہے۔ نفسانی جذبات کی پیروی کرتا ہے۔ تو اسی لئے کہ جسمانی لذت کا احساس عصمت کی روحانی لذت پر فائق ہوتا ہے۔ غیر کے جان و مال کو نقصان پہنچاتا ہے تو اسی وجہ سے کہ دائمی راحت کو موجودہ آسائش پر فوقیت نہیں دے سکتا۔ غرض بہشت کا پھل کوئی بھی ہو دنیا میں وہ پھل صرف خود غرضی ہے جس سے گناہ میں مبتلا ہو کر خود تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور دوسروں کو تکلیف دینی۔ مذہب کے تمام احکام اسی تکلیف کو برداشت کرنے اور دینے کی حد بندی کرتے اور تفاصیل بتاتے ہیں۔ پس قصہ آدم ایک تخم ہے جس سے مذہب و اخلاق کا درخت پھوٹتا ہے۔ اور برگ و بار نکالتا ہے۔ اور بظاہر اسی لئے اس کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ کوئی نقطہ پہلی بار سمجھ میں آجائے گا۔ تو کوئی دوسری دفعہ اور کوئی بار بار اعادہ کرنے سے۔

انسان کی فطری طاقتوں اور انکے نیک و بد جذبات کو قصہ آدم سے اور تو ہی ترقی و تنزل کے مراتب بنی اسرائیل کے

واقعات سے روشن کرنیکے بعد خالص جذبۂ مذہب اور دلولۂ توحید پرستی کی تشویق و ترغیب کے لئے ایک سب سے بڑے نمونہ کی ضرورت تھی جو قرون ماضیہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات اقدس میں سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ ناديدہ ہستی کی تلاش اور اس سے تعلق پیدا کرنیکی خواہش انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ مگر اپنی تنگ نظری اور جلد بازی سے تلاش میں کوتاہیاں کرنا بھی اسس کا خاصہ ہے۔ جس چیز میں کسی وجہ سے اپنی نسبت زیادہ طاقتور۔ زیادہ عجیب یا اپنی عقل و فہم سے بالاتر ہونے کا گمان کرتا ہے ھذا ربی کہکر اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس کی برتری کو اپنا کارساز تصور کر لیتا ہے۔ پھر تجربہ ایسی چیز کے نقائص کو روشن کرتا ہے اور کسی اور طرح سے اس چیز کی درماندگی اور عاجزی کا یقین ہوتا ہے تو مایوس ہو کر اس سے روگرداں ہوتا ہے۔ آتش شوق دیدار حبیب کے لئے بے چین کرتی ہے تو عجلت میں پھر ٹھوکر کھاتا ہے اور کسی اور چیز میں غیر معمولی قوت اور پہلی چیز سے زیادہ جلوہ دیکھتا ہے لپک کر اسکے قدم پکڑ لیتا ہے۔ اگر مذہبی جذبہ کمزور ہوتا ہے اور روحانی بصیرت کا حصہ کم ملتا ہے تو ایسے ایسے معبودوں کے آگے سجدے کرتا ہوا عمر گزار دیتا ہے۔ اور نوشدارو سمجھکر زہر کو استعمال کرتا ہوا ہلاک ہو جاتا ہے اگر سعادت یاوری کرتی ہے تو ایسے نظارے تجربہ کو تیز کرتے رہتے ہیں۔ اور یکے بعد دیگرے تمام محسوس قوتوں کی کمزوری سے واقف ہوتا ہوا قیاس و گمان سے برتر ہستی کا پتہ لگا لیتا ہے اور روح کی اشتہائے صادق کے لئے مناسب خوراک حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں انسان کی اس فطری کشش اور اسکے مدارج ترقی کو واضح کیا گیا ہے اور آپ کی زبان مبارک سے سیاروں میں اور ماہتاب و آفتاب اپنی نسبت بہت زیادہ نور اور جلال دیکھکر دھوکا کھانے اور انکے نقائص سے آگاہ ہو کر خدائے برتر کی طرف لو لگانے کی کیفیت سنائی گئی ہے معبودان باطل کی حقیقت اور دنیا کی بڑی سے بڑی قوتوں کی ہیچ میرزی کو روشن کرنیکے بعد اس قادر و قاہر ہستی کی طرف متوجہ ہونے کا دلولہ پیدا کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ۔ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي۔ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ۔ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ۔ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا

جب رات کی تاریکی چھائی تو ستارہ دیکھا کہا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غروب ہوا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہوا تو کہا اگر میرا رب ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہ ہو جاتا۔ پھر جب آفتاب کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوا۔ تو کہا کہ لوگو میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی جس نے آسمان زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں سب سے رہ گرداں ہو کر اس کی طرف آتا ہوں

وَّاَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ط (انعام پارہ ۷ ع ۹) اور میں مشرک نہیں ہوں

غرض جذبۂ ایمانی سب سے بیش قیمت انعام ہے جس کا نوع انسانی کو عطا ہونا اور انسان کا اسکے استعمال میں کئی طرح کی غلطیاں کرنے کے بعد صحیح نقطہ پر پہنچنا قصہ ابراہیم کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے اور پھر آنجناب ہی کے حالات میں اس بے نظیر اور عدیم المثال قوت ایمانی کی مثال ملتی ہے جو قلب انسانی میں جاگزیں ہوتی ہے تو محبت الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کے تمام تعلقات کو فنا کر دیتی ہے حتیٰ کہ اولاد کی محبت جس سے مغلوب ہو کر دنیادار ہر طرح کی بے اعتدالیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور ضرورت ہو تو ان کے واسطے دوسروں پر کسی طرح کا ظلم کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ عشق ربانی کا سچا ولولہ اس محبت کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور عاشق صادق خدا کے حکم پر اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ قوت ایمانی کی اس درجہ تک رغبت پیدا کرنے کے واسطے ضرورت ہے کہ ایسے واقعات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ان کا بار بار اعادہ کیا جائے۔ اور چونکہ مذہب کا اولین مدعا اور سب سے بڑی غرض ہی اس قوت کو پیدا کرنا اور اس کو درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔ اسلئے اس مثال کا محض الفاظ میں دس بیس دفعہ ذکر کرنا کافی نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ قرآن میں چند جامختصر اشارات کرنے کے بعد اسلامیوں پر فرض ٹھیرایا گیا ہے کہ ہر سال سرزمین حجاز میں پہنچکر ان واقعات کی یادگاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور کئی طرح کے افعال و اعمال بجالا کر ان حالات کا نقشہ جمائیں اور طلب رضائے محبوب کا شوق پیدا کریں ارشاد ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط

(پارہ ۴ آل عمران ع ۱۰)

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے واسطے بنایا گیا ہے وہ مکہ میں ہے وہ مبارک ہے اور تمام دنیا کو ہدایت دینے کا باعث ہے۔ اس میں روشن نشانات ہیں مقام ابراہیم ہے جو وہاں آپہنچے امن میں ہے اور لوگوں پر اس گھر کا قصد کرنا فرض ہے جس کو سفر کی استطاعت ہو۔

اور ارشاد ہے۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ

(پارہ ۱۳ - ابراہیم - ع ۶)

ابراہیم نے کہا اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ایک بنجر زمین تیرے محترم گھر کے پاس سکونت دی ہے تاکہ وہ عبادت کریں۔ اے پروردگار لوگوں کے دلوں کو ان لوگوں کی جانب مائل کر اور ان کو ہر قسم کے پھلوں سے روزی پہنچا تاکہ وہ شکر کریں۔

وہاں کے روشن نشانوں میں سے ایک تو خود مکہ معظمہ اور مسجد الحرام ہے۔ یہ بستی اور یہ مسجد اپنی خصوصیت میں تمام دنیا کی بستیوں اور معبدوں سے ممتاز ہے۔ بستیاں دنیا کے چپہ چپہ پر آباد ہیں اور انسان نے پہاڑ اور جنگل اور سمندر کے اندر سے نکلے ہوئے چھوٹے چھوٹے زمین کے ٹکڑے بھی غیر آباد رہنے نہیں دئے مگر آبادی کا عام قاعدہ صرف یہ ہے کہ جہاں کی زمین زرخیز ہو وہاں کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے بستی بنائی جاتی ہے یا جہاں دریا یا سمندر کا ساحل ہونے کی وجہ سے دنیا کے اور خطوں سے تجارتی تعلقات اور آمد و رفت کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے وہاں آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ دونو صورتیں نہ ہوں تو ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جانے والے شہراہوں پر گاؤں اور بستیاں بسا لی جاتی ہیں کہ مسافروں کی ضرورتیں مہیا کی جائیں اور معاوضہ لیا جائے یا لوٹ مار اور قتل و غارت پر بسر ہو۔ ان اغراض کے بغیر کوئی بستی بسائی نہیں جاتی۔ مگر مکہ معظمہ ایسے مقام پر آباد ہوا ہے جو نہ زرخیز ہے نہ ساحل پر واقع ہے نہ شاہراہ پر محض حکم خدا کی فرماں بری نے پہلے بسنے والے کو وہاں پہنچایا اور محض دعائے خلیل کی قبولیت ایسے بے آب و گیاہ اور دنیا سے علیحدہ خطے کو اب تک آباد رکھے ہوئے ہے۔ مہذب دنیا کے ہر گوشہ میں وسائل آمد و رفت اور ذرائع خط و کتابت میں آسانی پر آسانی ہوتی جاتی ہے مگر وہ خطہ اب تک تمام اجتماعی اور تاجرانہ لوازم ترقی سے محروم ہونیکے باوجود دنیا کی تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز ہے اور تر و خشک کسی ملک کی کوئی چیز نہیں جو وہاں نہ مل سکے اس بستی کی تمام خوشحالی آبادی کے قاعدوں میں سے کسی قاعدہ کی رہین منت نہیں اور محض مسجد الحرام کی برکت ہے جس نے ویران خطہ کو رشک بہشت بنا چھوڑا ہے۔ یہ مسجد الحرام بھی اپنی نوعیت میں بالکل انوکھی اور بے نظیر چیز ہے۔ کیونکہ دنیا میں مختلف دیوتاؤں کے پوجا کرنیکے مندر اور معبد قدیم سے قدیم پائے جاتے ہیں جہاں انکے بت اور مجسمے رکھے ہوتے ہیں اور لوگ زیارت کو اور پوجا کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔ مگر محض خدائے قدوس کا نام پکارنے کے لئے سب سے پہلی مسجد یہی کعبۃ اللہ ہے اور عاشقان توحید میں سب سے پہلے یہ توفیق حضرت ابراہیمؑ کو ہوئی کہ خاص عبادت الٰہی کی غرض سے ایک علیحدہ مکان تعمیر فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح دنیا کے سب سے پہلے ہادی ہیں جنھوں نے شرک و توحید کی بحث میں عقل کارفرما کو دخل دینے اور تردید باطل پرستی میں دلیل و برہان سے کام لینے کا رستہ نکالا ہے اسی طرح خاص خدا کا گھر تعمیر کرنے کی جدت بھی آنجناب ہی کے اشتیاق وحدت پرستی کا نتیجہ ہے تاکہ دنیوی تعلقات سے یکسو اور انتشار خیالات کے سامان سے جدا ہو کر گوشہ عزلت میں محبوب ازل کے تصور سے لو لگائے بیٹھے رہیں۔ یہ مسجد اگرچہ ناتراشیدہ پتھروں کا انبار ہوگا جس پر گھاس پھوس کی چھت پڑ گئی ہوگی مگر گھر

ف بادشاہ وقت سے جو الوہیت کا دعویدار ہے حضرت کو مقابلہ پیش آتا ہے تو فرماتے ہیں کہ خدائی اسے زیبا ہے جو زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت رکھتا ہو۔ مخالف جواب میں دھوکہ دینے کی کوشش کرتا اور اپنے شاہی اختیارات سے قتل کرنے اور مجرم کو معافی دے سکنے کی طاقت دکھا کر دعوے کرتا ہے کہ زندہ کرنے اور مارنے کی قوت ہم بھی رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اسکی جاہلانہ حجت

باقی حاشیہ بر صفحہ ۳۱

بنانے کا دستور انسان کی بود وباش کے لئے تھا یا بتوں کو رکھنے کے لئے۔ اس گھر میں کسی شخص یا کسی چیز کا قیام نہیں نادیدہ خدا کو پکارنے کے لئے بنایا گیا ہے تو ایسی نئی چیز کے تیار ہونے پر بنانے والے کو جو مسرت حاصل ہوئی ہوگی اسکے لطف سے مست اور شکر گزاری کے جذبہ میں محو ہو کر وہ بے اختیار مسجد کے گرد پھرتا ہوگا دل کے شوق سے خدائے قدوس کا نام پکارتا ہوگا۔ اور پہلے پہل ایک ایسے گھر کو تیار دیکھکر جو کسی دنیوی غرض سے بنایا نہیں گیا محض خدا کو یاد کرنے کے لئے بنا ہے اور انسان کا گھر نہیں خدا کا گھر ہے اسکے در و دیوار سے لپٹتا ہوگا۔ فرط شوق سے کسی جگہ بوسہ[1] دیتا ہوگا۔ اور کہیں بعینہٖ جس طرح لوگ گنگا جلی یا بائیبل پر ہاتھ رکھکر حلف اٹھاتے ہیں۔ وہ وہاں کے اینٹ پتھر پر ہاتھ رکھکر لبیک یارب لبیک کے الفاظ سے اپنے حاضر رہنے کا عہد کرتا ہوگا۔ اور اپنے لئے اور اپنے متبعین کے لئے توحید پر قائم رہنے اور اس گھر میں خدا کا نام لینے کے لئے حاضر ہونے کی توفیق طلب کرتا ہوگا غرض اظہار عجز و نیاز کی یہی پہلی شکل ہے جو خدا کے حضور میں اس مسجد کے اندر ادا کی گئی ہے یہی سنت ہمارے لئے فرض ٹھیری۔ ویسے بھی تو ہم کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ وہاں اپنے ہادی کی تقلید میں چل کر پھر کر وہی حاضری کا عہد اور دعا کے کلمات زبان پر لاتے ہیں یہاں کاغذ پر نقش کئے ہوئے حروف (قرآن) ہم کو خدا کی یاد دلاتے ہیں اور ان کو ہاتھ میں لیتے ہیں تو عہد کرتے ہیں کا پتے ہوئے اس پر کاربند ہونے کا پختہ ارادہ کرتے ہیں۔ وہاں کے تمام در و دیوار اسکے ساتھ کی تاریخ انسان کے دل کو خدا کی عظمت و جلال کے آگے پانی کرتی ہے اور وہ ایک مقام پر[2] جو اس کام کے واسطے مخصوص کر دیا گیا ہے ہاتھ رکھکر یا بوسہ دیکر عہد کرتا ہے کہ میں توحید پر قائم ہوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) کو سمجھ لیتے ہیں اور اس خیال سے کہ زندہ کرنے اور مارنے کی حقیقت کو واضح کرنے اور قتل اور معافی میں اور اس صفت میں فرق ثابت کرنے کی بحث طول پکڑیگی اور یہ جاہل سمجھ نہ سکیگا مناظرانہ طریق پر فوراً قدرت کا ایک اور نشان پیش کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی قدرت سب پر غالب ہونی چاہئے ایک خدا نے آفتاب کو مشرق سے مغرب کی طرف چلایا ہے تم بھی خدا ہو تو اس کو مغرب سے مشرق کی طرف پھیر دو۔ اس مطالبہ پر وہ حیران رہ جاتا ہے اور اپنی قوت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔ (ملاحظہ ہو پارہ ۳ بقرہ رکوع ۳۵) عاقلانہ مناظرہ کی یہ پہلی مثال ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے پیش ہوئی۔

[1] حجر اسود ہی بوسہ دینے کیلئے مخصوص نہیں رکن یمانی کو بھی چومتے ہیں اور بعض روایات سے کعبۃ اللہ کے دیگر ارکان کو بوسہ دینا بھی ثابت ہوتا ہے یہ سب سنت ابراہیمی کا احیا ہے

[2] امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت اعتقاد کرے کہ وہ خدا سے اسکی اطاعت کرنیکا عہد کرتا ہے" اور جس طرح دستور ہے کہ انسان کسی بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر گناہوں سے توبہ کرنے کا عہد کرتا ہے اسی طرح ابن عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حجر اسود گویا ایک ہاتھ ہے جس پر ہاتھ رکھکر قول دیا جاتا ہے۔ حج کے اکثر ارکان کو معترضین توہم پرستی قرار دیتے ہیں اور حجر اسود کے چومنے کو بالخصوص بت پرستی کا نشان سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

(باقی بر صفحہ ۲۲)

تیرے نام کی تقدیس کرتا رہوں گا ۔

کعبۃ اللہ کے علاوہ چاہ زمزم ۔ صفا و مروہ اور حجرات بھی زبان حال سے عشق الٰہی کے فسانوں کو دہرانے اور طلب رضائے محبوب کے جذبات کو برانگیختہ کرنیکے اسباب ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں سب سے پہلا بیٹا بیوی ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوتا ہے ۔ بیٹے کی محبت اور اس بیوی کی محبت جو بیٹے کی ماں ہو جس قدر زبردست ہوتی ہے ظاہر ہے مگر محبوب ازل کو اپنی محبت کا امتحان منظور ہے بیٹے کے پیدا ہوتے ہی اس تعلق کو توڑنے اور محبت غیر اللہ سے روگردان ہونے کے لئے حکم ہوتا ہے کہ اس بیوی اور انکے شیر خوار بچے کو ایسے جنگل میں چھوڑ آؤ جہاں کوسوں تک آب گیاہ کا نام نہ ہو ۔ وہ تیار ہو جاتے ہیں بچہ شیر خوار ہے اسے کیا خبر مگر بیوی اولوالعزم پیغمبر کی بیوی ہے ۔ وہاں کا ہیبت ناک منظر دیکھتی ہے لیکن شوہر کی اطاعت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱) اس مسجد کے بانی ہیں اور انہیں کے بہت سے اعمال عبادت کو حج کے ارکان ٹھیرایا گیا ہے آپ کا دعا مانگنا یقیناً ثابت ہے اور دعا و عبادت کے لئے کسی خاص جگہ کو مقرر کر لینا انسان کی عادت ہے ۔ اب بھی بعض لوگ مسجد میں کوئی جگہ مقرر کر لیتے ہیں اور سب سے پہلے جا کر وہیں بیٹھ جاتے ہیں ۔ حضرت ابراہیم کعبۃ اللہ میں اسی پتھر پر سہارا دیکر کھڑے ہو جاتے ہونگے یا جس طرح ہم تلاوت کے بعد قرآن کو چوم لیتے ہیں وہ اسی پتھر پر بوسہ دیکر عبادت سے فارغ ہوتے ہونگے اسکی وجہ ہمارے آقا رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان میں یہ بتائی گئی کہ ہاتھ رکھکر معاہدہ کو پختہ کرنا مقصود ہے ۔ معاہدہ کے وقت قرآن یا بائبل وغیرہ کو ہاتھ پر رکھتے ہیں تو اسوقت یہ خیال کوئی نہیں کرتا کہ ان چیزوں میں کوئی خدائی طاقت موجود ہے تو ہمیں معاہدہ کو پورا کرنے میں مجبور کرے گی ۔ بلکہ ایسی چیز کے پاک و مطہر ہونے کا خیال دل کو نرم کرتا ہے اور اسوقت جو معاہدہ کیا جاتا ہے دل میں خود بخود اسکی پابندی کرنے کا عزم پختہ ہوتا ہے اور انسان نہایت ہی شریر اور بد باطن نہ ہو تو ایسے معاہدہ کی خلاف ورزی سے ضرور خائف ہوتا ہے ۔ یہی اثر اس پتھر پر ہاتھ رکھکر معاہدہ کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے وہ سب سے مقدم اور معظم مسجد میں نصب کیا گیا ہے اور سب سے بڑے ہادی نے اس کو اس غرض میں استعمال کیا ہے مگر جس طرح کاغذوں کا دستہ جس پر قرآن لکھا ہوا ہے ہاتھ رکھنے اور بوسہ دینے سے ہمارا معبود نہیں ہو گیا ۔ اور ہدایت کا سرچشمہ ہونیکی وجہ سے مقدس سمجھا جاتا ہے اسی طرح وہ پتھر بھی ہمارا معبود نہیں ۔ کتابوں میں یہ کتاب ہدایت کا سرچشمہ ہے تو مکانوں میں وہ مکان ہدایت کا منبع ۔ ہماری محبت دونوں سے وابستہ ہے اس کاغذ کا ایک ایک پرزہ اس در و دیوار کا ایک ایک ذرہ ہمارے دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے یہ قانون عقل نہیں قانون محبت ہے کہ محبوب سے نسبت رکھنے والی ذلیل سے ذلیل چیز بھی عشاق کی نظر میں عزیز سے عزیز ہوتی ہے ۔ ہاں محبوب کی چیز کو خود محبوب سمجھ لینا کفر ہے ۔ امر حق اور ہزار رحمت ہو جائے ہادی برحق پر (صلوات اللہ علیہ) کہ آنجناب کی تعلیم سے ہم اس کفر کے مرتکب نہیں ہو سکتے ۔ ہم معبود اور معبود کی طرف لیجانے کے ذرائع میں پوری تمیز رکھتے ہیں ۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا قدیم ہے اور خدا کا کلام بھی قدیم ہے الا قرآن خدا کا کلام ہے اس لئے وہ بھی قدیم ہے مگر باوجود اسکے ان اوراق کو جن پر قرآن لکھا ہوا ہے اور ان نقوش اور حروف کو جو کلام الٰہی کی نقل ہیں ہم مخلوق مانتے ہیں معبود نہیں سمجھتے ۔ انکی طرف سجدہ نہیں کرتے تو وہ پتھر

(باقی بر صفحہ ۳۳)

حکم خداوندی کی تعمیل سے انکار نہیں کرتی۔ لق ودق میدان میں بچہ کو چھاتی سے لگا کر بیٹھ جاتی ہے۔ مختصر کھانا اور پانی جو ساتھ ہے ختم ہو جاتا ہے تو بھوک اور پیاس کی تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کا عزم کرتی ہے لیکن چھاتی میں دودھ نہیں رہتا اور بچہ بلکنے لگتا ہے تو بشریت کا تقاضا اضطراب کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ بچہ کو زمین پر لٹا کر پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر نظر دوڑاتی ہے کبھی ایک ٹیلہ پر چڑھتی ہے کبھی دوسرے پر۔ یہ منظر اپنی ضرورت کے لئے جائز کوشش کرنے کا سبق دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ ہدایت کہ جب تک فضل ربانی شامل حال نہ ہو انسانی کوشش کچھ نہیں کر سکتی اور وہ چاہے تو پل بھر میں رحمت کا دریا بہا سکتا ہے۔ خدا کو اسی بربادی کے اندر سے آبادی کا جلوہ دکھانا منظور تھا اور خداشناسی کے تخم سے جو بیکس ضعیفہ کے دل میں بویا گیا ہے ارشاد و ہدایت کا تناور درخت پیدا کرنا اور فرقہ نسواں کی جفاکشی کو کم ہمت مردوں کے لئے تازیانہ عبرت بنانا مقصود تھا۔ وہ دیوانہ وار صفا و مروہ پر دوڑتی پھرتی ہے ادھر میدان میں آب خوشگوار کا چشمہ پھوٹ نکلتا ہے۔ مانا کہ چشمے کے پھوٹ نکلنے کا وقت آگیا تھا جاری ہو گیا مگر ضرورت کے پیش آنے اور سامان کے مہیا ہونے میں ایسا اتفاق معجزہ ہی کام تو خدا ہی کا ہے وہ سبوح قدوس کہتی ہوئی لپکتی ہے اپنی پیاس بجھاتی ہے اور بچہ کو دودھ سے سیراب کرتی ہے۔ کچھ عرصہ میں وہی بے آب و گیاہ جنگل ادھر اُدھر کے خانہ بدوشوں کا مسکن ہو جاتا ہے۔ بیوی بچے کو چھوڑ کر جانے والا خبر لینے آتا ہے تو قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھ کر حمد و شکر کا ترانہ گاتا ہے اور عزیز بچے کو چھاتی سے لگا کر کلیجہ ٹھنڈا کرتا ہے۔

مگر جو پاکیزہ روح خلیل اللہ کا منصب پانے والی ہے اس میں خدا کا عشق اور مخلوق کی محبت جمع ہونے سے غیرت ربانی پھر جوش میں آتی ہے۔ بچہ ہوشیار ہو گیا ہے۔ دوڑتا پھرتا ہے۔ شیریں کلامی اور خوش اطواری سے ماں باپ کا دل خوش کرتا ہے۔ حکم نازل ہوتا ہے کہ خدا کے نام پر بچہ کو قربان کر دو اور اس محبت کو ہمیشہ کے لئے نابود کر دو۔ عشق ربانی میں فنا ہونے کی یہ مثالیں اور کہاں نظر آئیں گی۔ باپ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لے چلتا ہے۔ زمین و آسمان میں تہلکہ پڑ جاتا ہے روحانیوں میں شور اٹھتا ہے۔ شیطان بھی انسان کے ساتھ ہے وہ بہکانے کے درپے ہوتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲) جو مسجد میں لگا دیا گیا ہے ہمیں کیونکر دھوکا دے سکتا ہے مسجد میں ہونے کی وجہ سے ہم اس کو پاک سمجھتے ہیں لیکن جناب فاروق (رضی اللہ عنہ) کی زبان میں پکار کر کہتے ہیں کہ وہ ایک پتھر ہے اور ہمیں کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کفار عرب اس پتھر کو کیسا ہی معظم سمجھتے ہوں ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہمارے اعمال افعال کا ماخذ نبی عرب علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے اور حضرت نے ہمیں فرما دیا ہے کہ اس پتھر کو ہاتھ رکھ کر معاہدہ کرنے کی غرض سے استعمال کرو بس ہمارے لئے پہلی سب باتیں کالعدم اور جو ہدایت ہمارے مولا نے دی ہے اسکا اتباع واجب ہے۔ ہم نے اسے قاضی الحاجات نہیں سمجھا اسکے آگے سجدہ نہیں کیا اس سے مرادیں نہیں مانگیں غیر اسلامی اثر نے مسلمانوں سے تعزیہ کے آگے سجدہ کروا دیا۔ قبروں سے مرادیں مانگوا دیں مطلب یہ کہ مشرکانہ ترغیب ہو تو مسلمان بھی شرک کرنے لگتے ہیں مگر حجر اسود کے آگے کسی مشرکانہ فعل کا رواج نہ ہوا تو وجہ کیا سکہ اس پتھر کی نسبت مشرکانہ تعلیم ہی نہیں دی گئی۔

پنے لختِ جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کی مذمت کرتا اور رحم و شفقت کا واسطہ دیتا ہے۔ شیطان کو پرانی اصطلاح میں کوئی جداگانہ مخلوق مانو یا معقول پسندوں کی اصطلاح میں بدی کی طرف لے جانے والی خواہش سمجھو کچھ بھی کہو وہ شیطان ہے۔ ہر انسان کے ساتھ ہے اور اسکے تصرف سے نکلنا ہر شخص کا کام نہیں۔ مگر خلیل اللہ جیسے عاشقِ صادق پر اسکے وسوسوں کا کیا اثر۔ وہ ان خیالات کو دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور رحم و شفقت کے جذبات کو دبانا چاہتے ہیں۔ ہم لوگوں کو ایسی جوکھوں میں پڑنے کا اتفاق کہاں ہوتا ہے۔ مگر اور کسی مشکل کام کا ارادہ کرنے کے وقت دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے پیش نظر لاؤ۔ کام کی ضرورت آمادہ کرتی ہے اور دل کی کمزوری پیچھے دھکیلتی ہے تو آدمی کا کیا حال ہوتا ہے۔ ضرورت کام کرنے کا ارادہ پختہ کرتی ہے تو دلی خیالات پر غصہ آتا ہے کچکچاتا ہے دانت پیستا ہے اور بے اختیار ہو کر ہاتھ پاؤں سے بھی ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے کہ گویا ان خیالات کو دھکیلنا اور ان سے دور بھاگنا چاہتا ہے۔ اسی طرح آنجناب بھی جذبات کا زور دیکھتے ہیں تو ان کو شیطانی وسوسہ سمجھکر جھنجلاتے ہیں اور فرطِ غیظ سے ہاتھ کے ساتھ وہی حرکتیں کرتے ہیں جو کسی شخص کو دھکا دینے اور پتھر مارنے کے وقت کی جاتی ہیں۔ ایسا خیال چلتے چلتے تین دل پر وارد ہوتا ہے اور تینوں بار اس کو دور کرنے کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ ان مقامات پر مینار نصب کر دئے گئے ہیں اور حجاج اسی طرح اُن میناروں پر کنکر مارتے ہیں جس کو رمی جمار کہتے ہیں۔

حج کا مدعا اطاعت حکم خداوندی کی ایسی ایسی بے نظیر مثالوں کو یاد دلاتا ہے۔ امیر غریب یکساں وضع اور ایک سادہ لباس میں ننگے سر اور برہنہ پا جس طرح ابراہیمی زمانے کا رواج تھا طواف[1] کرتے ہیں۔ حمد و ثنا کے الفاظ زبان پر ہوتے ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی

---

[1] طواف کے اندر پہلے تین چکروں میں تیز رفتاری سے چلنے کا حکم ہے جسکو رمل کہتے ہیں۔ کہنے والے اسپر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ عمرۃ القضا میں مسلمان طواف کرنے کے لئے آئے تو زمانہ ہجرت کے مصائب سے کمزور معلوم ہوتے تھے اور کفار انکی خستہ حالی پر ہنسی اڑاتے تھے۔ آنحضرت نے اسوقت کیلئے تیز چلنے کا حکم دیا تا انھیں کمزور نہ سمجھا جائے۔ مگر بعد میں جب یہ صورت نہیں رہی اور مسلمانوں پر ہنسی اڑانے والے فنا ہو چکے تو ہمیشہ کے لئے اس حکم کا جاری رکھنا بے سود ہے۔ مگر ہم مسلمانوں کو فرامین دربار رسالت پر کاربند ہونے کی ضرورت ہے۔ ہر چند کسی حکم کی مصلحت سمجھ میں نہ آئے اور ہم دیکھتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں بھی جبکہ مسلمانوں سے شماتت کرنے والا کوئی نہ رہا تھا اور مسلمان اسوقت تک کافی قوت حاصل کر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمل کرنا مروی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ فعل محض کفار کو مرعوب کرنے کے لئے جاری نہیں ہوا بلکہ کچھ اور مصلحت بھی رکھتا ہے۔ اپنی استطاعت کے موافق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیل حکم کے وقت تیز خرامی ذوق و شوق کو بھی ظاہر کرتی ہے اور جس طرح کسی قابل تعظیم بزرگ کی خدمت میں بیٹھنے یا کھڑے ہونیکے وقت سر جھکانا نظر کو نیچی رکھنا اور عجز و مسکنت کو ظاہر کرنا مقتضائے ادب ہے، اسی طرح کسی بزرگ کے استقبال کو جانا ہو یا اسکے کسی حکم کی تعمیل میں چلنا پھرنا ہو تو اطاعت شعار بندہ بے اختیار یا عمداً ایسی حرکات سے رغبت و شوق کا اظہار کرتا ہے اور جو کام کرنا ہو اسکی طرف تیزی سے لپکتا ہے۔ تیز چلنے سے تکلیف ہو جب بھی پہلے چند قدم جلدی اٹھاتا ہے اور ایسے موقعہ پر اگر آدمی آہستہ چلے تو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اس کام کو خوشی سے کرنا نہیں چاہتا یہی کیفیت نماز اور طواف کی ہے کہ نماز میں عجز و تضرع کے لئے آہستگی کا اظہار مناسب سمجھا جاتا ہے اور طواف میں تیز خرامی کو جو متانت اور خوش رفتاری

(باقی برصفحہ ۳۵)

کا خیال دل میں۔ حجر اسود کو بوسہ دے کر دعائے ابراہیم کے قبول ہونے کی التجا اور اپنے گناہوں سے باز رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ صفا و مروہ پر جا کر ہاجرہ ضعیفہ اور شیر خوار بچے کی صحرائی زندگی اور اسکے مصائب یاد کرتے ہیں۔ دوسری جانب چاہ زمزم رحمت ایزدی کی مواجی دکھاتا ہے۔ رمی جمار میں باپ کے ہاتھ سے بیٹے کے گلے پر چھری رکھی جانے کا واقعہ اور انسانی طبیعت اور خداوندی محبت کے مابین کشمکش ہونے کا نقشہ پیش نظر ہوتا ہے۔ قربانی کرتے ہوئے اس کا فضل و کرم یاد آتا ہے جسنے بینظیر آزمائش کے صلہ میں بیٹے کی جگہ جانور کی قربانی منظور فرمائی اور ہم گنہگاروں کے لئے اپنی راہ میں اولاد کی بجائے صرف مال سے دست بردار ہونا کافی قرار دیا۔ یورپ کے نوجوان ڈرامے کے اندر گردسیڈ کے بہادروں کی نقل اتارتے ہیں اور بھارت ورش کے ہنومت مہابھارت کے سورماؤں کا سوانگ بھرتے ہیں اور قومی جوش پیدا کرنے کا ذریعہ جانتے ہیں۔ خدا کے بندوں کو حج کے اندر نفس و شیطان سے جہاد کرنے والے اور راہ خدا میں جان کو ہیچ سمجھنے والے بہادروں کے کارنامے زندہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناٹکوں میں چند ایکٹر سوانگ بھرتے ہیں باقی تماشہ دیکھتے ہیں کھیل بن جاتا ہے۔ حج میں نہ کوئی تماشا دیکھتا ہے نہ کسی کو دکھاتا ہے۔ ہر شخص اپنے فعل سے اپنے تئیں فنا فی العشق کا سبق دیتا ہے اور ایک رنگ میں رنگین ہونے کی وجہ سے روحانی لہر برقی رو کی طرح دلوں کو روشن اور روح کو گناہوں کی ظلمت سے پاک کر دیتی ہے۔

ذکر کلام اللہ کے اندر تکرار مضامین کا تھا۔ درمیان میں حج کے متعلق طول دینے سے مدعا یہ ہے کہ قرآن کریم میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے مطابق مقتضائے حال کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ تکرار سب مضامین میں ہے اور سوائے چند قانونی ہدایات کے کسی حکم کو صرف ایک دفعہ ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ نیک جذبات کو تحریک دینے اور ہدایت کو دلنشیں کرنے کے لئے بار بار اعادہ کی ضرورت ہے۔ لیکن تکرار کی کثرت و قلت اور مضمون کے اہتمام و عظمت کا تناسب ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت آدم اور بنی اسرائیل کا قصہ بڑے بڑے اصولی قواعد پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان کا تکرار بھی سب سے زیادہ ہے۔ دیگر انبیاء کے حالات خاص خاص مناہی و معاصی کے نتائج دکھاتے ہیں۔ ان کا اعادہ و تکرار بھی اسی تناسب سے ہے۔ حضرت ابراہیم کا قصہ سب سے زیادہ اہتمام شان رکھتا ہے اور ایمان و اخلاص کی ماہیت ظاہر کرتا ہے جس کو دلنشین کرنے کے لئے اعادہ و تکرار کافی نہ تھا تو کلام کو بے وجہ طول دینے سے گریز کیا گیا ہے اور چند جا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد فریضۂ حج کی وساطت سے یہ غرض پوری کی گئی اور عملی دلچسپی پیدا کرنے سے اس کے ہمیشہ پیش نظر رہنے کا سامان کر دیا گیا ہے۔

قرآن کے اندر تکرار مضامین کا لطف نظام کائنات میں غور کرنے سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہاں ہر مدعا کو کثرت سے ملی ہوئی ہر شوق و محبت کا نشان قرار دیا گیا ہے اور وہ بھی سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں کہ یہی آقا کے سامنے فرماں پذیر غلاموں کی عادت ہے اور بابچے اور کمزور لوگ پر طواف تیزی سے کر نہیں سکتے۔ ۱۲

ساتھ ذکر کیا گیا ہے تو وہاں ہر غرض کو پورا کرنے کا سامان کثرت سے مہیا ہوا ہے۔ اجرام سماوی کے مقاصد و اغراض اکثر و بیشتر ہماری گرفت سے باہر ہیں۔ اس لئے ان کی کثرت سے بحث بھی نہیں ہو سکتی۔ البتہ زمین کی پیداوار کو دیکھو۔ ہر چیز لاتعداد اور بے انتہا پیدا کی گئی ہے۔ معدنیات اور زمین کے اندر کی چیزیں کیمیاوی ترکیب و تحلیل کے ساتھ باہر کی تمام اشیاء میں کار آمد ہیں اور ایسی کثرت سے پیدا کی گئی ہیں کہ ہمیشہ صرف ہوتی رہتی ہیں اور ذخیرہ ختم ہونے نہیں پاتا۔ نباتات اور حیوانات ایک دوسرے کے لئے کار آمد ہیں تو ان میں سے ہر چیز کی تولید میں ایسا اہتمام ملحوظ ہے کہ ذخیرہ ہمیشہ ضرورت سے بہت زیادہ مہیا رہتا ہے۔ نباتی اور حیواتی تخم اس کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ کسی پھل کو دیکھو اور حیوان کی کسی جنس کو لو۔ تخم کا بہت بڑا حصہ خام حالت میں ضائع ہو جاتا ہے۔ جو پختگی کو پہنچتا ہے۔ اس میں سے اس نسل اور اس جنس کو قائم رکھنے کی غرض میں اور دوسری چیزوں کی ضرورت میں صرف ہونے کے بعد* جس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ غرض خالق کائنات کے فعل میں ہر چیز کے اندر اس کی ظاہری ضرورت سے بہت زیادہ کثرت اور فراوانی کا اہتمام ہے تو دوسری جانب اس کے قول میں ہر مقصد و مدعا کا اظہار اسی کثرت و تکرار سے کیا گیا ہے۔ قول و فعل میں ایسی مشابہت اور مناسبت ثابت کرتی ہے کہ جس خالق نے دنیا کو بنایا ہے۔ اسی کی طرف سے قرآن کا نزول ہوا ہے اور جس خدا کا وہ فعل ہے۔ اسی خدا کا یہ کلام ہے۔

(باقی آیندہ)



* بہت بڑی مقدار بظاہر تباہ ہو جاتی ہے اور اس غرض میں استعمال نہیں ہوتی۔

محاسنِ ولایات

حکومت کی خوبیاں

عمار بن یاسر رضؓ سے حکومت کے بارے میں پوچھا گیا۔ کہا: یہ وہ ہے جس کے دودھ پینے میں شیرینی اور چھوڑنے میں تلخی ہے۔

مدینہ سے حجاج کی معزولی کا سبب

یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل مدینہ کا ایک وفد جن میں عیسےٰ بن طلحہ بن عبید اللہ بھی شامل تھا۔ عبد الملک بن مروان کے پاس آیا۔ ان سب نے حجاج کی تعریف کی مگر عیسےٰ خاموش رہا اور جب وہ اٹھکر چل دئے تو عیسےٰ اپنی جگہ پر جما رہا اور خلوت میسر ہونے پر اس کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ اور کہا: امیر المؤمنین! میں کون ہوں؟ کہا: عیسےٰ بن طلحہ بن عبید اللہ۔ کہا: اور تو کون ہے؟ کہا: عبد الملک بن مروان۔ کہا: تو کیا تم ہم سے انجان ہو گئے ہو یا ہمارے پیچھے کچھ اور بن گئے ہو؟ کہا: وہ کیونکر؟ کہا: ہم پر حجاج بن یوسف کو حاکم کر دیا ہے۔ اطوار اس کے نادرست ہیں اور ہمیں مجبور اس پر کرتا ہے کہ ہم اس کی ناحق ثناخوانی کریں۔ بخدا اگر تم نے پھر اس کو ہم پر مسلط کر دیا۔ تو ہم بگڑ بیٹھیں گے۔ پھر اگر تم ہم سے لڑے اور غالب ہو گئے اور برا سلوک کیا تو قطع رحم کے سوا حاصل؟ اور اگر ہم کو تم پر فتح نصیب ہو گئی تو تمھارا ملک چھین لیں گے۔ عبد الملک نے کہا: جاؤ گھر بیٹھو اور اس بات کا کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا۔

عیسےٰ یہ سنکر اپنے گھر چلا آیا اور حجاج صبح سویرے اس کے پاس پہنچا اور کہا: خدائے تعالیٰ تم کو تمھاری اس خلوت کی (جو امیر المؤمنین کے ساتھ حاصل ہوئی) نیک جزا دے کہ اس نے مجھ کو تمھارے عوض میں بہتر لوگ دے دئے۔ اور تم پر میرے لئے ایک دوسرا شخص تعینات کر دیا۔ اور مجھ کو عراق کی حکومت بخش دی۔

معمر بن ذئیب کہتا ہے کہ اہل عراق نے عبد الملک کے پاس درخواست کی کہ ان کو حجاج کی حکومت سے نجات بخشی جائے تو اس نے انھیں کہا: کہ تم حجاج کی بجائے ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو۔ یعنی اس کے بھائی محمد بن مروان کو یا اس کے فرزند عبد اللہ بن عبد الملک کو؟ جب حجاج کو یہ خبر پہنچی تو اس نے لکھ بھیجا: یا امیر المؤمنین۔ اہل عراق نے عثمان رضؓ بن عفان کی خدمت میں بھی سعید ابن عاص سے مخلصی پانے کی درخواست پیش کی تھی۔ پھر جب عثمانؓ نے ان کی درخواست پر اس کا استعفےٰ منظور کر لیا تو ان لوگوں نے آیندہ سال آکر ان کو قتل کر دیا۔ یہ پڑھکر عبد الملک نے کہا: بخدا اس نے سچ کہا ہے اور محمد اور عبد اللہ کو

لکھ بھیجا کہ تم حجاج کے مطیع و فرمانبردار رہو۔

مساوی ولایات

عبدالصمد ابنِ معذل نے اپنے ایک دوست کو جو نفاطات کی حکومت ملنے پر مغرور ہو بیٹھا تھا۔ لکھا:

لَعَمرِی لَقَدْ اَظْهَرْتَ تِيهاً كَاَنَّمَا — جان کی قسم تم نے تو ایسے غرور کا اظہار کیا ہے کہ گویا
تَوَلَّيْتَ لِلْفَضْلِ ابْنِ مَرْوَانَ عَسْكَرًا — فضل ابن مروان کی طرف سے عسکر کے والی ہو گئے ہو

دَعِ الْكِبْرَ وَاسْتَبْقِ التَّوَاضُعَ اِنَّهُ — تکبر کو چھوڑ دو اور فروتنی کو قائم رکھو۔ کہ
قَبِيحٌ بِوَالِي النِّفْطِ اَنْ يَتَغَيَّرَا — کہ ایسا تغیر والی نفط کے لئے قبیح ہے۔

لِحِفْظِ عُيُونِ النِّفْطِ اَحْدَثْتَ نَخْوَةً — تیل کے چشموں کی حفاظت پر اتنی نخوت ظاہر کر دی۔
فَكَيْفَ بِهِ لَوْ كَانَ مِسْكاً وَعَنْبَرَا — کون جانے کہ اگر مشک و عنبر ہوتا تو کیا کیفیت ہوتی۔

ابن المعتز کا قول ہے:۔

كَمْ تَائِهٍ بِوِلَايَةٍ — بہت ادھر حکومت پر متکبر ہوتے ہیں
وَبِعَزْلِهِ يَعْدُو الْبَرِيد — اور ادھر ان کی معزولی کا حکم لے کر ڈاک دوڑ پڑی ہوتی ہے۔

سُكْرُ الْوِلَايَةِ طَيِّبٌ — حکومت کا نشہ تو خوب ہے
وَخُمَارُهُ صَعْبٌ شَدِيد — لیکن اس کا خمار سخت مشکل ہے۔

لبید کا قول ہے:۔

لَا تَفْرَحَنَّ فَكُلُّ وَالٍ يُعْزَلُ — مت پھول کہ ہر حاکم معزول ہو جاتا ہے
وَكَمَا عُزِلْتَ فَعَنْ قَرِيبٍ تُقْتَلُ — اور جیسے کہ تو معزول ویسے ہی عنقریب مقتول بھی ہوگا۔

وَكَذَا الزَّمَانُ بِمَا يَسُرُّكَ تَارَةً — اور زمانے کا یہی رنگ ہے کہ کبھی تیری خوشی کا
وَبِمَا يَسُوءُكَ تَارَةً يَتَنَقَّلُ — سامان پیدا کر دیتا ہے اور کبھی ناخوشی کا۔

کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

کسی فارسی شاعر کا قول ہے :-

علاملاں چوں زناں حاملہ اند گر بیہ دارند وقت زائیدن
چوں زحیض و نفاس پاک شوند باز دارند میل گائیدن

مودت کی خوبیاں

کسی دانا نے کہا ہے : بھائیوں کی دوستی کے بغیر زندگی کا کچھ مزہ نہیں * کسی اور کا قول ہے : بھائیوں کی کثرت سے عمر بڑھتی، خوشحالی ترقی کرتی ہے * اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ : لوگوں کے ساتھ اس طرح بسر کرو کہ جب تک جیو تمھارا دم بھریں اور جب مر جاؤ تو تم کو رو رو کر یاد کریں ؎

قَدْ يَمْكُثُ النَّاسُ حِيْنًا لَيْسَ بَيْنَهُمُ وِدٌّ فَيَزْرَعُهُ التَّسْلِيْمُ وَاللُّطُفُ
يُسْلِي الشَّقِيْقَيْنِ طُوْلُ النَّأْيِ بَيْنَهُمَا وَتَلْتَقِي شُعَبٌ شَتّٰى فَتَأْتَلِفُ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن میں باہم کچھ معرفت نہیں ہوتی۔ (جب) ان کو ایک زمانہ (اکٹھے) رہتے گذر جاتا ہے تو نرم خوئی اور صاحب سلامت دوستی کا بیج بو دیتی ہے۔

آپس کی دوری جب دراز ہو جاتی ہے تو بھائی کو بھائی سے بھلا دیتی ہے اور مختلف گروہ جب اکٹھے رہنے لگتے ہیں تو ان کی آپس میں الفت ہو جاتی ہے۔

علی ابن ابی طالب نے (خدا ان سے خوش ہو) اپنے بیٹے حسین (رضی اللہ عنہ) کو فرمایا :- اپنے دوست سے پوری دوستی کر، لیکن اس سے پورا مطمئن نہ رہ اور اس کی ہر طرح غمخواری کر۔ مگر اس کو اپنا سارا بھید نہ دے۔

عباس بن جریر کا قول ہے۔ مودت، دلوں کا جھکاؤ، روحوں کا ملاپ۔ جانوں کی ملنساری، اور دوری لقا کے وقت وحشت خیزی، کثرت دیدار کے ساتھ مسرت زائی کا نام ہے اور خصلتوں کا اتفاق، جواہر کی مشاکلت کے مطابق ہوتا ہے۔

بعض داناؤں کا قول ہے کہ جو شخص صرف اسی بھائی کے ساتھ رشتہ برادری قائم کرنا چاہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، اس کو کمتر ہی دوست نصیب ہوں گے اور جو اپنے دوست سے بغیر ایثار کے کسی حالت پر راضی نہ ہو، وہ ہمیشہ ناخوش رہے گا۔ اور جو بغیر گناہ کے دوسرے کو ملامت کرنے کا عادی ہو۔ اس کے دشمن بہت پیدا ہو جائیں گے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ بڑا اپاہج وہ شخص ہے جو بھائیوں کی تلاش میں کمی کرے۔ شاعر نے کہا ہے :-

لَعَمْرُكَ مَا مَالُ الْفَتٰى بِذَخِيْرَةٍ وَلٰكِنَّ إِخْوَانَ الثِّقَاتِ الذَّخَائِرُ

تیری زندگی کی قسم مال جوانمرد کا ذخیرہ نہیں ہوتا لیکن معتمد دوست ہی ذخائر ہوا کرتے ہیں۔

مودت کی برائیاں

مامون نے کہا ہے: اخوان کے تین درجے ہیں۔ ایک طبقہ غذا کی مانند ہے جس سے چارہ نہیں۔ ایک طبقہ دوا کی مانند جس کی کبھی کبھی ضرورت ہوا کرتی ہے اور ایک طبقہ بیماری کی مانند جس کی حاجت نہیں پڑتی۔

ایک اہل قلم نے لکھا۔ فلاں صاحب مجھ سے بڑی خوبصورتی، شیریں کلامی، کشادہ روئی اور نرم خوئی سے پیش آتے رہے۔ لیکن جب آزمائش نے ایک ذراسی حاجت کے وقت ان کی اصلی حالت کو وا انکشاف کیا۔ تو وہ ایک ایسا سنہری ملمع کا تابوت نکلے جس کے اندر گندگی بھری ہوئی ہو۔ جو اسی وقت تک دلپذیر ہو سکتا ہے جب تک بند رہے۔ کھلا نہیں اور بدبو کے مارے دم ناک میں آیا نہیں ؎

واللہ لو کرھت کفی منادمتی لقلت للکف بینی اذ کرھتینی

بخدا اگر میرا ہاتھ میری صحبت کو ناپسند کرے۔ تو میں اپنے ہاتھ کو کہہ دوں: الگ ہو جا۔ کیونکہ تو مجھ سے خوش نہیں ہے۔

کسی اور نے کہا ہے:-

ولو انی تخالفنی شمالی لما اتبعتھا ابدا یمینی
اذا لقطعتھا ولقلت بینی کذالک اجتوی من یجتوینی

اگر میرا بایاں میری مخالفت کرے تو میں اپنا داہنا ہاتھ اس کے ساتھ نہ ملاؤں (اور) فوراً اس کو کاٹ ڈالوں اور کہہ دوں کہ الگ ہو جا۔ جو مجھے گوارا نہیں کرتا میں بھی اس کو گوارا نہیں کرتا۔

کسی اور نے کہا ہے

من لم یردک فلا تردہ لیکن کمن لم تستفدہ
باعد اخاک ببعدہ فاذا نأی شبرا تزدہ

جو تجھے نہ چاہے تو اسے نہ چاہ، وہ تجھے ذرا مفید نہیں۔ اپنے دوست کی دوری کے ساتھ تو بھی دوری اختیار کر۔ جب وہ ایک بالشت کا فاصلہ پیدا کرے تو تو اس کو اور زیادہ کردے۔

تود عدوی ثم تزعم اننی اودک ان الرای منک لعازب
ولیس اخی من ودنی رای عینہ ولکن اخی من ودنی وھو غائب

تم میرے دشمن سے دوستی رکھو اور سمجھو کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ یہ رائے تم سے بعید ہے۔ میرا بھائی وہ نہیں جو آنکھوں کے

سامنے مجھے چاہے۔ میرا دوست تو وہ ہے جو آنکھوں سے پرے مجھ سے محبت رکھے۔

اِنَّ اخْتِیَارَکَ لَا عَنْ خِبْرَةٍ سَلَفَتْ ‏ ‏ ‏ اِلَّا الرَّجَاءُ وَمِمَّا یُخْطِئُ النَّظَرُ

کَالْمُسْتَغِیْثِ بِبَطْنِ السَّیْلِ یَحْسَبُهُ ‏ ‏ ‏ حِرْزًا یُبَادِرُهُ اِذْ بَلَّهُ الْمَطَرُ

تمہارا انتخاب، جبکہ محض رجاء کی بنا پر ہو نہ کہ کسی گذشتہ آزمائش کے موجب (اور نظر بھی خطا کر جایا کرتی ہے) ایسا ہے، جیسے کوئی سیلاب گاہ کے اندر پناہ لینے والا کہ جب بارش اس کو کھگونے لگے تو وہ اسے بچاؤ کی جگہ سمجھ کر اس کی طرف بڑھے۔

کسی اور نے کہا ہے

وَصَاحِبٍ کَانَ لِیْ وَکُنْتُ لَهُ (۱) اَشْفَقُ مِنْ وَالِدٍ عَلٰی وَلَدِ

وَکَانَ لِیْ مُؤْنِسًا وَکُنْتُ لَهُ (۲) لَیْسَتْ بِنَا وَحْشَةٌ اِلٰی اَحَدِ

کُنَّا کَسَاقٍ مَشَتْ بِهَا قَدَمٌ (۳) اَوْ کَذِرَاعٍ نِیْطَتْ اِلٰی عَضُدِ

حَتّٰی اِذَا اَمْکَنَ الْحَوَادِثُ مِنْ (۴) خَطِّیْ وَحَلَّ الزَّمَانُ مِنْ عُقَدِ

اِزْوَرَّ عَنِّیْ وَکَانَ یَنْظُرُ مِنْ (۵) عَیْنِیْ وَیَرْمِیْ بِسَاعِدِیْ وَیَدِیْ

حَتّٰی اِذَا اسْتَرْفَدَتْ یَدِیْ یَدَهُ (۶) کُنْتُ کَمُسْتَرْفِدٍ یَدَ الْاَسَدِ

ترجمہ:-

(۱) میرا ایک ہمنشین تھا۔ وہ اور میں ایک دوسرے پر اس سے بڑھ کر شفیق تھے کہ کوئی باپ اپنے بیٹے پر ہو۔

(۲) وہ میرا انیس تھا اور میں اس کا کسی کو ایک دوسرے سے وحشت نہ تھی۔

(۳) ہم دونو ایسی پنڈلی تھے جس سے پاؤں چلتا ہے یا ایسی کلائی جو بازو سے پیوستہ ہو۔

(۴) مگر جب حوادث نے میری قسمت پر قابو پایا اور زمانے نے میری گرہ کو کھول دیا۔

(۵) تو وہ مجھ سے پھر گیا حالانکہ کبھی میری آنکھ سے دیکھتا اور میرے دست و بازو سے تیر چلاتا تھا۔

(۶) چنانچہ جب میرے ہاتھ نے اس کے ہاتھ سے مدد چاہی تو میرا حال وہ تھا جیسا شیر کے ہاتھ سے امداد چاہنے والے کا۔

کسی اور نے کہا ہے:-

فَیَا عَجَبًا لِمَنْ رَبَّیْتُ طِفْلًا (۱) اُلَقِّمُهُ بِاَطْرَافِ الْبَنَانِ

اُعَلِّمُهُ الرِّمَایَةَ کُلَّ یَوْمٍ (۲) فَلَمَّا اشْتَدَّ سَاعِدُهُ رَمَانِیْ

اُعَلِّمُهُ الْفُتُوَّةَ کُلَّ یَوْمٍ ‏ ‏ ‏ فَلَمَّا طَرَّ شَارِبُهُ جَفَانِیْ

اُعَلِّمُهُ الرِّمَايَةَ كُلَّ يَوْمٍ (۴) فَلَمَّا اشْتَدَّ سَاعِدُهُ رَمَانِي

(۱) دیکھو کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس کو میں نے بچپن میں انگلیوں کے سروں سے لقمے دے دے کر پرورش کیا۔

(۲) اور جس کو میں ہر روز تیر اندازی سکھاتا رہا جب اس کا بازو مضبوط ہوگیا تو اس نے مجھی کو نشانہ بنایا۔

(۳) میں اس کو ہر روز جوانمردی کا سبق دیتا رہا اور جب اس کی مونچھیں نکلیں تو اس نے مجھ پر جفا کی۔

(۴) میں اس کو ہر روز شعر خوانی کی تعلیم دیتا رہا اور جب وہ شاعر ہوا تو میری ہجو کی۔

زندہ آتشدان

حرارت غریزی ہوا کے آکسیجن (Oxygen) اور جسم کے کاربن (Carbon) کے اجتماع سے جو ہماری غذا سے حاصل ہوتا ہے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کاربن جو بصورت غذا کے ہمارے اندر جاتا ہے اور نسیج بدن کی ساخت [illegible] ہے اس وقت کہ ہم [illegible] عصب کو حرکت دیتے ہیں خواہ وہ عصب دماغ کا ہو یا پھیپھڑوں کا یا جوڑوں کا۔ اور جب کبھی ہم فکر یا [illegible] کرتے ہیں تو یہ [illegible] موجود رہتا ہے اور یہی حرارت بشکل آکسیجن کے ساتھ اتحاد یعنی احتراق [illegible] واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا جتنی [illegible] ہم سوچنے کا کام کرتے ہیں اور دریافت فرماتے ہیں اتنا ہی زائد کاربن ہم جلاتے ہیں اور اتنی ہی زیادہ مرمت ہمارے جسموں کو درکار ہوتی ہے۔

بنا بریں زندگی [illegible] قدر [illegible] کاری کی زندگی ہم بسر کرتے ہیں اتنی ہی سرعت سے ہمارے اجسام کے ذرات [illegible] رہتے ہیں۔ [illegible] ان اصولوں [illegible] حافظہ پر [illegible] کرنے کی [illegible] کرسکتا ہے

ہمیں اپنے قارئین کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔ جہاں سائنس Science (علم وفن) کے مسائل کا تعلق ہو وہاں چبا چبا کر باتیں کرنا ٹھیک نہ رہے گا۔ [illegible] ہم پیش قدمی کرنے کو ہیں۔ مقطع لوگ تو بلاشبہ اس کے مزاحم ہونگے مگر ہم [illegible] دعویٰ پیش کرنے کو [illegible] ہیں کہ ہم لوگ [illegible] انگیٹھیاں چلتے آتشدان اور [illegible] بھٹیاں ہیں۔ ہمارا اس کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص ان [illegible] سے سگار سلگا سکتا ہے۔ [illegible] سکتا ہے [illegible] ہی روشن کرسکتا ہے۔ تو بھی ہم پھر یہی کہینگے کہ ہمارے اجسام انگیٹھیاں آتشدان اور [illegible] ایسے آلات کیلئے استعمال ہوسکیں جو حرارت کی خاص پیداوار کے واسطے بنے ہوں اور کیا جسم انسانی میں آکسیجن اور کاربن کے

سے اجتماع سے حاصل شدہ حرارت، ٹھیک ویسی ہی نہیں جیسی کہ کسی کشادہ آتشدان میں ایندھن جلنے سے پیدا ہو؟ اور کیا یہ اجتماع شریانوں کی انابیب شعریہ میں واقع نہیں ہوتا؟

مگر اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ ہمارے اجسام ممکن الثبوت انگیٹھیاں ہیں، قاری یہ جاننے کی خواہش کریگا۔ کہ ہم اپنا ایندھن کہاں سے بہم پہنچاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے ہمارا کوئلہ اور ایندھن ایک بڑی دلچسپ شکل میں ذخیرہ ہیں۔ وہ ہمارے آگے روٹی، مکھن، بیضے، انڈے اور سموسے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قلیہ اس کے لئے لحم خنزیر کے قتلے، اور بھیڑ، بکریوں کے دستے، ران، گوشت، لوبیا، شوربا۔ یہ کھانے چھپروں میں لاتے ہیں۔ ہم ان کی بجائے کٹوروں، تشتریوں یا آبخوروں میں یا ان سب پر بنے ترتیب سے پیش کئے جاتے ہیں۔

فی الحقیقت جس وقت تم کسی شخص کو طعام کی دعوت بھیجتے ہو تو درحقیقت تم ان کے واجب التکریم رفقا سے ایندھن سمیٹنے کی درخواست کرتے ہو، اور جب تم آنجناب کو اپنے خوانِ نعما پر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اکل و شرب میں مشغول دیکھتے ہو تو تم جانتے ہو کہ وہ حرف بحرف اپنی جسمانی بھٹی میں ایندھن جھونک رہا ہے۔ یہ ایندھن جو انابیب شعریہ میں جلتا ہے اس کی ابتدائی شکل Carbon (فحم (کوئلہ) ہے، ایک قلیل ہائیڈروجن (ہوائی جزو آبی) اور کبریت Sulphur کے ساتھ۔ مگر ہم اس کو ہضم کرتے ہیں تو چربی نشاستہ شکر، الکحل اور دیگر غیر مشتعل مرکبات کی صورت میں اس ہمارے بدن میں اشد الحرارت جوہر شحم (چربی) ہے۔ تمہاری انگیٹھی کے اندر دس پونڈ کی مقدار میں اس مصالحہ کی آمد اتنا ہی کام کرے گی یعنی اسی قدر حرارت بہم پہنچائے گی جتنی نشاستے کے ۲۵ پونڈ شکر کے ۲۵ اور عرقیات کے ۲۶۔

اور یہ مشاہدہ کرنا ایک مزیدار چیز ہے کہ آدمی کی فطرت کس فطانت کے ساتھ ان اشیاء کے ساتھ وابستہ ہے جو اس کے واسطے ایندھن کی ایسی قسمیں مہیا کر دیتی ہیں جن کی اس کو ضرورت ہے۔ اسکیمو روغنی غذا کا بحد نہایت طرفدار ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ کیوں، اس نے حیوانی حرارت کا عقیدہ کبھی نہیں سنا۔ مگر اس کو خود بخود بالقاء یہ شعور حاصل ہے کہ کچھ اور بحری جانوروں کی چربی اس کے واسطے ہے۔ اس کو آلو اور متبہ پر بسر کرنے کا فتوی دو۔ وہ بیچارہ اس بیرحمی کو ویسا ہی برا منائے گا جیسا کہ قدیم مذہب کا امیر آدمی، اگر اس کو صرف ہیچ پر گذران کرنے کا حکم صادر ہو۔

وحشی اس بارے میں بالکل سچا ہوگا۔ چونکہ وہ شمالی آسمان کی تند سردی کے سامنے بالکل برہنہ ہے۔ ہر چیز جو اس کے اردگرد ہے اس کے مادۂ حرارت کو دھڑا دھڑ لوٹ رہی ہے۔ اب جس چیز کی اسکو احتیاج ہے۔ وہ روغنی خوراک کی بہتات ہے۔ کیونکہ وہ اس سے گرمی کی سب سے بڑی مقدار فراہم کر سکتا ہے۔

دوسری جانب خطوط سرطان و جدی کا متوطن کیمیائے حیوانی سے بے بہرہ ہونے پر بھی خورش سے احتراز کرتا ہے۔ جس کو اس کی آب و ہوا ناسازگار قرار دیتی ہے اور چاول کھجور یا دیگر آبی حیوانوں سے اپنی تبر ید کرتا رہتا ہے۔

یہاں سے ہم اس کا سبب دریافت کرسکتے ہیں کہ کیوں ایک ہٹا کٹا آدمی خوراک سے محروم رہ کر بھی ایک ہلکے پھلکے شخص سے مزید مدت تک اپنی جسمانی حرارت کو قائم رکھ سکتا ہے۔ شحم انسانی آدمی کی چربی ایسا ایندھن ہے جو برتنے کے واسطے رکھ چھوڑا ہوا ہے۔ اس سے روغنی مواد کا ایک گنج طیار ہوتا ہے جس کو اس کا مالک اپنے معمولی ذخائر کے نبڑ چکنے کے بعد برت سکتا ہے۔ سب موٹے تازے آدمی خوشی سے اتنے پھول جائیں کہ پھولے نہ سمائیں۔ ہم انھیں اپنی دلی اور شاید حاسدانہ مبارکباد اس مقدرت پر دیتے ہیں کہ وہ بہرکیف برودت کے بالمقابل طویل محاصرہ قائم رکھ سکتے ہیں۔

یہی باعث ہے کہ جو حیوانات سرما کو مردگی کی حالت میں گزارتے ہیں جیسے کہ ریچھ جبرلوا۔ مارموٹ۔ دارموش اور خفاش وغیرہ سرمائی مقامات میں عزلت گزیں ہونے سے پہلے عموماً خوب فربہ ہوجایا کرتے ہیں۔ وہ اپنی خواب گراں کے اثنا میں اپنے چربی لگے سرمائے پر گذر اوقات کرتے رہتے ہیں۔ تنفس کی رفتار بہت گھٹ جاتی ہے۔ نبض کی ضربات کم ہو کر فی دقیقہ چند ہی رہ جاتی ہیں اور حرارت مزاج کا درجہ تو شاید نقطۂ انجماد ہی کے قریب پہنچ جاتا ہے اور جب بے حسی کا زمانہ نبڑ جاتا ہے تو وہ اپنی گپھاؤں اور بھٹوں میں سے اپنے ایندھن کا ذخیرہ ختم کرکے دبلے اور "پھاڑ کھاؤ" ہو کر نکل پڑتے ہیں۔ بجور ابیۂ خرس کے بیوپاریوں کو جو ان کی نگاہ میں بہت بیش قیمت ہے خود دھوکا دینے کی فکر میں نظر آتا ہے۔

لیکن ہمارے اندر کے اس حرارت ساز آلہ کی شاید سب سے موثر صورت اس کی خود انضباطی کی اپنی قوت ہے۔ ہمارے خانگی آتشدانوں کی آنچ ایک لمحے میں مدھم پڑ جاتی ہے تو دوسرے میں تیز ہوجاتی ہے۔ کبھی تو گھر کی بیوی افراطِ حرارت کے باعث غش آجانے کی دھمکی دیتی ہے اور گاہے میاں بے حد سردی کے لحاظ سے ایک ہنگامی غرض کے ساتھ لوہے کی کڑھنی کا جوشاندہ استعمال کرکے درجہ حرارت کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔

کہیں ایسی گڑبڑ ہمارے لحمی آتشدانوں میں ہوتی تو ہم کو بہت بڑی بے آرامی جھیلنی پڑتی۔ بہت گرم اشیا کے کھا لینے یا ایک ساعت غیرمعمولی محنت میں صرف کرلینے کے بعد حرارت کا ریلا نظام بدن کو تپ محرقہ کی حالت میں ڈال دیتا۔ پھر اس کا سدباب کیونکر ہوتا ہے؟ ہمارے بعض صناعی آتشدانوں میں ہوا کے داخلے کو منضبط رکھنے کے لیے چھوٹے دروازے یا راہیں ہوتی ہیں۔ سٹیم انجنوں کے تنوروں میں ہم Dampers رکھ سکتے ہیں جو خود مشین کی ہنرمندانہ ترکیبوں کے ذریعے وہی مطلب پورا کرسکینگے۔

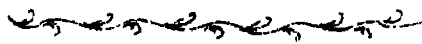
مگر نہ تو دروازے نہ Dampers نہ نلکیاں، نہ پھکنیاں جسمانی مشین میں کوئی درکار نہیں۔ اگر ایک طرف ہماری انسانی آتش حرارت کے ناواجب خرچ سے ڈھیلی ہونے لگتی ہے تو بھوک جھٹ چلا اٹھتی ہے اور مالک کو چاروں طرف ایندھن کی جھانک پر مجبور کردیتی ہے۔ گرسنگی گھنٹہ بجاتی اور لذیذ کھانوں کی شکل میں کوئلے کا حکم صادر کردیتی ہے۔ طبی نامرے غفلت ہوجائے تو بھنڈارے میں ابھری ہوئی چربی، جیسا کہ ہم مشاہدہ کرچکے ہیں، تنور کو مصروف رکھنے کے واسطے چولھے میں جھونک دی جاتی ہے۔

اور اگر دوسری جانب حرارت جسمانی نامناسب طور پر تند و تیز ہوجائے تو تخفیف کا ایک نہایت شاعرانہ جتن اختیار کرلیا جاتا ہے
جب کوئی شئے بہت گرم ہوجائے تو اس کو سرد تر حالت میں لانے کا سادہ ترین طریقہ اس پر پانی چھڑک دینا ہے۔ عین یہی صورت
ہمارے جسمانی ڈھانچے میں واقع ہوتی ہے کہ جونہی ہماری اندرونی گرمی اپنی مقررہ اونچائی سے آگے بڑھی، پسینے کی نالیاں اس
حادثہ سے طیش میں آکر اپنے چھ سات بلین مساموں کے ساتھ تمام بدن کی سطح کو غسل دینے کے لئے فوراً عرق پاشی شروع کردیتی
ہیں۔ اسی واسطے جب کبھی کوئی آدمی بافراط مخمور ہوجاتا ہے، تو وہ علی الدوام کاروبار، دوا دوش، صف آرائی، پیکار جوئی، خطبات
غضوبہ کے القاء یا دیگر سنگین جانفشانیوں سے اطفائے حرارت کے اسی اسلوب کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی اسلوب آب
پاشی (یا سکب الماء) کی طرف۔

میاں قاری: تب ہم کیا کہینگے؟ "معقولیت کے ساتھ کلام کرتے ہوئے، اور محض انسانی نکتہ نگاہ سے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے"
کیا اس ساخت سے بڑھکر بھی کوئی اختراع بے توقع ہوسکتی ہے۔ جو جسم انسانی کی مانند نرم و نازک ہو اور اس میں ایندھن جلایا جاتا ہو
ایک ساخت جو بالاکثر محض سائلات سے مرکب ہو، جو وفورِ حرارت سے بآسانی بھلس اور افراط برودت سے گزند پائے!! کیا
یہ اچنبھا نہیں؟ کہ کسی آتشدان کی دیواریں گوشت کی، نالیاں رگوں کی، اور غلاف چمڑے کا ہو۔ تاہم ایسا ایک آلہ موجود ہے
جو گویا کہ جادوگری سے حرارت کی ایک مستقل رد پیش کرتا ہے۔ جو اپنے سرچشمے سے خستت کے ساتھ نہیں جھڑتی بلکہ رات دن،
سردی گرمی میں "بغیر ایک لحظہ کے توقف کے" جنوری سے دسمبر تک جاری رہتی ہے۔

اس عالیشان مشین کو سرد سے سرد اقالیم میں لے چلو، اور وہاں لگاؤ جہاں ایسے کڑاکے کے جاڑے ہوں کہ طبیعت کھلے
ہوئے مردے کی طرح دکھائی دے رہی ہو۔ لیکن یہ اب بھی اپنے پُراسرار ذخیروں کو کثرت کے ساتھ بلاتخفیف انڈیل رہی ہوگی اور
یہ ایسی مشین ہے جو اپنا کام بغیر کسی نگرانی کے اور "ایک بڑی حد تک" بلا امداد اعدے انجام دیتی ہے۔ وہی ایندھن جو بے ترتیب
تودوں کی شکل میں اس کے اندر ڈالا گیا ہے، اندر ہی اندر اس کی چھنائی اور چھنٹائی ہوجاتی ہے، چنانچہ آتشگیر اجزا اچوک باقاعدگی کے
ساتھ ٹھیک اپنی اپنی جگہ پہنچا، اور اپنے اپنے منصب پر لگا دیئے جاتے ہیں۔ اس کی آنچوں کو تیز، جوشش کو معتدل، اور خاکستر کو
منتقل کرنے کے لئے کسی ہاتھ کی ضرورت نہیں، دھواں کوئی نہیں، چنگاری کوئی نہیں، شعلہ کوئی نہیں۔ سارا انتظام ایسا لطیف
ہے کہ آگ کے اندر سلگتے رہنے سے اُجلے سے اُجلا چہرا نہ تو سکڑتا ہے نہ میلا ہوتا ہے۔ کیا یہ آلہ ان حالات میں واقع ہے جو جلدی
سے اس کی حرارت مسلوب کرلیتے ہیں؟ جی ہاں۔ اس وقت بھوک کھانے کے لئے شور مچادیتی ہے اور اس کے مطالبات بیباق
کرنے کو لمبی آتشدان چپ چاپ بھر دیا جاتا ہے یا یک اہم حرارت مفرد سے معرض خطر میں ہیں؟ تب تو پسینے کی رد کے چھوٹے چھوٹے
پھاٹک کھولنی دیئے جاتے ہیں اور اس وقت تک کہ اندر کے تاؤ گھٹ کر اپنی معمولی سطح پر آجائیں، سطح زیر آب رہتی ہے۔
ایک جانب سے حرارت کا دھاوا ہوتا ہے۔ جسم اگر مقاومت کا امکان ہو۔ اس وقت تک کہ رطوبت کا ذخیرہ ضائع نہ ہو،

حملے کی مدافعت کرتا رہتا ہے۔ دوسری طرف سے سردی کا ہجوم ہوتا ہے تو یہ جمع شدہ ایندھن کے خرچ ہو جانے تک غنیم کو روکتا رہتا ہے۔ اس طرح محفوظ ہو کر اور اس کیفیت سے نزاد حاصل کر کے آؤ ہم پوچھیں کہ آیا یہ انسانی چولھے کائنات کے غیر متحرک انجوبوں میں شمار ہونے کے مستحق نہیں ہیں؟ کیا اس امر کا علم چونکا دینے والا نہیں؟ کہ رُت نرم ہو یا سخت، ہوا گرم ریگستان سے چلتی ہو یا قطب کی برفانی بارش سے لدی آتی ہو۔ درجہ حرارت و برودت کے تغیرات اتنے شدید ہو لیں جتنے کہ ہمارے بغیر ہو سکتے ہوں، تو بھی ہمارے اندر ایک ساکن غیر متبدل اور لازوال گرمی کا موسم ہوگا۔

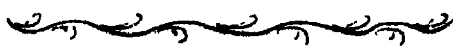


اسلام دُنیا کا بہترین مذہب ہے

میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں لیکن میں نے ہندو عیسائی اور اسلامی مذاہب کے مطالعہ زندگی کو اپنی بہترین توجہ کا خراج دیا ہے۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے اور ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ میری رائے میں جس مذہب کو اخوت باہمی اخلاق و تہذیب اور اتحاد کی دولت فراوانی اور کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے وہ تمام مذاہب کا سردار اسلام ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ پیشانی اس کا امتیازی نشان ہے وہ بہ لحاظ اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی شفیق آغوش میں پناہ دیتا ہے۔ اس کے در سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ہر خیال و رنگ کے انسان اس کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اچھوت پن کو دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور مذہب اس لعنت کے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا پیغمبر اسلام صلعم تمام اوصاف حسنہ کے مجسمہ تھے۔ مسلمان فطرتاً روحانیت پسند واقع ہوئے ہیں۔ انہیں تہذیب و اخلاق سے خاص لگاؤ ہے بخلاف ازیں ہندو مادی ترقی کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ ان کی تمام خصلتیں نمائشی ہیں اور میری پیشینگوئی ہے کہ اگر ہندو سوسائٹی کا یہی طرز عمل رہا تو ہندو قوم دو صدیوں کے اندر صفحہ ہستی سے محو ہو جائے گی اور بنی نوع انسان کا بیشتر حصہ دین فطرت کا پیرو ہو جائے گا۔ میری دلی خواہش ہے کہ خداوند کریم میری پیشینگوئی کو پورا کرے اور اسلام کے جھنڈے تلے لا کر بنی نوع انسان کی تمام تکالیف کو دور کرے۔

(شری راج وید پنڈت گدادھر پرشاد صاحب رئیس اعظم الٰہ آباد)

(پیشوا)



مزدور کی آواز :-

(از جناب جمیل مظہری کاظمی ایم-اے)

از عزم جوانی ہوں عکسِ رخِ فردا ہوں ÷ محنت مری دولت ہے، مزدور کا بیٹا ہوں

پلتی ہے مری قسمت تدبیر کے دامن میں ÷ خوابیدہ ہیں امیدیں تقدیر کے دامن میں

مجھ سے ہوئی آبادی ویرانۂ ہستی کی ÷ ہے خون مرا سرخی افسانۂ ہستی کی

دنیا میں کھلائے ہیں گلزار ارم میں نے ÷ کعبے میں اٹھائی ہے دیوارِ حرم میں نے

ہے کشتِ عمل تازہ محنت کے پسینے سے ÷ ہنگامۂ دنیا ہے مزدور کے جینے سے

ہیں دولت و ثروت [illegible] مشقت میں ÷ [illegible] آجاتے اعضائے تجارت میں

ہیں میرے مٹانے کو سو طرح کی تدبیریں ÷ قانون کے پھندے ہیں تہذیب کی زنجیریں

دیوار ملوکیت تیشوں سے گرا دوں گا ÷ اس کہنہ تمدن کی بنیاد ہلا دوں گا

معمار نئے ہوں گے تعمیر نئی ہوگی ÷ جب خواب نیا ہوگا تعبیر نئی ہوگی

سوئی ہوئی طاقت کو اک روز جگائیں گے ÷ اک دن اسی دنیا کو فردوس بنائیں گے

مقصد کی ظفرمندی موقوف ہے ہمت پر ÷ تقدیر چمکتی ہے پیشانیٔ قسمت پر

اے ملک کے غمخوارو، اے قوم کے فریادی ÷ مزدور کی بیداری ہے ملک کی آزادی

محنت کی ضرورت ہے بیکار ہیں تقریریں ÷ دو مجھ کو توانائی میں توڑ دوں زنجیریں

روٹھی ہوئی عظمت کو بھارت کی منا لوں گا

تم مجھ کو جگا دو میں قسمت کو جگا لوں گا (مساوات)

اردو نظم کا پُر کیف مجموعہ

"فیضیات" (مصنفہ فیض لدھیانوی)

چند آراء گرامی کا خلاصہ

(۱) خان بہادر چودھری خوشی محمد صاحب ناظر بی اے، سابق وزیر ریاست جموں و کشمیر :-

"فیضیات" کو میں نے بہت دلچسپی سے پڑھا۔ حضرت فیض کی طبیعت میں وہ سب مادہ نظر آتا ہے۔ جو آئندہ آتش نشانی کا منظر دکھا سکتا ہے۔ کلام میں سلاست۔ روانی۔ رنگینی۔ سوز و ساز ظرافت۔ سب کچھ موجود ہے۔ قدرت کا کافی فیضان ان پر ہو چکا ہے"

(۲) سید عنایت شاہ صاحب ایڈیٹر "ریاست"، لاہور

" حضرت ابن الاسد خواجہ فیض محمد صاحب فیض لدھیانوی کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ کا کلام پنجاب کے اکثر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ باوجود کم عمری کے آپ کے کلام کی پختگی۔ بندش اور چستی استادانہ حیثیت رکھتی ہے۔"

(۳) علی رضا خاں صاحب قنبر ایڈیٹر "الخلیل"، دہلی :-

"فیض صاحب کی طبع جولانیاں دیکھ کر زبان سے بے ساختہ کلمۂ تحسین نکل جاتا ہے۔ اگر خواجہ صاحب نے اسی طرح مشق سخن جاری رکھی۔ تو وہ دن دور نہیں کہ ان کا شمار ملک بھر کے شعرائے نامدار کی صفِ اولیں میں ہو۔"

(۴) شیخ غلام محی الدین صاحب ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل، پروفیسر گورنمنٹ کالج۔ لائلپور :-

"مشہور نوجوان شاعر خواجہ فیض محمد فیض کے مجموعہ کلام "فیضیات" کا میں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ فیض صاحب کی ابتدائی مشق ہو یہ مظاہرہ ان کے علوِ فکر اور صحت ذوق کی ایک روشن دلیل ہے مجھے فیض صاحب کے کلام کو متعدد صحائف میں اکثر پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ان کا شمار ملک کے بلند فکر۔ قادر الکلام اور ممتاز شعراء میں ہوگا۔"

(۵) ابوالاقبال علامہ عیش فیروزپوری :-

"فیضیات" دلپسند نظموں کی ایک بہترین تصنیف ہے اور اردو ادب میں شاندار اضافہ۔ فیض صاحب پنجاب کے اُن مشہور ترین نوجوان شعرا میں شمار کئے جاتے ہیں جن کا مستقبل بہت شاندار ہے"

(۶) پنڈت بھورام صاحب جوش ملسیانی

"فیضیات" جناب فیض محمد صاحب فیض کے کلام کا مجموعہ ہے۔ نظموں کے عنوان اور مضامین قومی اور ملکی ضروریات کے مطابق منتخب کئے گئے ہیں کلام اگرچہ ابتدائی مشق کا نمونہ ہے مگر ہر لحاظ سے پاکیزہ اور سبق آموز ہے"۔

قیمت ۴؍

ملنے کا پتہ :- ثریا بک ڈپو۔ نیا محلہ۔ لدھیانہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم



پیامِ اسلام

جلد ۱ | جنوری ۱۹۴۰ء۔ ذیقعد ۱۳۵۸ھ | نمبر ۷

قرآن کے ناموں پر ایک تعلیمی مکالمہ

کیا آپ جانتے ہیں ؟

س : حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون تھے ؟

ج : آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر تھے ۔

س : پیغمبر کس کو کہتے ہیں ؟

ج : جو اللہ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچائے ۔

س : جو پیغام آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اللہ نے نازل فرمایا تھا، اس کا نام آپ کو معلوم ہے ؟

ج : اس پیغام کے کئی نام ہیں ۔

س : اتنے نام کیوں رکھے گئے ؟

ج تاکہ ان سے معلوم ہو سکے کہ یہ پیغام کیا ہے ؟ کیسا ہے، کس کام کے لئے ہے ؟

س : کیا آپ چند نام اس کے بتا سکتے ہیں ؟

ج : بسروچشم ۔ اس پیغام الٰہی کا مشہور نام القرآن ہے ۔

س : کیا معنی ہیں اس لفظ کے ؟

ج : اس لفظ مبارک کی اصل ق ر أ ہے ۔ جس کے معنی اکٹھا کرنا اور جوڑنا ہے ۔ اور قرأت کہتے ہیں حرفوں اور کلموں کو کلام کی ترتیب میں ایک دوسرے سے جوڑنے کو ۔ لفظ قرآن در اصل مصدر ہے ۔ جیسے کہ کُفْران اور رُجْحَان وغیرہ اور اس کے بھی وہی معنی ہیں جو معنی لفظ قرأت کے ہیں ۔ لیکن یہ لفظ اس صحیفہ کے ساتھ مخصوص ہوگیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ۔ اور جس طرح حضرت موسیٰ کے صحیفے کا نام توریت اور حضرت عیسےٰ کے صحیفے کا نام انجیل مخصوص ہو چکا ہے ۔ اسی طرح قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیفہ کا اسم عَلَم ہے ۔

س : ذرا یہ بھی فرما دیجئے کہ اس صحیفے کا نام قرآن کیوں رکھا گیا ؟

ج : بعض علما نے اس کی یہ وجہ لکھی ہے کہ اللہ کی جتنی کتابیں ہیں ، ان سب کے نتیجوں کو اس صحیفے نے اپنے اندر جمع کر رکھا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سب علموں کے پھل اس کے اندر جمع کر دئے گئے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس کے اوصاف میں فرمایا ہے : " تَفْصِیْلُ کُلِّ شَیْءٍ " اور " تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ " مطلب یہ کہ اس میں ہر چیز کا مفصل بیان ہے لیکن صحیح وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس صحیفے کا نام قرآن رکھنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کتاب کے نازل کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ اس امت کی اصل درسی کتاب یہی ہے اور اس کے تمام درسی نصابوں کی بنیاد اسی کتاب کو ہونا چاہئے کیونکہ زندگی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے میں بہترین کامیابیوں کی کفیل اسی کی رہنمائی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ کرام کے زمانے میں مسلمان مردوں ، عورتوں ، بچوں ، بوڑھوں کے لئے ان کی پڑھائی کا نصاب یہی کتاب رکھی گئی اور اس کے بعد بھی اسلامی درسیات میں مدت تک اسی کتاب کا بول بالا رہا اور پھر اس کے بعد مسلمان جوں جوں اس اصل محکم سے دور پڑتے گئے قعرِ مذلت میں گرتے چلے گئے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ! اور دوسری وجہ اس نام رکھنے کی یہ ہے کہ لفظ قرآن میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس صحیفہ کے مطالب و مقاصد کی تقریر و بیان کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہنی چاہئے ۔ جیسے اسی کے دوسرے نام یعنی " الکتاب " سے یہ مقصود ہے کہ ہر زمان و مکان میں اس کی تبلیغ قلم و کتابت کے ذریعے جاری رہنی چاہئے ۔

س : تو معلوم ہوا کہ اس صحیفے کا دوسرا نام " الکتاب " ہے اور یہ دونو نام اس نامۂ الٰہی کے اس لحاظ سے رکھے گئے ہیں کہ یہ نامہ مبارک یہ حق رکھتا ہے کہ اس کی تعلیم و تبلیغ اور وعظ و تذکیر تقریر و تحریر کے ذریعے جاری رہنی چاہئے ۔ لیکن آپ نے اس کی تائید میں بجز اشارات کے کوئی صریح شہادت پیش نہیں کی ۔

ج : خود اسی کتاب میں اس کی صریح شہادت موجود ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے سورہ بنی اسرائیل آیہ ۱۰۶ : وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰہُ لِتَقْرَاَہٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ وَّ نَزَّلْنٰہُ تَنْزِیْلًا ۝ (ترجمہ) ہم نے ایک پڑھنے اور زبانی تبلیغ کرنے کی چیز

کے طور پر اس کو پارہ پارہ ٹھہرایا تاکہ تو اس کی لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر تبلیغ کرتا رہے اور اسی لئے ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا (۱۰۶) +

س: تبلیغ کرنا کس لفظ سے نکلا ؟

ج: لِتَقْرَأَهٗ عَلَی النَّاسِ سے دیکھیئے تفسیر ابن کثیر میں اس جملہ کے معنے لِتُبَلِّغَهُ النَّاسَ ہی لکھے ہیں اور لتبلغه الناس کا یہی تو مطلب ہے کہ تو لوگوں کو اس کی تبلیغ کرے، اور اِقْرَأْ عَلَیْهِ مِنِّی السَّلَامَ کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ میرا اسلام انھیں پہنچا دو۔

اور رہا الکتاب کا واجب التبلیغ ہونا تو یہ تو خود لفظ کتاب سے آفتاب کی طرح روشن ہے۔ قرآن کی طرح کتاب بھی مصدر ہے اور بمعنی مکتوب یعنی خط، نامہ یا چٹھی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دیکھیئے جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو نامہ لکھا تو اس نے اپنے ارکان سلطنت کو بتایا کہ اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ۔ میری طرف ایک گرامی نامہ ڈالا گیا ہے اور پیغامبر یا نامہ بر کا اس کے سوا اور فرض ہی کیا ہوتا ہے کہ جو نامہ اسے سپرد کیا گیا ہے وہ مکتوب الیہ کو پہنچا دے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا: یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ اے پیغمبر پہنچا تا رہ جو تیرے رب کا کلام تجھ پر نازل ہوا۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اس کے پیغام کی تبلیغ نہ کی۔

سائل: آپ کے ان ارشادات کا حاصل یہ ہوا کہ یہ دونو نام یعنی قرآن اور کتاب اس غرض سے رکھے گئے ہیں۔ کہ

(۱) یہ کتاب اسلامی درسیات کا اصلی نصاب قرار پائے۔

(۲) اور تقریراً و تحریراً نوع انسانی میں اس کی تعلیم و تبلیغ ہوتی رہے۔ مگر اب تو مسلمان ان دونو فرائض سے سخت غافل ہیں، قرآن مسلمانوں کے نصاب تعلیم سے یکسر خارج ہو چکا ہے۔ کچھ مدت پہلے مسلمان بچوں کو قرآن مجید کے حروف و الفاظ کا تلفظ یاد کرا دیا جاتا تھا۔ مگر اب دیگر ضروریات نے اس کو بھی بے دخل کر رکھا ہے۔ اور جن مسلمانوں سے آپ اسکی لسانی و قلمی تبلیغ کے متوقع ہیں۔ انھوں نے خود اس قرآن کو مہجور بنا رکھا ہے اور میں متوقع ہوں کہ آپ کسی دوسری صحبت میں اس کے علل و اسباب پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائینگے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و اعمال کے چند نمونے

(۱)

بیت المقدس فتح کرنے کے بعد سلطان نے فرنگیوں کی ایک جماعت دیکھی جو یا تو اپنے بوڑھے ماں باپ اور بیمار اقربا کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اس منظر سے سلطان کا دل بھر آیا اور انھیں مال مواشی عطا کرنے کا حکم دیا جو دے دئے گئے۔

یہ ایک عجیب معاملہ اور دشمنوں پر ایک نرالی شفقت ہے جو ایسے ہی انسان سے صادر ہو سکتی ہے جو بزرگانہ اخلاق اور کاملانہ صفات سے مزین و مرصع ہو۔

(۲)

فرنگی اور فرنسی دونو بادشاہ بیمار پڑ گئے۔ اور وہ دونو صلاح الدینؒ سے لڑ رہے تھے۔ سلطان کو اطلاع ملی کہ ان دونو کو برف اور ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔ سلطان نے فوراً برف اور دیگر ضرورت کی چیزیں ان دونو کو پہنچا دیں اور جب تک وہ دونو بیمار رہے انھیں ان کی ضرورت کی چیزیں بھیجتے رہے، ادھر یہ کار خیر بھی برقرار تھا اور ادھر فریقین کے مابین جنگ جاری تھی۔

یہ کتنی بڑی مروت اور کیسی نادر رحمت ہے کہ دشمن بیمار پڑ جاتا ہے مگر اس کے مرض کو اپنی فتح کے لئے غنیمت نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایسی چیزیں بھیجی جاتی رہیں جو اس کی تکلیف کو کم اور اس کے مرض کو دور کر دیں۔

(۳)

اس اثنار میں کہ صلاح الدینؒ قدس کا معرکہ سر کرنے میں مصروف تھے۔ دیکھا کہ فرنگیوں کا بادشاہ رچرڈ (شیر دل) پیدل اپنے جیش کی رہبری کر رہا ہے۔ سلطان کی مردانگی اور ذاتی شرافت بھلا یہ کب گوارا کر سکتی تھی، فوراً اپنے خاصہ گھوڑوں میں سے دو عمدہ گھوڑے اس کو بھجوا دئے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ صلاح الدینؒ نے اپنے دشمن کی کمزوری کی فرصت کو غنیمت جان کر اس پر غلبہ پا لیا ہے۔

یہ شہامت و مردانگی، یہ شخصیت کی بزرگی اور برتری دلیل ہے اس بات کی کہ اس سلطان کو اللہ تعالےٰ نے بھلائی کی ایسی توفیق بخشی تھی کہ کوئی انسان کمتر ہی اسے حاصل کریگا، اُس کا دل اللہ نے کینہ و کدورت سے پاک و صاف رکھا اور اُس کو شفقت، مردانگی اور ہمت سے بھر دیا تھا۔

(۴)

اس نے دیکھا کہ شیعی علماء ملک میں پھیل رہے ہیں ان کا زور توڑنے کے لئے جامع عتیق کے قرب میں مدرسۂ ناصریہ تعمیر کیا جسے شافعیوں کے لئے مخصوص کیا اور وہ پہلا مدرسہ تھا جس کی مصر میں بنیاد رکھی گئی تھی۔ پھر اس کے قریب ہی ایک اور مدرسہ مالکیوں کے لئے تعمیر کیا۔ پھر (سُیُوفیہ کی طرف) ایک مدرسہ حنفیوں کے لئے بنایا اور اساتذہ و تلامذہ کے روزینے مقرر کر دئے۔ اس طرح پر سنیوں کے مذاہب پھیل گئے اور شیعی مذہب کا دور کم ہوگیا۔

(۵)

اس کا حاصل یہ کہ وہ دین کا حامی اور اس کی اشاعت کی طرف بہت مائل تھا۔ علم اور اہل علم دونو کی قدر کرتا تھا۔ بدعات کو ناپسند اور منکرات کو مکروہ سمجھتا تھا۔

(۶)

ایک بطریق اپنا بہت سا مال وخزانہ لے کر نکلا۔ صلاح الدینؒ سے اس وقت کہا گیا: آپ اس مال کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے اور اسے مسلمانوں کی تقویت اور سپاہ کی بہتری پر کیوں خرچ نہیں کرتے جبکہ اس بطریق کو اپنے ہم مذہب غریبوں اور مسکینوں کے فدیے کا خیال نہیں تو آپ ہی اس سے دس دینار فی کس فدیہ طلب کر لیجئے۔ فرمایا میں دھوکے باز نہیں۔ مجھے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔ میں اس سے دس دینار کے سوا جن کی ادائیگی اس کی ذات پر واجب ہے اور کوئی چیز نہ لونگا۔

فرنگی مورخ کہتے ہیں: یہ شفقت، انسانیت اور وعدہ وفائی کا ایک بہت بڑا سبق ہے جو اس مسلمان سلطان نے دنیا کو پڑھایا ہے۔

(۷)

قدس میں روم کے کسی بادشاہ کی عورت راہبہ بن گئی تھی، بہت سی مخلوق اس کے اردگرد جمع رہتی تھی، اور وہ بہت بڑی مالدار تھی۔ سلطان نے اسکا مال و جان اور اسکے پیرو اسے سپرد کر دئے، اور جب اس نے اپنے اور اپنے پیرووں کے لئے نقلِ مکانی کی اجازت چاہی تو سلطان نے ازراہِ ہمدردی عزت و احترام کے ساتھ اسے اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا، اس پر بہت سی عورتیں اپنے بال بچے اٹھائے روتی دھوتی سلطان کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ جب اس کے قریب پہنچیں تو

انھوں نے کہا : اے بادشاہ : ہم ملک کو چھوڑنے والی ہیں ۔ ہمارا اس فوج کے سپاہیوں سے جو تیری قید میں ہیں ماؤں بیوی اور بیٹیوں کے رشتے ہیں ۔ وہ لوگ ہماری زندگی کا سہارا ہیں ۔ اگر تو انھیں احسان فرما کر ہمیں بخشدے تبھی ہماری زندگی ہے ورنہ موت سامنے ہے ۔ آپ کی طبعی شفقت کام آگئی اور ماؤں کو ان کے بیٹے ، بیویوں کو ان کے شوہر اور بیٹیوں کو ان کے باپ بخش دینے کا حکم دے دیا ۔ یہ دینِ حنیف کی تاثیر تھی کہ ان عورتوں پر شفقت فرمائی اور ماؤں کو ان کے بیٹے ، بیویوں کو ان کے شوہر اور بچوں کو ان کے باپ سپرد کر دئے حالانکہ یہ سب لوگ وہی تھے جو اس سے لڑ رہے تھے اور اس کی شکست کے خواہاں تھے ۔

(۷)

اس نے قاہرہ کے ارد گرد ایک فصیل بنائی اور بغرض حفاظتِ ملک اس کو ایک پہاڑی قلعے سے شروع کیا ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ اپنی رعیت پر بہت مہربان تھا ۔ ان کی اصلاح میں شب و روز کوشاں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان کا پاسبان تھا ۔

(۸)

لب لباب یہ ہے کہ وہ عادل و زاہد تھا ۔ دولتِ دنیا اس کو سرکش نہ بنا سکی ۔ وفات پائی تو اس کے خزانوں میں نہ چاندی ملی نہ سونا ہاتھ آیا ، نہ کوئی باغ اور بستی اس نے ترکہ میں چھوڑی ۔ نہ کسی اور قسم کا کوئی سامان ، اسلئے کہ جو کچھ اس کے ہاتھ لگتا جہاد میں خرچ کر ڈالتا ۔

اسلام کے کاموں میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ صلیبی لڑائیاں تھیں ، جو ان صلیبیوں سے لڑی گئیں جنھوں نے شام کے اکثر شہروں کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا ۔ اس نے ان سے بیت المقدس وغیرہ واپس لے لئے اور وہ دمشق میں اسلام کے دشمنوں سے لڑتے لڑتے ۵۸۹ ہجری میں راہیٔ ملکِ بقا ہوا +

عبید الحق خاں



شور توحید کا دنیا میں مچادے مسلم

(از قلم جناب ابوظفر نازش رضوی)

پھول ہر سمت اخوت کے کھلادے مسلم　　گلشن قوم کو فردوس بنادے مسلم
شانِ اسلام زمانہ کو دکھادے مسلم　　حق کا پیغام تو ہر اک کو سنادے مسلم

شور توحید کا دنیا میں مچادے مسلم

تجھے پیدا کیا فطرت نے شجاعت کیلئے　　تری تخلیق ہوئی حق کی حمایت کیلئے
کام کچھ کر کے دکھا آج تو ملت کیلئے　　یا علی کہہ کے نکل گھر سے شجاعت کیلئے

ایک نعرے سے دو عالم کو ہلادے مسلم

لیکے انگڑائی پھر اُٹھ اُٹھتی جوانی کی طرح　　دلِ باطل میں سما دردِ نہانی کی طرح
بہر حق خون بہا کفر کا پانی کی طرح　　تیغ تیری چلے دریا کی روانی کی طرح

کربلا والوں کا انداز دکھادے مسلم

آبِ شمشیر سے پھر پیاس بجھانا ہے تجھے　　پھر کفن باندھ کے میدان میں آنا ہے تجھے
اپنے ہی خون میں پھر آپ نہانا ہے تجھے　　رنگ پھر اپنی صداقت کا جمانا ہے تجھے

تو ہے کیا ! راز یہ دنیا کو بتادے مسلم

"مسلم" دہلی

شکوۂ دلگیر

(از حضرت نیر مرحوم)

عالم خلوت میں مجھ کو اتفاقاً ایک شب ✤ رب سے موقع مل گیا اک شکوۂ دلگیر کا
دست بستہ عرض کی میں نے کہ اے بندہ نواز ✤ تیری رحمت نے بڑھایا حوصلہ تقصیر کا
غور سے کرتا ہوں میں جو اگلے لوگوں پر نظر ✤ ساتھ ان کے اور ہی کچھ ڈھنگ تھا تقدیر کا
ان میں بھی ایسے تھے جو تھے تیرے منکر صاف صاف ✤ ہم میں بھی ایسے ہیں جن کو تکیہ ہے تدبیر کا
ان کی آہیں عرش کے نیچے کبھی رکتی نہ تھیں ✤ اپنی آہیں پست ہیں۔ پلہ نہیں اک تیر کا
تیری رحمت عام ہے اور تو سراپا رحم ہے ✤ تجھ کو کچھ کھٹکا نہیں تبدیل کا تغییر کا
توبہ توبہ تو خفا ہو جائے یہ ممکن نہیں ✤ پھر یہ کیوں انداز بدلا عالم تقدیر کا
ہنس کے فرمایا کہ اے ناواقف اسرار غیب ✤ نکتہ چینی اب تو شیوہ ہے جوان و پیر کا
دل میں کچھ ہے اور زباں سے کچھ کہا کرتے ہیں وہ ✤ پھر گلہ رہتا ہے ہر دم زشتی تقدیر کا
لب پہ ہے سبحان ربی دل میں انا ربکم ✤ اس عبادت پر ہے تکیہ ہر جوان و پیر کا
دل کے آئینہ سے پارہ اڑ گیا اخلاق کا ✤ روح رخصت ہو کے خاکہ رہ گیا تصویر کا
اپنے اپنے نفس کو ہر اک بنا لئے ہے خدا ✤ اور خدائی نام ہے مجموعۂ تقصیر کا
سچ بتا دیکھے ہیں تو نے کتنے ایسے نیک خو ✤ جن کو ہو اقرار دل سے اپنی ہی تقصیر کا
جو پرستش میری کرتے ہوں خلوص دل کے ساتھ ✤ جن کو غرہ ہو نہ دنیا کی کسی جاگیر کا
ہو زباں ان کی مطابق دل کے دل ہو آئینہ ✤ آئینہ وہ جس میں جلوہ ہو مری تنویر کا
ہم نہیں بدلے نہ بدلا ہے ہمارا انتظام ✤ فرق ہے تیری سمجھ کا پھیر ہے تعبیر کا

خود پرستی چھوڑ دے کر حق پرستی اختیار
راز کھل جائے گا تجھ پر عالم تقدیر کا

(الناظم)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پیام اسلام

منجانب

انجمن اشاعت مذاہب بلند شہر

قصہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیام اسلام ماہوار جالندھر شہر

چندہ سالانہ: عوام سے تین روپے۔ امراو رؤسا سے پانچ روپے۔ ممالک غیر سے چار روپے

نمبر ۹	مارچ ۱۹۳۹ء - محرم الحرام ۱۳۵۸ھ	جلد ۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام اسلام

پیام اسلام جلد ۱۰ کا یہ نواں نمبر آج پھر اپنی اصلی تقطیع پر شائع ہو رہا ہے۔ اس میں ترجمان القرآن اور لباب الاحیاء کا سلسلہ پیوستہ گذشتہ پھر شروع ہو گیا۔

گذشتہ رسالہ میں ترجمان القرآن پارہ تبارک الذی کی ایک کاپی جو کارکنانِ جنرل برقی پریس کی برقیت و برکت سے اجزاء رسالہ میں شامل نہیں ہو سکی تھی۔ وہ اس رسالہ میں بھیجی جاتی ہے تاکہ پارہ مذکورہ کی تکمیل ہو جائے۔

ادارہ پیام اسلام کے لئے مارچ اور اپریل کے مہینے بہت مصروفیت کے مہینے ہوتے ہیں۔ ان ہی مہینوں میں مدرسۃ البنات کے سالانہ امتحانات ہوتے ہیں۔ انہی مہینوں میں سالانہ جلسے ہوتے ہیں۔ امسال ۸ ماہ اپریل ۱۹۳۹ء کو مدرسۃ البنات کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔ ۹ اور ۱۰ اپریل کی تاریخوں میں انجمن مدرسۃ البنات کا سالانہ جلسہ منعقد ہوگا۔ اندریں حالات ممکن ہے کہ رسالہ پیام اسلام وقت پر شائع نہ ہو سکے۔ اور اغلب ہے کہ رسالہ کے بجائے کوئی مفید اور پُر از معلومات کتاب یا کتابیں مشترکین کرام کی خدمت میں بھیجدی جائیں۔

(ایڈیٹر)



روح انسانی کا عقیدہ اسلام میں

(جناب عبدالحمید عثمانی متعلم بی اے)

قرآن شریف کو مسلمان ایک ایسی کتاب سمجھتے ہیں جو تمام خلق کے لئے شمع ہدایت ہے اور اسی کی ضیاپاشی کی بدولت ان کا خیال ہے کہ یورپ میں نشاۃ جدیدہ کا آغاز ہوا۔ گو اس کو اہل یورپ یونان کی تباہی اور علمائے یونان کی جلاوطنی کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ جہاں اسلام نے دنیا کو علم و فضل سے واقف کرایا ہے اسی طرح مسلمانوں نے اپنی مابعد الطبیعیات بھی پیش کی ہے۔ لیکن انھوں نے ایسے نظریئے پیش نہیں کیئے جو قابل اعتراض قرار پاتے۔ جب کوئی طباع دربار رسالت میں حاضر ہوتا تو اُسے کو روح کا تو کیا ذات خداوندی کا بھی درس دیا جاتا تھا۔ جس کا شرف صحابۂ کرام کو حاصل تھا۔ لیکن جب کوئی مفسد یا منافق آتا اور دریافت کرتا: "اے محمد! یہ تو بتاؤ کہ روح کیا چیز ہے" تو جواب ملتا: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ اور اس معترض اور کم فہم کو بلا کسی عذر کے واپس ہوجانا پڑتا۔ اسکے علاوہ یہی وہ جواب ہے جو حضور کی نبوت کو ثابت کر دیتا ہے۔

اکثر علما کا خیال ہے کہ جب یہ کہدیا گیا کہ روح حکم ربی ہے اور وہ غیوب میں سے ایک غیب ہے تو پھر ہمارا اس کے متعلق حجت میں پڑنا برا ہے۔ لیکن امام غزالی کا خیال اس کے خلاف ہے اور وہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ خدا نے مذکورہ بالا آیۂ کریمہ سے یہ درس نہیں دیا کہ تم اس سے نابلد رہو۔ بلکہ وہ جواب صرف معترضین کے لئے ہے اور ایک حد تک امام غزالی رح کا خیال درست ہے۔ کیونکہ خدا جب اپنے متعلق خود فرماتا ہے کہ "اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا" تو پھر روح جو ایک حکم رب ہے اس کے جان لینے سے منع فرمانا صحیح معلوم نہیں۔ اگر واقعی خدا کو روح یا امر رب کے جاننے سے روکنا مقصود ہوتا تو وہ پھر یہ آیات مثلاً "واذا ضرب احدکم فلیتجنب الوجہ فان صورۃ الانسان علی صورۃ الرحمٰن وغیرہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ رحمٰن صفت ہماری روح سے متصف ہوجاتی ہے نہ کہ اس جسد خاکی سے اور جب ان احادیث کے ذریعے جگہ بہ جگہ درس دیا گیا ہے تو پھر ہمیں اس کی ماہیت مذہب کی روشنی میں دیکھنی چاہئے۔

روح کے متعلق مختلف تصورات زمانہ سابق کی مانند اب بھی پائے جاتے ہیں۔ روح کو قوت حیات کا مرکز مان لیا گیا ہے اسی بناء پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "روح خون ہے"۔ کیونکہ جبتک انسان کے جسم میں تیزی سے خون کا دوران ہوتا ہے اس وقت تک انسان چست و چالاک زندگی بسر کرتا ہے لیکن جب اسکی روانی میں انحطاط آتا ہے تو انسان میں ضعف پیدا ہوجاتا ہے اور جب وہ

بالکلیہ رک جاتا ہے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ عناصر اربعہ کے اتصال ہی کے نتیجہ کو روح اور اسکے انفراق کو موت تصور کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوگا تو اس کے معنٰی یہ ہوں گے کہ روح ایک مادی چیز ہے جو اجزائے مادی سے ترکیب پاتی ہے اور اس کے جدا ہونے پر وہ فنا ہو جاتی ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

لیکن یہ بھی غلط ہے اور اس کی غلطی بدیہی ہے۔ چنانچہ نظام سیار جو ایک زبردست فلسفی گذرا ہے اور جس کا فلسفہ ارسطو سے ماخوذ ہے۔ اسکے نزدیک روح کوئی غیر مادی شئے نہیں ہے۔ لیکن وہ روح کو ایک لطیف ترین جوہر تصور کرتا ہے اور انسان کی اصل حقیقت روح کو مانتا ہے۔ جسم کو اس کا آلہ کار قرار دیتا ہے۔ روح کو جسم کے ساتھ رکھتا ہے کیونکہ جب اسکو جدا کیا جائے تو غالباً روح باقی نہیں رہتی۔ اس کے نزدیک کوئی شئے اپنے عرض سے علیحدہ ہو کر اپنی ذات باقی نہیں رکھ سکتی۔ جس طرح گلاب کی روح گلاب میں ہے۔ اسی طرح انسان کی روح انسان کے اندر جاری و ساری ہے۔ افکار و جذبات اس جوہر لطیف کے حرکات کے نام ہیں اس روح کے نظریے کو نظام اپنے ذات و صفات کے نظریے کے تحت رکھ کر بحث کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے روح بھی ایک حاسہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ جذبات اور افکار اس کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جان لاک میں (جو عہد جدید کا فلاسفر ہے) نظام کے خیالات کا عکس پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں میں ایک گونہ مماثلت پیدا ہو گئی ہے۔ اور اسی بنا پر نظام کو لاک کا پیشرو خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ روح کو ذہن یا دماغ بھی خیال کیا جاتا ہے۔ یہ خیال مغربی فلاسفہ میں بہت زیادہ نظر آتا ہے۔

معمر ابن عباد جس کا ذکر کلامی مسائل میں آتا ہے اور جس نے اعتزال اختیار کیا۔ وہ بھی روح کو انسان کی اصلیت و ماہیت مانتا ہے۔ اسکی نوعیت اسکے نزدیک ایک تصوریا غیر مادی جوہر کی سی ہے۔ روح کے متعلق صرف اتنا اور کہہ دیتا ہے کہ وہ علم و ارادہ رکھتی ہے اور عمل و ادراک جسم کا فعل ہے۔ اور یہ قالب ہماری روح کے غلاف کا کام دیتا ہے۔ یہ تین تصورات بالکل عام ہیں اور اہل مذہب بھی ان تصورات میں سے کسی ایک تصور کی طرف مائل ہوتے ہیں اگر وہ مذہب کی بتلائی ہوئی روح سے بے بہرہ ہوں۔

نظریۂ غزالی:

روح کو حضرت امام غزالیؒ ایک خالد جوہر فرض کرتے ہیں۔ یہ جوہر عرض نہیں ہے۔ کیونکہ عرض علم ہے جو عالم میں حلول کر جاتا ہے لیکن جوہر کی ایسی حقیقت نہیں ہے۔ روح ایک ناقابل تجزیہ جوہر ہے یعنی روح "جزو لایتجزیٰ" ہے۔ یہ لامکان ہے کیونکہ مکان میں رہنے کی صورت میں شئے قابل تقسیم ہوتی ہے۔ لیکن روح ناقابل انقسام ہے۔ "جزو لایتجزیٰ" کہنے سے ایک اور بات لازم آتی

ہے کہ روح اگر جزو ہے تو اس کا کل ہونا ضروری ہے۔ اور جب کُل ہوگا تو یہ قابل انقسام ٹھیرے گی۔ اگر نہیں تو پھر جزو کے کیا معنی؟ غزالی خود اس کی توضیح فرماتے ہیں۔ اور بتلاتے ہیں کہ انسان ایک فرد ہے۔ جو تصور انسان کا جزو ہے۔ اور اسی رشتے کو قائم رکھ کر لفظ جزو استعمال کیا ہے۔ لفظ جزو کی وضاحت کے بعد وہ روح کے لاتجزیٰ ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اگر فرض کریں کہ روح قابل تقسیم ہے تو ہو سکتا ہے کہ میری روح کے ایک حصے کا زید کو جو کہ میرا دوست ہے علم ہو اور اس کا دوسرا حصہ اس کی دوستی سے ناواقف ہو لیکن یہ علم و جہل یعنی تناقضات روح میں نہیں پائے جاتے اور جب تناقضات نہ پائے جائیں تو ظاہر ہے کہ روح واحد ہے۔ جو قابل انقسام نہیں ہے۔ البتہ دو اشخاص میں ایسی صورت ممکن ہے۔

روح کی وضاحت میں لفظ جوہر استعمال کیا گیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس جوہر کی حقیقت کو پیش کریں۔ جوہر سے مراد امام غزالیؒ کے نزدیک ایک ایسی حقیقت ہے جو نہ بدن انسانی میں شامل ہے۔ اور نہ خارج یہ جوہر نہ جسم سے متصل ہے اور نہ منفصل جیسا کہ معمر ابن عباد کا خیال ہے۔ یہاں ایک قابل اعتراض بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ ان مندرجہ بالا تناقضات میں صرف ایک ہی کا صحیح ہونا ضروری ہے لیکن غزالیؒ کا خیال ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ شئے متعلقہ ہو۔ جب یہ روح عالم خلق کا جوہر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عالم امر سے ہے۔ تو پھر تناقضات میں سے ایک کی صحت کا لازم آنا ضروری نہیں رہتا۔ جہت میں بھی یہ نہیں پائی جا سکتی کیونکہ وہ لامکان ہے۔ اور جسم کے جملہ شرائط سے بالاتر ہے۔ لہٰذا اس جوہر کی حقیقت یہ ہوئی کہ یہ ایک عالم امر کی شے ہے جس کی تقدیر نہیں ہو سکتی۔ جس چیز کی "تقدیر" ہو سکے وہ عالم اجسام یا عالم عوارض میں سے ہے جس کو عالم خلق کہتے ہیں۔ خلق کے معنی اصل میں تقدیر و اندازے کے ہیں نہ کہ ایجاد کے جیسا کہ خلق الشئ ای قدرہ سے ظاہر ہے اسی طرح جس چیز کا اندازہ یا تخمینہ نہ کیا جا سکے۔ ہم اس کو عالم امر کا جوہر کہیں گے اور ایسی چیز جس کی تقدیر نا ممکن ہو وہ امرِ رب ہے عالمِ امر سے مراد ایسی چیزیں ہیں جو حس و مکان و جہات و خیال سے خارج ہوں۔

یہاں پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں روح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ "انی خالق بشرًا من طین" اور بشر کو مٹی سے نسبت دی جاتی ہے اور اللہ تعالےٰ اپنے کو نفخت من روحی کہہ کر روح سے نسبت دیتا ہے۔ تو پھر یہ تناقض کہ بشر میں روح ہے کہنے کے بعد مٹی سے نسبت دینا کیا معنیٰ؟ لیکن یہ سوال عقدہ لاینحل نہیں ہے۔ یہ اختلاف محض لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اگر سورج یہ کہے کہ میں ساری دنیا پر نور کا فیضان کر رہا ہوں تو سورج کی روشنی میں کیا خاص کمی اس فیضان سے واقع ہو رہی ہے پس انسان خاکی فرد ہے جس پر روح کا فیضان ہونے کے بعد اس کی یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس "فاذا سویته ونفخت فیه من روحی" بھی صحیح ہے اور "انی خالق بشرًا من طین" بھی صحیح۔

اب سوال جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ کیا روح ازلی ہے اور ابدی ہے؟ بادی النظر میں اوپر کے استدلال کے بموجب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ امر ربی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عوارض سے خارج ہے اس سے ظاہر ہے کہ روح انسانی میں

یہ عوارض نہیں پائے جاتے اس کو ہم عالم خلق کی چیز نہیں قرار دے سکتے۔ یعنی روح کو ہم غیر مخلوق کہہ سکتے ہیں۔ لیکن جب حادث اور قدیم کی بحث اٹھائی جائے کہ حقیقی مخلوق ہے سب حادث ہے تو ایسی صورت میں روح کو ہم مخلوق میں شامل کرینگے۔

پیدائش روحِ انسانی:-

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب شکم مادر میں نطفہ قرار پاتا ہے اور اس میں تدریجی ارتقا ہوتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ نور الٰہی یعنی روح کو قبول کر سکے۔ تو اس وقت ظل الٰہی اس پر پڑتا ہے اور روح انسانی اس میں جاری و ساری ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال انھوں نے ایک آئینے سے دی ہے جو فولاد سے بنایا جاتا ہے۔ فولاد کو صیقل کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ اس قدر جلا پا جاتا ہے کہ مطلوب کے عکس کو ظاہر کر سکے تو اس وقت اس کے مطلوب کے روبرو رکھا جاتا ہے تاکہ عکس حاصل ہو۔ لیکن اس ظل کی وجہ سے اس مطلوب میں کسی قسم کی نہ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ مگر آئینے کو عکس حاصل ہو جاتا ہے۔ جو اس کا مقصد ہے۔ اسی طرح یہاں بھی سورج کی مثال صحیح ہے کہ اسکا نور تو دنیا کو منور کئے ہوئے ہے۔ لیکن اس کی ذات میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی ہے۔

(رباعی)

چوں نور کہ ز فروغ خود جہاں آراید | بر ہر پاک و پلید کہ بتابد شاید
نے نور اوز ہیچ پلید آراید | نے پاکی اوز ہیچ پاک افزاید

روح انسانی کو بعض لوگ ازلی و ابدی خیال کرتے ہیں۔ اور حیران ہوتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ارواح ازلی اور ابدی ہیں تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یا تو ان میں وحدت ہے یا کثرت۔ اگر وحدت ہے تو اسوقت دنیا کے ہر کس و ناکس کا علم یکساں ہونا چاہیئے۔ اگر زید یہ کہے کہ میں نے اس دنیا کے خالق کو دیکھا ہے تو بکر کا بھی یہی دعویٰ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی ارواح میں وحدت ہے اور یہ محال ہے۔ اس لئے روح واحد نہیں۔ علاوہ ازیں روح انسانی لامکانی ہے تو اس میں یہ تقسیم اور تجزیہ کس طرح ممکن ہوا؟ اگر کثرت ارواح کو مانا جائے تو ہم کو معلوم ہے کثرت تب ہی فرض کی جا سکتی ہے کہ ان اشیاء میں مابہ الامتیاز خصوصیات موجود ہوں۔ اور باہم مثل ہوں۔ باہم مثل ہونے میں بھی تخالف ضروری ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو۔ زید اور بکر دو بھائی ہوتے ہیں۔ جن میں علاوہ صورت کے تشابہ کے اخلاق و عادات میں بھی مماثلت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان میں تخالف پایا جاتا ہے۔ یعنی ان دونوں کے جداگانہ قالب ہوتے ہیں۔ اور یہی تفریق انھیں کثیر بناتی ہے۔ بہرحال مغائرت جسمانی ضرور پائی جاتی ہے۔ لیکن روح میں مغائرت ہی نہیں تمام ارواح بشری کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے۔ اب اختلاف عوارض بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ ارواح جوہر ہیں جو ان اعراض سے مبرا و منزہ ہیں اس لئے روح میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ بنا بریں روح کا قدیم ہونا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ گو روح قدیم نہیں۔ لیکن اس کا خلود ضروری ہے۔ کیونکہ جب روح اس جسد خاکی

سے پرواز کرتی ہے تو ان مختلف افعال خیر و شر کا اثر اس میں باقی رہتا ہے جو فرد نے اپنی زندگی میں کئے تھے۔ جسد اگر مٹی میں مل گیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ روح بھی خاک میں ملکر خاک ہو گئی کیونکہ وہ مادی شے نہیں اور نہ خدا میں شامل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عکس کبھی اصل میں شامل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اب ارواح کی کثرت لازم آتی ہے۔ کیونکہ تعلقات بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ اور یہ ارواح روز قیامت تک باقی رہیں گی۔ لیکن یہ ازل سے موجود نہیں ہیں۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ روح عوارض سے پاک ہے اور اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تو پھر "خلق الله ادم علی صورته" اور "علی صورة الرحمٰن" کے کیا معنی ہیں۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ صورت دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ ایک صورت تو ظاہری اور شکلی صورت ہے اور دوسری صورت معنوی۔ جب روح جوہر ہے اور عوارض سے پاک تو پہلی صورت مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ اس کو معنوی لحاظ سے سمجھنا چاہئے۔ لہذا ان آیات کے معنی یہ ہوں گے کہ انسان میں یا انسان کی روح میں اور ذات باری تعالےٰ میں چند صفات مشترکہ پائی جاتی ہیں۔ جس طرح خداوند عزوجل تمام کائنات پر قدرت رکھتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اپنے قالب پر قادر ہے۔ خدا کا تصرف عالم اکبر پر ہے۔ اور انسان کا تصرف عالم اصغر پر۔ اسی بنا پر انسان کو خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے نطفے یعنی مادے کی بالیدگی کی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی یعنی اس سے اس بات کا استخراج ہوتا ہے کہ پہلے خالق نے جسم بنایا اور بعد میں روح پھونکی۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس کا ثبوت نص قرآنی ہے۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ" (الحجر)

"جب اسکو (صورت انسانی میں) درست کیا اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دی تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ روح ایک امر رب ہے، یہ جوہر ہے جس میں عوارض نہیں پائے جاتے۔ یہ ازلی نہیں ہے لیکن ابدی ضرور ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کا قالب پہلے بنایا اور اس کے بعد روح اس میں پھونکی۔ ارواح انسانوں کے مرنے کے بعد ان انسانوں کے اوصاف کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔ روح فیضان باری ہے اور حادث نہیں ہے۔ اور روح حس، جہات اور خیال سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عالم امر کی پیداوار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ماخوذ از امام غزالیؒ)

(مجلہ عثمانیہ)



ایک ضروری سوال

کیا وہ شخص جو توحید باری تعالیٰ کا قائل ہو۔ یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور پابندِ عمل صالح - لیکن باوجود ان خوبیوں کے شریعتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والتسلیم پر عامل نہ ہو بلکہ اپنے مذہب کے مخصوص طریق عبادت پر ہی چلتا ہو۔ زمرۂ "مومنون" میں شمار ہوگا یا نہیں؟ "عمل صالح" سے وہ عالمگیر سچائی مراد ہے جو ہر ایک مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔

بصورت اثبات اس بات پر روشنی ڈالی جائے کہ اگر "مسلمان" نظام عبادت میں جدا جدا اور الگ الگ ہو جائیں تو پھر "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" کا کیا حل ہوگا؟ تمام مضمون کو گھیرنے کے لئے الفاظ "حبل" و "جمیعاً" پر بالتفصیل روشنی ڈالی جائے۔ اور تبلایا جائے کہ یہاں "حبل" سے کیا مراد ہے۔ اور "جمیعاً" کا اطلاق کس خاص ایک جماعت پر ہوا ہے یا اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو صفتِ "ایمان" سے متصف ہوں۔

کیا ایک عیسائی، عیسائی رہتا ہوا۔ ایک یہودی، یہودی کہلاتا ہوا۔ اور ایک مسلمان، مسلمان ہوتا ہوا۔ بشرطیکہ ان میں سے ہر ایک متذکرۃ الصدر اوصافِ ثلاثہ کا حامل ہو مستحق نجات ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں۔ تو اس آیۃ شریفہ کا کیا جواب ہے۔ جس میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ وغیرہ کو الگ الگ ناموں سے پکارا گیا ہے۔ لیکن مندرجہ بالا اوصاف کی بنا پر انھیں یکساں طور پر "مفلحون" کہا گیا ہے۔

"جلال الدین انور"



کعبۃ اللہ اور اس کی تعمیر و تاسیس

ایک بلند پایہ علمی، تاریخی اور تحقیقی مقالہ

(جناب مولانا عبدالقیوم صاحب ندوی)

کعبہ عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی بلندی کے ہیں۔ یہ کعب سے مشتق ہے اور چونکہ یہ عظمت و مرتبت سے دنیا کے عام مکانوں اور تمام اشیاء سے بلند تھا۔ اسی لئے اسکا نام کعبہ پڑ گیا۔ اللہ بزرگ و برتر نے اس رحمت والے مکان اور برکت و عظمت والے گھر کی جو شان و شوکت اور جو عزت و بزرگی عطا فرمائی ہے وہ احاطۂ تحریر سے باہر اور بالکل باہر ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ملائک کا نزول ہوتا ہے۔ وہ مکان ہے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسکے گرد جمع ہو کر عشق و محبت کے طواف کئے ہیں اور انھی کی یادگار میں تا قیام قیامت تمامی عالم کے لئے اسکا حج قرار دیا ہے۔ اس کے گرد کا حصہ حرم پاک ہے۔ جہاں کافر کا داخلہ ممنوع۔ پناہ گزیں کا ستانا حرام اور ہر قسم کے لغو اور فضول اعمال و افعال قطعاً ناجائز۔ وہاں کی ہر چیز مامون اور محفوظ۔ حتیٰ کہ جانوروں کا شکار بھی منع اور جنگل کے درختوں کو بھی چھیڑنا حرام اور قطعاً حرام۔ اللہ اللہ کیا عزت ہے۔ بزرگی و شان کا کیا پاکیزہ اور روح پرور نظارہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص بھی مسلمان ہو کر اس خاک میں دفن ہوگا۔ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیجائیگی۔ اور کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ایک دوسری جگہ آیا ہے کہ جس کسی مومن کا کوئی عضو بھی اس مقدس سرزمین میں مدفون ہوگا۔ اللہ کی رحمت اس کو گھیر لے گی۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ خانہ کعبہ کے عین مقابل سے ہو کر کوئی پرندہ اڑ کر نہیں جا سکتا ہے۔ ان سب بزرگیوں سے بڑھ کر سب سے بڑی بزرگی جو اللہ پاک نے کعبہ کو عنایت فرمائی وہ یہ ہے کہ اسے مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا کہ وہ اپنی ہر عبادت اسی طرف رخ کر کے ادا کریں۔ تاکہ وحدت اسلامی کا وہ نظام قائم ہو کہ جس کی نظیر نہ قبل میں مل سکے اور نہ بعد میں۔ حرم مدینۂ منورہ کی راہ سے تین میل تنعیم تک ہے۔ عراق کی طرف سے ۷ میل ثنیہ تک اور طائف سے ۷ میل بطن نمرہ تک اور جدہ کے راستہ سے ۱۰ میل منقطع الشائر تک مقرر ہے۔ یہ حرم کی حدود ہیں اور اسی کے لئے وہ مخصوص اور اہم ترین احکامات ہیں جنکی تشریح اور تفصیل سے فقہ، حدیث اور تصوف کی کتابیں لبریز ہیں۔ کعبہ شریف کی تاریخی تعمیر و تاسیس کے متعلق روایتوں میں آیا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے بیت المعمور کے عین محاذ میں۔ یہاں عبادتگاہ بنائی تھی۔ مگر طوفان نوح نے اسکو بالکل منہدم اور بے نشان کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام تک کے زمانہ کے متعلق اہر

بارے میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ثالث)

جب حضرت ابراہیمؑ مبعوث ہوئے اور آپ کی دونو بیویوں حضرت سارہؓ اور ہاجرہؓ کے درمیان نزاع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو کسی جنگل میں چھوڑ آئیں۔ آپ نے ان کو خاص اس جگہ چھوڑا جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آتشیں ریگستان میں سے آب زمزم کا چشمہ نکال کر حضرت ہاجرہ کی تسلی وتشفی کی۔ اور قبیلہ بنی جرہم کے دل میں القا کیا کہ وہ اس پاک پانی والے چشمے کے گرداگرد آباد ہو جائیں۔ چنانچہ وہ آکر اس کنوئیں کے گرد آباد ہو گئے۔ اور حضرت اسماعیلؑ نے بڑے ہو کر (اپنی بکریوں کے لئے اس جگہ گھر بنایا۔ زمانہ گذرتا گیا اور رات دن کے چکر برابر ہوتے رہے۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ملکر اس جگہ ایک عبادتگاہ تعمیر کریں۔ چنانچہ آپ نے اور حضرت اسماعیلؑ نے ملکر حکم خداوندی کے مطابق عبادتگاہ نانی شروع کی۔ جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں ملتا ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ۔ س آیت سے ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ عمارت کوئی لکل نئی عمارت نہیں تھی۔ بلکہ اس کی بنیادیں موجود تھیں۔ س کو یہ دونو مقدس صرف بلند کر رہے تھے۔ (تفسیر کبیر و ابن ریر طبری)

چنانچہ جب اس بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو لوگوں کو ں کی طرف حج کرنے کا حکم ہوا۔ اور حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا اکہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا ملی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (قرآن کریم)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں اعلان کر دو حج کا وہ آئینگے پیدل اور سواریوں پر دور دراز مقامات سے۔ اس پیشنگوئی کے مطابق لوگ دور دور سے حج کرنے آنے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کا وصال ہوا تو اس کی تولیت اور کلید برداری کا ذمہ حضرت اسمٰعیلؑ کے سر ہوا۔ ایک عرصہ تک وہی اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ اس کے ایک زمانہ بعد جب انمیں کمزوری واقع ہوئی تو عمالقہ نے یہ کام سنبھالا۔ اور اب وہ متولی کعبہ اور اس کے کلید بردار تھے۔ (تاریخ ابن جریر طبری)۔

گذشتہ زمانہ کی طرح ان کے عہد میں بھی لوگ جوق در جوق حج کو آیا کرتے تھے۔ اور برابر اس کی تعظیم وتکریم کیا کرتے۔ تہامہ ایک طاقتور قوم تھی۔ اسکا ایک بادشاہ گذرا ہے۔ اس لئے خانہ کعبہ کا غلاف بنا کر اسکی ظاہری رونق وبہجت میں کافی اضافہ کیا اور ایک عظیم الشان دروازہ لگا کر ..... گھر داری کا باقاعدہ سلسلہ قائم کیا۔ (تاریخ مسعودی جلد پنجم)

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل فارس بھی اس زمانہ میں حج کو آیا کرتے تھے۔ اور بڑی بڑی نذریں چڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالمطلب نے اپنے زمانہ میں ایک بار چاہ زمزم صاف کرایا تو اس میں سے دو سونے کے ہرن قدیم ساخت کے ملے۔ جن پر کندہ تھا کہ اہل فارس کے لائے ہوئے ہیں اور عمالقہ کے زمانہ کے ہیں۔ (تاریخ العرب)

عمالقہ کے بعد بنو جرہم کے قبضہ میں تولیت اور کلید برداری کا منصب آیا۔ کیونکہ یہ اگرچہ ددھیالی رشتہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کے کوئی نہ تھے۔ مگر والدہ کی طرف سے یہ قریبی رشتہ دار تھے۔ غرضیکہ ایک عرصہ تک یہ اس عہدہ پر قابض رہے لیکن

ایک مدت کے بعد ان کو بھی اس جگہ کو چھوڑنا پڑا اور اسکو بنو خزاعہ
نے حاصل کرلیا۔ مگر جب بنو اسمٰعیل کی تعداد اور زیادہ ہوئی اور
شمار سے خارج ہوگئی اور قریش غالب آگئے تو انھوں نے تولیت کے
بعد خزاعہ سے لیکر اپنے قبضہ میں کرلیا۔ یہ قصی کا
زمانہ تھا۔ اس نے خانہ کعبہ کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔ اور بڑے
بڑے شہتیروں سے اسے پاٹ کر ایک خاص شکل دیدی۔ عرب کا مشہور
شاعر اعشیٰ اسی کے متعلق کہتا ہے ؎

فضت التوبی راحلت الدور والتی
بناھا قصی و اما ضامن بن جرھم

اس کے بعد عمارت کو اتفاقاً آگ لگ جانے کیوجہ سے خانہ کعبہ
تقریباً منہدم ہوگیا۔ لوگوں نے اسکی تعمیر کے لئے چندہ جمع کیا۔
اس زمانہ میں جدہ کے ساحل پر.... ایک جہاز ٹوٹ گیا تھا۔ اہل
مکہ نے اس کی لکڑی چھت کے لئے خریدلی۔ چنانچہ اب عمارت
ایک نئے نقشہ سے تیار کی جانے لگی، پہلے دیواریں صرف قدآدم
تھیں۔ اب اٹھارہ ہاتھ بلند کی گئیں۔ دروازہ پہلے سطح زمین
سے ملا ہوا تھا۔ اب قدآدم کرسی پر لگایا گیا۔ اس کے علاوہ بھی
اور بہت سی ترمیمات اور اضافے ہوئے۔ لیکن چونکہ عین موقعہ
پر روپیہ کم ہوگیا۔ اسلئے دیواریں چھوٹی کردیں۔ یعنی چھ ہاتھ ایک
بالشت جگہ چھوڑدی اور اسکے گرد ایک چھوٹا سا احاطہ کھینچ دیا
تاکہ بیت اللہ کی بنیاد قائم رہے۔ یہ عمارت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
کے عہد خلافت تک اسی طرح رہی۔ جب یزید بن معاویہ کی فوجوں
نے جس کا سردار حصین بن نمیر تھا۔ ابن الزبیرؓ کو آگھیرا۔ اور
منجنیق سے اس عمارت کو نقصان پہنچایا تو حضرت ابن الزبیرؓ نے
اس کو گرا کر پھر نئے سرے سے بناء ابراہیمی نکال کر صحابہ کرام کو
دکھائی۔ اور اسی بنیاد پر دیواروں کو اٹھانا شروع کیا (سفیر ابن
بزاز و دارقطنی) اس موقع پر تجدید عمارت کے لئے صحابہ کرام
میں آپس میں سخت اختلاف واقع ہوا۔ مگر عین موقع پر حضرت
عبداللہ ابن زبیرؓ کو حضرت عائشہ سے یہ روایت مل گئی۔ لولا
قومك حديث عهد لكن لرددت البيت على قواعد
ابراهيم ولجعلت له مابين شرقيا وغربيا۔ (مسلم ونسائی)
چنانچہ اس روایت کے مطابق آپ نے کسی کی کچھ پروا نہیں کی
اور نئے سرے سے حضورؐ کی خواہش کے مطابق ابراہیمی نشانات
پر خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے لگے۔ ۲۷ ہاتھ دیواریں بلند ہوگئیں دروازوں
میں بھی کافی اصلاح ہوئی وغیرہ۔

یزید کے بعد عبدالملک کی فوج نے مکہ کا محاصرہ کیا۔
بیت اللہ پر منجنیق برسائے گئے۔ حضرت ابن الزبیرؓ شہید ہوئے اور
عمارت کو کافی نقصان پہنچا۔ اسکے بعد حجاج نے عبدالملک سے
تعمیر کے بارے میں رائے لی۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ موجودہ عمارت
گرادی جائے اور قریش کی بناء پر اسکی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ ایسا
ہی کیا گیا اور ۶ ہاتھ ایک بالشت جگہ چھوڑکر جہاں آج کل
حجر اسود ہے۔ دیواروں کو قریشی طریقہ پر اٹھانا شروع کردیا۔ اور
مغربی دروازہ کو بند کرکے مشرقی دروازے میں بھی کچھ تبدیلی
کی اور بقیہ عمارت اپنی جگہ پر رہنے دی گویا موجودہ عمارت حضرت
عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج کی عمارتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔
(تاریخ ابن خلدون)۔ اس کے بعد ولید نے صرف یہ کیا کہ
پتھر کے ستونوں پر مسافرخانے بنوا دئے۔ جن کو دولت عباسیہ
کے مشہور خلیفہ منصور اور اس کے بیٹے مہدی نے کچھ اور ترقی
دی۔ پھر اس کے بعد سے اس میں اور کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں

ہوا۔ (تاریخ الخلفاء)

خانہ کعبہ میں پرانے زمانہ کا بہت خزانہ مدفون تھا جس کو باوجود علم کے کسی خلیفہ یا بادشاہ نے ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن جب ۱۹۹ھ میں حسن بن حسین کو اقتدار حاصل ہوا تو انھوں نے اس سارے خزانہ کو خالی کر دیا اور کہا کہ اس خزانہ کے سب سے زیادہ ہم مستحق ہیں۔ کعبہ ان خزانوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے بعد پھر یہ خزانہ ہمیشہ خالی رہا اور اب بھی خالی ہے۔

فیضِ عام

(از خواجہ فیض محمد فیض لودھیانوی منشی فاضل لاہور)

(۱)

در سرِ بنِ مُو کہ مے نہی گوش ✣ فوارۂ فیضِ اوست در جوش (فیضی)

(ہر اُس بال کی جڑ میں جہاں تُو کان دھرتا ہے ۔ اُس کے فیض کا فوارہ جوش میں ہے ۔)

(۲)

من کہ در یوزۂ فیض از دمِ عیسیٰ کردم ✣ باز خواہم کہ دمم در تنِ اندیشہ رواں (مولانا شبلی)

(میں نے حضرت عیسیٰؑ کے زندگی بخش سانس سے فیض کی بھیک لے لی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ خیال کے جسم میں پھر روح پھونکوں)

(۳)

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید ✣ دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد (نامعلوم)

(روح القدس یعنی حضرت جبرائیل کا فیض اگر پھر مدد فرمائے ۔ تو دوسرے بھی وہی کریں جو حضرت عیسیٰؑ کرتے تھے)

(۴)

فیض بخشِ گنجِ عالم مظہرِ نورِ خدا ✣ ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما (خواجہ معین الدین چشتی)

(دنیا کے خزانے کا فیض بخشنے والا۔ اور خدا کے نور کا مظہر، ناقصوں کے لئے پیر کامل اور کاملوں کے لئے رہبر ہوتا ہے)

(۵)

در بحر نیاید ار ز فیض تو قوت ✤ اورنگ صدف شود گہر را تابوت (تسلیم)

(اگر تیرے فیض سے سمندر میں خوراک نہ آئے - تو سیپ کا تخت موتی کے لئے تابوت ہو جائے)

(۶)

الٰہی خاتم مہر سلیماں ساز نامم را ✤ ز فیض اسم اعظم بخش تاثیرے کلامم را (مولوی آبدا)

(خداوندا میرے نام کو مہر سلیمان کی انگوٹھی بنا دے - اور اسم اعظم کے فیض سے میرے کلام کو تاثیر بخش دے)

(۷)

اولاد نبی کہ مخزن اسرار اند ✤ سرچشمۂ فیض و مہبط انوار اند (قدرت اللہ قدرت)

(نبی کی اولاد بھیدوں کا خزانہ، فیض کا سرچشمہ اور انوار کا مقام نزول ہوتی ہے)

(۸)

فیض سخن بہ مرد سخن گو نمی رسد ✤ از نافہ بوئے مشک بہ آہو نمی رسد (غنی کاشمیری)

(جس طرح نافہ سے مشک کی بو ہرن کو نہیں آتی - اسی طرح شاعر کو شاعری کا فائدہ نہیں پہنچتا)

(۹)

در فیض سخن ہرگز بدست سعی نکشاید ✤ بدندان وانمی گردد گرہ چون بر زبان افتد (غنی کاشمیری)

(شاعری کے فیض کا دروازہ کوشش کے ہاتھ سے ہرگز نہیں کھلتا۔ گانٹھ جب زبان پر آ پڑے تو دانتوں سے نہیں کھلتی ہے)

(۱۰)

تیرہ روزی ہائے ارباب سخن بے فیض نیست ✤ خانہ چون تاریک باشد جمع می گردد حواس (اثر)

(شاعروں کی تنگدستیاں فائدہ سے خالی نہیں ہیں - گھر جب تاریک ہو تو حواس جمع ہو جاتے ہیں)

(۱۱)

کند فیضِ خموشی صاحبِ دیواں سخنور را ✤ بہم آید دو مصرع چوں بہم می آورد لب ہا (شوکت)

(خاموشی کا فیض شاعر کو دیوان کا مالک بنا دیتا ہے - وہ جب لبوں کو ملاتا ہے تو دو مصرعے مل جاتے ہیں)

(۱۲)

بارِ ہر فیض در برِ سخن است ✤ مغزِ اسرار در سرِ سخن است (میرزا مرزا علی فصیح)

(ہر فیض کا ڈھیر شاعری کے پہلو میں ہے - بھیدوں کا گودا شاعری کے سر میں ہے)

(۱۳)

از فیضِ حُسنِ تو شد عالم آنچناں سیراب ✤ کہ می تواں ز گُلِ کاغذی گلاب گرفت (صائب)

(تیرے حسن کے فیض سے دنیا اس طرح سیراب ہوگئی - کہ کاغذ کے پھول سے گلاب کا عرق نکالا جا سکتا ہے)

(۱۴)

ز فیضِ عشق دلہائے مخالف مہرباں گردد ✤ ز آتش رشتہ ہائے شمع باہم یک زباں گردد (صائب)

عشق کے فیض سے مخالف دل مہربان ہو جاتے ہیں - آگ سے شمع کے دھاگے یک زباں بن جاتے ہیں)

(۱۵)

فیضِ عامش نگرائے شاہدِ کُل اخُردہ مگیر ✤ کہ دریں باغ چرا پرورشِ خس کردند (مولنا جامی)

(اے ہر چیز کا مشاہدہ کرنے والے اسکا فیض عام دیکھ اور اعتراض نہ کر کہ اس باغ میں گھاس کی پرورش کیوں کی ہے)

(۱۶)

آنقدر فیضے کہ من از بے زبانی دیدہ ام ✤ ترسم آخر شکرِ خاموشی کُند گویا مرا (نامعلوم)

جس قدر فائدہ میں نے خاموشی میں دیکھا ہے - میں ڈرتا ہوں کہ اس کا شکر مجھے آخر کار گویا کردے گا)



تاجِ شاہی محبت کی ٹھوکروں میں

(دوسرا بند)

اے محبت تجھ کو سجدے تیری قوت کو سلام + جسکی قسمت تو بنائے اسکی قسمت کو سلام

ہے خدائی سے الگ تیرا نظامِ داوری + تیری نظریں حکمرانی تیری ٹھوکر قیصری

شادمانی تیری جنت کی ہوائے دل فروز + غم ترے آتشکدے کا شعلۂ کونین سوز

بہتی آنکھیں تیرے دریا خشک لب صحرا ترے + زخم تیری سیرگاہیں داغ تیرے گلکدے

تیری دنیا ہے بلند اس عالمِ ناپاک سے + طور بنتے ہیں ترے انفاسِ آتشناک سے

جنس و نسل و رنگ سے ہے تیری فطرت بے نیاز + کرمکِ ناچیز کا دل اور موسیٰ کا گداز!

تیرے آگے کیا بلا ہے احتیاطِ سلطنت + اک اشارے میں الٹتی ہے بساطِ سلطنت

زلزلے آتے ہیں محلوں میں تری آواز سے + نغمے کیسے دل بندھے پھرتے ہیں تیرے ساز سے

تیرے اٹھوائے ہوئے ہاتھوں میں اتنا اختیار + اک بھکارن مول لے سکتی ہے تاجِ شہریار

عرش سے تا فرش سب پردے اٹھا دیتی ہے تو + بیخودی دیکر خدا سے بھی ملا دیتی ہے تو

پردہ دارِ ماورائے ماورا تو ہی نہ ہو + حسنِ ظن کو ہے یہ اندیشہ خدا تو ہی نہ ہو

گر خدائے دیگر است ایں قوت و ہیجان کیست
انقلابِ عالمِ ایجاد ہرسوماں کیست

(شاعر آگرہ) (مولانا) سیماب)

نظم

پیغامِ شہید کا ایک بند

یہ نمائش، یہ تماشے، یہ تنوع کاریاں + یہ شعارِ ناروا، یہ ساز، یہ تیاریاں

یہ لباسِ نو میں اپنی شان و شوکت کی نمود + یہ نئے پردوں میں اوہامِ قدامت کی نمود

یہ رنگیلے پیرہن، آنکھیں نشیلی، ہونٹھ لال + پان کلّے میں، جبیں پہ مغربی فیشن کے بال

عورتوں کی بھیڑ، مردوں کا ہجوم و اژدہام + یہ محرم کا مہینہ، عید کی سی دھوم دھام

عارضِ گلگوں پہ کاکل کی لٹیں لٹکی ہوئی + پُرہوس دل، چال آوارہ، نظر بھٹکی ہوئی

یہ فریبِ نفس، جھوٹا بانکپن بازار میں + گھر میں فاقہ، دعوتِ کام و دہن بازار میں

ڈھول اور تاشوں کا یہ ہنگامۂ حشر آفریں + تال سُر کے ساتھ نوحوں کی صدائے نازنیں

یہ زیارت کے بہانے، یہ نظارہ بازیاں + قومیت سازی کے پردے میں زمانہ سازیاں

یہ غلط اسراف، یہ اسلاف کی رسوائیاں + رہگذاروں میں یہ بے معنی جلوہ فرمائیاں

مدعا اس سے بجز عرضِ ریاکاری نہیں

اور یہ کیا ہے جو توہینِ عزاداری نہیں؟

(مولانا) سیماب اکبر آبادی (شاعر آگرہ)

خلیل و ذبیح کی یادگار

(از سید محمد ازہر شاہ قیصر خلف علامہ سید انور شاہؒ)

"صدائے حرم" کے نام سے مکتبہ ابنائے علامہ انور شاہ دیوبند جناب قیصر کے مذہبی مقالات کا ایک مجموعہ مرتب کر رہا تھا جس کی اشاعت جناب قیصر کی خانگی الجھنوں سے معرض تعویق میں پڑ گئی۔

ذیل کا مضمون اسی مجموعہ سے ماخوذ ہے جسے قارئین پیام اسلام کے لئے درج کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ "صدائے حرم" بہت جلد مرتب و مہذب ہو کر ارباب ذوق کی خدمت میں پہنچا دیا جائے گا۔　　(اغزالی)

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک اس بسیط و عریض دنیا میں مردان حق آگاہ مرضیاتِ الہٰی کے تابع ہو کر خالق ارض و سما کی خوشنودی کے لئے اپنی جانِ عزیز اس پر نچھاور کر کے عبودیت و فداکاری کے مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔ تاکہ آنے والی نسلیں جان نثاری اور اولوالعزمی کے ان مظاہروں سے سبق عبرت حاصل کریں۔ اور ان کے قدم بقدم چل کر حق کی شمع ایزد افروز کو روشن رکھنے کی کوشش کریں۔

حوادثِ دہر کا دست ستم خالق دوجہاں کے ان نیک اور حق شناس بندوں کی جو نام حق پر گوناگوں صعوبتوں اور دقتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، اولوالعزمی اور ایثار و ثبات کے ایسے بہت سے مظاہروں کو نوع انسانی کے صفحات قلوب سے محو کرتا چلا آیا ہے جنہیں اب داستانہائے پارینہ سے زیادہ وقعت و اہمیت حاصل نہیں۔ لیکن اب سے ہزارہا سال پہلے حکیم و قدیر کے اطاعت گذار اور فرماں بردار بندوں یعنی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے ارشاد الہٰی کی تعمیل میں فداکاری اور اولوالعزمی کا جو عدیم النظیر نمونہ پیش کیا تھا۔ وہ زمانہ کی بہت سی کروٹیں بدلنے اور صدیوں پر صدیں گذر جانے کے باوجود آج تک مہر نیمروز بن کر فسوق و عصیان کی تیرہ و تار گھٹاؤں کو چیرتا ہوا بندگان خدا کے دلوں کو نورِ حق سے منور کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

بلاشبہ اطاعت و انقیاد کے اس عدیم المثال اقدام نے ان پیکرانِ تسلیم و رضا کو حیات دوام دلائی اور وہ بصد فخر و ابتہاج کہہ سکتے کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق !
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

امتداد زمانہ کی باد صرصر بڑے سے بڑے پر سطوت بادشاہوں کے چراغ رفعت و عروج کو گل کرتی چلی آئی ہے۔ اور اس عالم ناسوت کی رسم کہن کے موافق وہ صاحبان کمال جنہیں قدرت کاملہ نے عزت و شہرت سے فیضیاب فرمایا تھا، اس طرح بے نام و نشان ہوئے کہ آج تاریخ کے اوراق بھی ان کے تذکار سے خالی ہیں۔ مگر ابراہیم و اسمٰعیل کے ثبات و عزم کا وہ نقش جسے ان کی جان نثاری اور

فداکاری نے اور زیادہ شوخ بنا دیا تھا۔ صفحۂ عالم پر اس شان کے ساتھ ثبت ہے کہ وہ ہر بار جمال و جلال والے خدا کے سچے عاشقوں کو نئی تازگی بخشتا ہے۔

دیدۂ بصیرت اگر چاہے تو وہ اس واقعہ سے عبرت و موعظت کے بہت سے اسباق حاصل کر سکتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ایک رات خواب میں غیب کی یہ آواز سنی کہ ہماری راہ میں کچھ قربانی کرو' ابراہیم خدا کے صدیق نبی اور اس کی دعوت کے برگزیدہ ترین داعی تھے' اس لئے ان کا خواب محض خواب نہیں بلکہ وحی الٰہی کی ایک رمز تھا' ابراہیم نے سپیدہ سحر کے طلوع ہونے کے بعد اپنی کچھ بھیڑیں اللہ کی راہ میں قربان کیں کہ شائد باری تعالیٰ اس نذر مختصر کو شرف قبول عطا فرمائے مگر دوسری رات اور پھر تیسری رات پھر وہی آواز سنی' رمز شناس ابراہیم سمجھا کہ علیم و حکیم خدا اس کی عزیز ترین چیز قربانی میں مانگتا ہے' چنانچہ آپ علی الصباح اپنے لخت جگر اور اکلوتے بیٹے کو جو باپ کی امیدوں کا مرکز' تمناؤں کا گہوارہ اور بڑھاپے کا سہارا تھا' اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے ارادہ سے ایک فلک بوس پہاڑ پر لے آئے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی فداکاری

اسمٰعیل آخر کس باپ کے بیٹے تھے' چنانچہ اللہ کے خلیل نے جب یہ ارادہ اللہ کے ذبیح پر ظاہر کیا تو وہ نوخیز و نوجوان فداکار مسرت و شادمانی سے پھولا نہ سمایا اور اللہ کی راہ میں قربان ہو کر الطاف یزداں سے ہمکنار ہونے کے لئے بیقرار ہو گیا اور کہنے لگا کہ

"اپنی آنکھ پر پٹی باندھ لیجئے کہ شفقت پدری ہاتھ کی طاقت کمزور نہ کر دے اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے کہ خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں کو خراب نہ کر دیں۔"

آفتاب جہاں تاب کی ضیا بار کرنیں ثبات و استقلال کے اس مظاہرے کو دیکھ کر گردون گرداں پر تھرا اٹھیں' نباتات و شجرات و حیوانات نے رجز مستانہ کے ساتھ ابراہیم و اسمٰعیل کو ان کی اس فداکاری پر ہدیۂ تہنیت پیش کیا' بام چرخ سے ملائکہ خاص نے ان گردان الٰہی پر فردوس بریں کے تازہ بتازہ اور رنگ برنگ کے پھول نچھاور کئے' زمین کا ذرہ ذرہ ابراہیم و اسمٰعیل کی بلائیں لینے کے لئے آگے بڑھا اور حیرت و استعجاب کے ساتھ کہنے لگا کہ ابراہیم و اسمٰعیل رب اکبر کے سچے صادق اور نیک دل بندے ہیں جو اپنی زندگی کا آخری سانس اور اپنے خون کا آخری قطرہ خالق اکبر پر قربان کرنے سے گریزاں نہیں ہو سکتے' حضرت ابراہیم نے اپنے اس نیک فرزند کے جسے عنفوان شباب کی منزل میں قدم رکھے تھوڑی مدت گزری تھی حلقوم پر چھری پھیر دی لیکن جب آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو اسمٰعیل کی جگہ ایک مینڈھے کو پڑا ہوا دیکھا اور اسمٰعیل کو زیر لب خندہ زن'

قربانی!

۱۰ ذی الحجہ کے مبارک و مسعود یوم میں فرزندان توحید حیوانات کو صرف اس لئے ذبح نہیں کرتے کہ ان کے خون سے زمین کو لالہ زار کر دیں بلکہ اس کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل کی یاد تازہ

رہے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ نے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ قربانیاں کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت، یعنی جس طرح ابراہیم و اسمٰعیل نے منشائے ربانی کی تعمیل میں جانبازانہ اور سرفروشانہ آگے بڑھ کر صبر و رضا کا نہ مٹنے والا نقش قائم کر دیا اس طرح پیروان توحید رضائے الٰہی کے رستہ میں سر دھڑ کی بازی لگا کر روایات حق کو سربلند رکھنے کی کوشش کریں قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ انداز میں جہاں ذبیح و خلیل کے اس عظیم الشان کارنامہ کا ذکر کیا ہے وہاں اس حقیقت مذکورہ کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے۔

وحی الٰہی کا اعلان ہے کہ فلما اسلما وتله للجبین یعنی جب ابراہیم و اسمٰعیل ہماری منشا پورا کرنے کے لئے ہمہ انقیاد ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو ہم نے خلیل کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا۔ اس کے بعد اعلان ہے کہ اس ہی حقیقت کو ہم نے دوسروں کے لئے بطور یادگار چھوڑا وترکنا علیه فی الاخرین۔

دوسری جگہ قربانی کا مقصد اس طرح بیان کیا ہے کہ و لکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علیٰ ما رزقهم من بهیمة الانعام فالٰهکم الٰه واحد فله اسلموا۔ واشگاف طریقہ پر اعلان کیا گیا ہے کہ قربانی کا منشا ایک خدا کی اطاعت اور فرماں برداری ہے جس مقصد کو سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو معبود حقیقی کے آگے قربان کر دے۔

اللہ پاک جمیع اہل اسلام اعلاء کلمة الحق کی خاطر جان و مال کی قربانی کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک قابل تقلید بزرگ کی وفات

آہ قاضی وحید الدین مرحوم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

(از قلم غمزدہ عبد القیوم ندوی ستر کھ بارہ بنکی)

۱۸ دسمبر ۳۸ء کی شام کو تقریباً ۶ بجے یہ شور سنائی دیا کہ الحاج قاضی وحید الدین صاحب مرحوم کی حالت نازک ہے۔ یہ وحشتناک اطلاع سنتے ہی فوراً دیکھنے کے لئے دوڑا مگر افسوس جس کو دیکھنے کے لئے دوڑا اتنا معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی (حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے) جنت کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دل دھڑکا دل کا خون آنکھوں کو آیا جو پانی بن کر زمین کو تر کر گیا۔ اور سینہ سے ایک آہ کا شعلہ نکلا جسنے صبر و تمکین کی ساری کائنات کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

مرنا سبھی کو ہے، اور سبھی اس راہ سے گذریں گے اور جلد یا بدیر ہر فرد بشر کو یہ تلخ جام بہر حال پینا ہی ہوگا۔

ہر آنکہ زاد بہ ناچار بائدش نوشید
ز جام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان

لیکن کسقدر المناک ہے وہ موت جس سے ہزارہا فقراء و مساکین، اور غرباء و یتامیٰ کی موتیں واقع ہوں، اور کس قدر حسرتناک اور دل خراش روح فرسا ہے وہ رحلت جس سے بیشمار گھرانوں کی خوشیاں اور شادمانیاں غمیوں اور سوگواریوں میں تبدیل ہو جائیں

آہ آج مادر ستر کھ کا ذرہ ذرہ غمکدہ بنا ہوا ہے۔ کہ اس سے اس کے بونہار لال کو چھین لیا گیا۔ اور لاتعداد گھرانے حزن و الم اور رنج و بکا کے نمونے بنے ہوئے ہیں۔ کہ ان کے سروں سے رحمت و برکت اور شفقت و عنائت کا تاج اتار لیا گیا۔ آج کون زبان ہے جو اس جگر خراش حادثہ پر نوحہ خواں نہیں! کون آنکھ ہے جو اس روح فرسا صدمہ پر اشک بداماں نہیں! اور کون دل ہے جو اس واقعہ فاجعہ پر ماتم کناں نہیں!

آج شور ہے تو صرف ماتم و فریاد کا، غوغا ہے تو صرف رونے اور چیخنے کا اور آوازیں ہیں تو صرف آہ و بکا اور حزن و ملال کی۔

آہ آج سے وہ اگلی وضعداریاں ختم وہ بزرگانہ اخلاق تمام اور وہ کریمانہ اوصاف رخصت اور ساتھ ہی ساتھ عقل و ہوش اور صبر و تمکین کی متاعین بھی رخصت، ع

الوداع اے صبر و تمکین الفراق اے عقل و ہوش

جب تک دنیا قائم ہے، ابھی اس زمین سے ہزارہا انسان پیدا ہوں گے۔ اور نہیں معلوم کیسے کیسے پیدا ہوں گے لیکن

آہ اب قاضی وحید الدین کبھی نہ پیدا ہوں گے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

قاضی وحید الدین صاحب مرحوم ومغفور نہ صرف ان مخیر اور نیک نفس روسائے سے تھے کہ جن کی ذات سے سینکڑوں غربا اور فقرا کی امیدیں وابستہ تھیں اور بیشمار دینی اور قومی امور ان کے ایک اشارہ سے حل ہوا کرتے تھے، بلکہ وہ بہت بڑے اہل علم اور صاحب کمال ومرتبت بھی تھے، کہ جن کے ساتھ وہ کمالات اور خصوصیات بھی رخصت ہوگئیں، وہ ایک بڑے ادیب اور مستند شاعر بھی تھے اور فارسی میں اپنا مثیل نہیں رکھتے تھے کہ جس کا مفصل تذکرہ انشاءاللہ آئندہ کسی تفصیلی مضمون میں شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ وہ اخلاق کا مجسمہ، لطف ومحبت کا دیوتا، اور خلوص اور ایثار کا فرشتہ تھے، سنجیدگی ان کی طینت اور شرافت ونیک نفسی ان کی خصلت تھی وہ وطن کے خدمتگار، انسانیت کے غمخوار، اور اسلام کے پرستار تھے۔ نیکی اور ہمدردی کا یہ عالم تھا کہ کسی کا دکھ ان سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ فیاضی اور سیرچشمی کا یہ حال کہ نمعلوم کتنوں کو پوشیدہ طریقے سے کتنی امدادیں کیا کرتے تھے، پابندی عہد اور وضعداری کی یہ حالت کہ بس اب یہ صفات خصوصی انہیں پر ختم ہوگئیں، لوگوں کا بیان ہے کہ عمر بھر میں جس سے بھی جس بات کا وعدہ کرلیا پھر اسے پورا کئے بغیر سکون اور آرام کا سانس نہ لیا۔ ایثار کی یہ کیفیت وامے درمے قدمے سخنے ہر وقت ہر شخص کی امداد کرنے کے لئے ہمہ تن تیار رہا کرتے تھے۔ آہ کہ اب یہ اخلاق کریمانہ کہاں دیکھنے میں آویں گے۔

یہی وجہ تھی اور صرف یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی آپ کی موت کی خبر کی شہرت ہوئی کیا اپنا کیا پرایا، کیا ہندو کیا مسلمان سب کے سب کسی خاص جذبہ کے ماتحت ایک خاص پریشانی اور اضطرابی حالت میں ان کے گرد جوق درجوق جمع ہوکر مرغ بسمل اور ماہی بے آب نظر آنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج ان کے سروں سے کسی بیحد شفیق اور مہربان باپ کا سایہ اٹھ گیا ہے یا ان کی جان سے زیادہ محبوب کوئی متاع عزیز زبردستی چھین لی گئی ہے۔

وہ امور شرعیہ کے بھی بیحد پابند تھے۔ چنانچہ آخر وقت تک نماز باجماعت قضا نہیں ہونے پائی۔ اور ایک سے زیادہ حج بھی کئے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اور بڑی بڑی ریاضتیں فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اکثر اوقات آپ کا دل وزبان ذکر وفکر میں مصروف رہتا اور خشیت وانابت کا یہ حال تھا کہ ہر وقت اپنی مغفرت کا یہ حال رہتا چنانچہ وفات سے چند منٹ قبل خاکسار ان سے ملنے گیا تو جتنی دیر بیٹھا رہا بس صرف اسی کی باتیں ہوتی رہیں اور توبہ واستغفار اور خشیت وانابت میں مصروف رہے۔ حالانکہ اس واقعہ کا کسی کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ غرضیکہ ایک پکے اور سچے مسلمان میں جو صفات حسنہ ہونی چاہئیں وہ سب کی سب بدرجہ اتم آپ میں موجود تھیں۔

اب زمین کا یہ فرشتہ ہماری فتور وشر والی سرزمین سے بہت دور امن وامان والے آسمان پر چلا گیا اس کا جسم خاکی اس کی وصیت کے مطابق اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب رح کے پہلو میں لکھنؤ کے مشہور علماء وفضلاء کے قبرستان باغ مولانا انوار رح میں مدفون ہے۔ اور اس کا تن خاکی ایک تھکے ہوئے

مسافر کی طرح زمین کے بچھونے پر ابدی نیند سو رہا ہے۔ اور اس کی پاک روح ہماری تعریف و توصیف سے بے نیاز اور ہمارے نوحہ و ماتم سے بے خبر اپنے نیک اعمال کا محضر لئے ہوئے خداوند کریم کے سامنے ہے، اور امید ہے کہ رحمت و مغفرت کا نورانی خلعت اس کے جسم پر اور عنایت و نوازش کا پر شوکت تاج اس کے سر پر ہوگا۔ آمین آمین یا رب العالمین۔

یرحم اللہ عبدا قال آمنا

آہ حسن و اخلاق اور نیک سیرت کا یہ چراغ اور جود و سخا اور انسانیت و شرافت کی یہ شمع ۶۹-۷۰ سال روشن رہ کر ایک عالم کو اپنی ضیا پاشیوں اور ... باریوں سے روشن و تابناک کرتی رہی حتیٰ کہ آسمان کج رفتار کی حریصانہ نگاہیں اس کو نہ دیکھ سکیں کہ زمانہ کے تیز جھونکوں نے اس چمکتی ہوئی شمع کو بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے خاموش کر دیا۔

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

الفراق ..... الفراق ..... الوداع ..... الوداع

ہمیں اس واقعہ سے جہاں ان کے صاحبزدگان اور دیگر اعزہ واقربا سے دلی ہمدردی ہے۔ خود اپنے سے بھی ہے۔ اور اپنے دل و دماغ سے بھی تعزیت کرنی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے نقش قدم پر پوری طرح چلا جائے تاکہ حقیقی معنوں میں ان کی یاد دلوں کو تازہ رکھے۔ اور اس سے ان کی روح کو مسرت و شادمانی حاصل ہوتی رہے۔

غمزدہ عبدالقیوم ندوی عفی عنہ

آہ حضرت مولوی نثار علی مرحوم

با حجاب تن خاکی نتواں وصل شد
کوزہ خود بشکن لب بلب جو بگذار — صائبؔ

حضرت مولوی نثار علی مرحوم ۸۰ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بقا صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ۔

مرحوم کے اعزہ کو اس نحیف و نزار وجود پر ناز تھا جو اگرچہ مدت سے امراض میں گھرا ہوا تھا آلام جسمانی کا ہدف تھا لیکن اس کے اندر زندگی حیات افروزی اور پاکیزگی کے ایسے چشمے موجزن تھے جو ہر ملنے والے اور پاس بیٹھنے والے کے لئے ذریعہ فیض تھے

مجھے اس خاندان سے حال میں ہی تعلق قرابت حاصل ہوا اور مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۹ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو ہوئی اس روز میں از خود عیادت کے لئے گیا۔ ایک پُر جلال چہرہ جو فقدان صحت کا پتہ دے رہا تھا اُن نقوش کا آئینہ دار تھا جو اس نیک انسان کے اعمال حسنہ کا مظہر تھے۔

مرحوم نے مجھ سے فارسی اور انگریزی میں بعض باتیں دریافت کیں پھر یہ آیت پڑھی: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ

عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ــــ الخ۔ اور فرمایا اللہ ہر بندے کی دعا سنتا ہے میرے لئے بھی اجابت دعا کا وقت آئے گا! میں نے عرض کی کہ ہر امر کا وقت مقرر ہے، اللہ اپنے خاص بندوں کے لئے کئی مرتبہ دنیاوی تکالیف کو ذریعہ امتحان اور راہ محبت کے کانٹے بنا دیتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا اللہ کرے ایسا ہی ہو تم میرے لئے دعا کرو میں خاموش تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔

دوسرے دن انہوں نے خود یاد فرمایا اور عربی میں مجھ سے گفتگو شروع کی، مرحوم ۱۹۱۴ء میں انسپکٹر پولیس کی حیثیت میں ریٹائر ہوئے، اس بدنام محکمہ میں جس نیکی اور پاکیزگی سے آپ نے زندگی بسر کی اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

آپ نے ساری ملازمت میں اپنی سواری کے چارے کے لئے بھی کبھی کوئی چیز بلا قیمت قبول نہیں کی، آپ کی بزرگی کے پیش نظر افسران اعلیٰ آپ کے سامنے حلف وفاداری اٹھاتے، فریضہ تبلیغ و ارشاد آپ کے لئے زندگی کی ہر حیثیت میں محبوب مشغلہ تھا، آپ جہاں تعینات ہوتے خطبہ جمعہ خود دیتے اور عام لوگوں میں وعظ و تدریس جاری رکھتے!

آپ کے فطری استغنا، اور بلندی طبع کا یہ عالم تھا کہ کمیٹی کے سرکاری ممبر بننے سے ہمیشہ انکار کیا۔ دوستوں کے اصرار پر ایک مرتبہ ممبر منتخب ہوئے لیکن قال اللہ وقال الرسول کے شغل نے کسی اجلاس میں شریک ہونے کی مہلت ہی نہ دی

آپ کے قابل فرزند اور سچے خلف مولوی علی احمد صاحب بی۔ اے (آئی۔ ایس۔ ای۔ ایم) اور پروفیسر شبیر احمد قاری ایم۔ ایس۔ سی آپ کی زندہ یادگاریں ہیں،

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اعلےٰ علیین میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

داعی الی الحق

عصر حاضر کی بہترین تصنیف

اتاترک

انجمن اشاعت اسلام جالندھر کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوئی ہے اس کے متعلق اکابر مشاہیر امت نے ذیل کے حوصلہ افزا پیغامات ارسال فرمائے ہیں۔ جس سے کتاب کی عظمت و اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ فخر المتکلمین حضرت مولٰنا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند۔

خط پہنچا۔ اور رسالہ اتاترک بھی موصول ہوا۔ پڑھ کر بے اختیار دل سے نکلی۔ جس مختصر مگر موثر انداز میں کافی انضباط و احتیاط کے ساتھ یہ رسالہ لکھا گیا ہے وہ بہرحال لائق تحسین ہے۔ بعض مواضع کو پڑھتے ہوئے بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش

کو مقبول بنائے۔

۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب پرنسپل دارالعلوم دیوبند:

برادر عزیز مولوی ضیاء الحسن صاحب سلمہ ابن مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی نے مصطفیٰ کمال مرحوم کے سوانح حیات کو قلمبند فرمایا ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے۔ ضرورت تھی کہ مرحوم کے جلیل القدر کارنامے اور ان کی سرفروشانہ زندگی کو غلام آباد ہند کے بسنے والوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ وہ بھی سبق سیکھ سکیں کہ آزادی پر مر مٹنے والوں اور ملک و قوم کے جان نثاروں کی کیا شان ہوتی ہے۔ عزیز موصوف نے اسی مقصد کے پیش نظر نہایت کاوش سے ان کے حالات کو قلمبند کر دیا ہے۔ وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ اب ہمارا فرض رہ جاتا ہے کہ ان کی زندگی کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کریں۔ مجھے امید ہے کہ تمام ہندوستانی عموماً اور مسلمانان ہند خصوصاً اس کا مطالعہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولف کو جزائے خیر دے اور پڑھنے والوں کو اس سے مستفیض فرمائے۔

۳۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب صدر مجلس احرار اسلام:

اتاترک مصنفہ عزیزی ضیاء الحسن سلمہ کو میں نے متفرق مقامات سے دیکھا ہے۔ کتاب قابل مطالعہ ہے۔ غازی کمال اتاترک کے حالات نہایت خوبی سے جمع کئے گئے ہیں۔ بہادر اور ایثار پیشہ اشخاص کے حالات پڑھنے سے کمزور قوموں میں زندگی پیدا ہوتی ہے۔ غازی کمال موجودہ سیاسی دنیا میں سب سے بڑے آدمی تھے۔ ان کے حالات ہندوستان کے نوجوانوں تک پہنچانا ملک و مذہب کی خدمت ہے۔ میرے نزدیک عزیزی موصوف کی یہ خدمت بہت زیادہ قابل قدر ہے۔

۴۔ جناب مولانا انور صاحب صابری:

زندہ اگر روایتِ عہدِ کہن رہے + ممکن نہیں کہ قوم اسیرِ محن رہے
لکھا ہے خوب تذکرۂ مصطفیٰ کمال + تازہ تری امید کا دائم چمن رہے
اسلام کے نظام کا ہے اولیں اصول + اسلام پر نثار ترا جان و تن رہے
تجھ کو نصیب زلفِ محمد کا ہو جنوں + تو عاشقِ جمالِ رخِ ذوالمنن رہے
ہر لفظ ہو وہ گوہرِ نایاب روزگار + شرمندہ جس کے سامنے دُرِ عدن رہے
سایہ فگن ہو سر پہ ترے روحِ بوتراب + تو پیکرِ حسینؓ و "ضیاء الحسنؓ" رہے



فصل

یہ تو واضح ہوگیا کہ قلب (لطیفۂ ربانیہ) بادشاہ کی مانند ہے، بدن اسکی ولایت ہے، عقل کی سوچنے والی قوت اس کا وزیر ہے۔ اور بری صفتیں رذیلوں اور کمینوں کی مانند ہیں۔ پس بادشاہ جب تک حکومت کے کاروبار میں وزیر عقل کے اشارے پر چلتا رہتا ہے تو حکومت کا نظم ونسق درست رہتا ہے اور اگر شہوتیں اور بری خصلتیں اشارۂ عقل کے خلاف تسلط کرلیں تو یہ خلاف عدل ہے۔ ہم اس کی ایک اور مثال بیان کرتے ہیں:

لطیفۂ ربانیہ (قلب) شکاری سوار کی مانند ہے، بدن اسکی سواری ہے، غضب اور شہوت اسکے کتے ہیں۔ اگر گھوڑا اسکا مطیع رہے، اور کتے اسکے فرمانبردار رہیں تو وہ اپنی غرض کو جو شکار ہے حاصل کرلیگا شکار سے مراد ہے اچھے علموں کا اور ابدی سعادت کا تحصیل کرلینا۔ اور اگر گھوڑا سرکش منہ زور ہو، اس کی اطاعت نہ کرے۔ یا کتا سدھا ہوا نہ ہو، نہ تو اسکے چھوڑنے پر چھپٹے اور نہ اسکے اشارے پر رُکے تو کام خراب ہوجائیگا اور مقصود دستیاب نہ ہوسکیگا۔ اور یہ اندیشہ پیدا ہوجائیگا کہ کتا شکار پکڑنے کی جگہ، مبادا اسی کو پھاڑ کھائے۔

فصل

علوم کا بہم پہنچنا دلوں کے لئے کئی طور پر ہوتا ہے:

اوّل: جو علماء کے لئے ہوتا ہے۔ یہ لوگ مقدمات سے نتائج کو پہنچتے ہیں اور دلائل سے ان کے مدلولات کو۔

دوم: جو کشف اور اللہ کے ارادے کے طریق پر ہوتا ہے جیسا کہ انبیا کے واسطے ہوتا ہے۔ اللہ نے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ — اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی روحیں۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ ۔ الٰہی ہمیں چیزیں ویسی ہی دکھا جیسی وہ ہیں۔
سو ان کے لئے حقیقتیں بغیر کسی دلیل یا برہان یا مقدمات کے واسطے کے رُو در رُو آشکار ہوتی ہیں۔ یہی مراد ہے اللہ کے اس قول سے :

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۔ جو کھولتا ہے اللہ لوگوں کے لئے کوئی رحمت تو اسکا روکنے والا کوئی نہیں ہوسکتا

اور یہی رحمت اللہ کے جود و کرم میں ان دلوں کے لئے مبذول ہے جو اسکے لئے مستعد رہتے ہیں اسی کا اشارہ ہے اس حدیث میں :

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا ۔ بیشک تمہارے رب کیلئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ لپٹیں ہیں سو تم ان کا تعرض کرتے رہو۔

تعرض کا مطلب ہے تزکیہ کے ذریعے فلاح و سعادت حاصل کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ اور اعراض سے مطلب ہے خلافِ تزکیہ کاموں سے ادبار اور بدبختی میں گرنا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے : وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (اور نامراد ہوا جس نے اسے خاک آلود کیا) اور کشف چاہنے کا قصد بندے کی طرف سے ہو تو اسکی مثال ہے دعا اور اِسْتِنْزَال هدى (یعنی ہدایت نازل کرنے کی درخواست) ۔ اور اگر اللہ کی طرف سے ہو اور اسمیں بندے کی طرف سے کوئی سبب اور ہدایت نازل کرنے کی درخواست نہ ہو تو اسکی مثال ہے نزول، اور اسی کی طرف اشارہ ہے، اس حدیث نبوی میں :

يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا ۔ اللہ تعالیٰ ہر رات نچلے آسمان کی طرف اترتا ہے۔

اور اس حدیث قدسی میں :

لَقَدْ طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِيْ وَ اَنَا اِلٰى لِقَائِهِمْ اَشَدُّ شَوْقًا ۔ ابرار کا شوق میری ملاقات کے لئے بڑھ گیا ہے اور میرا شوق انکی ملاقات کے لئے بہت ہی زیادہ ہے۔

اور استکشاف اور تکشّف (کشف و ظہور کی درخواست، اور ظہور و نمود) کی دونوں طرفوں کیطرف اس حدیث قدسی میں اشارہ ہے کہ

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا ۔ جو کوئی میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں الخ ۔

الحاصل جودِ الٰہی نے چاہا کہ سعادت بغیر کسی بخل کے مبذول ہو اور کرم سرمدی نے چاہا کہ قلب اصل فطرت میں

اس سعادت کو قبول کرنے کیلئے مستعد ہو، اور اسی کا اشارہ ہے اس حدیث میں : کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ (ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے)۔ اور اس آیت میں : فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ (اللہ کی فطرت جس پر اسنے لوگوں کو پیدا کیا)۔ اور اس آیت میں : لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (ہمنے انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا ہے)۔ ہاں دونو امروں کے بیچ روکنے اور بہلانے والی چیزیں آکھڑی ہوتی ہیں، اور شہوتیں، گندے کام اور بہلاوے بھی ہیں۔ پھر جب رکاوٹیں دُور ہوجاتی ہیں تو کام اپنی اصلی مناسبتوں کی طرف لوٹ آتے ہیں اور اللہ کی جلالت وعظمت قلب کیلئے بے پردہ ہوجاتی ہے اور وہ سعادت ابدی کو پہنچ جاتا ہے۔ برتن جتنا ایک شے سے خالی ہوگا دوسری کے لئے اسمیں گنجائش پیدا ہوگی۔ اللہ تعالے نے فرمایا : الرَّبَّانِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ ۔ پھر جس کو یہ سعادت حاصل ہوگئی وہ مَلَکِ کریم (معزز فرشتہ) ہوگیا۔ وہ ربّانی ہوگیا۔ علیؓ کے کلام میں اسی کیطرف اشارت ہے :

اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی فِیْ اَرْضِہٖ اٰنِیَۃً وَھِیَ الْقُلُوْبُ فَاَحَبُّھَا اِلَی اللّٰہِ اَرَقُّھَا وَاَصْفَاھَا وَاَصْلَبُھَا ۔	اللہ تعالے کے اس کی زمین میں کچھ باسن ہیں اور وہ دل ہیں۔ پس زیادہ پیارا ان میں اللہ کو وہ ہے جو زیادہ رقیق (پتلا۔ نرم) زیادہ صاف، زیادہ سخت ہو۔

پھر ان کلمات کی تفسیر میں فرمایا : سخت ترین دین میں، صاف ترین یقین میں، نرم تر بھائیوں پر ——— اسی کا اشارہ ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ میں یعنی اسکے نور کی مثل ایسی ہے جیسے چراغدان، اسمیں ایک چراغ ہو۔ اُبَیّ بن کعبؓ نے کہا : یہ مثل ہے مومنوں کے نور اور ان کے دل کی۔ اور قول الٰہی : اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ میں منافق کے قلب کی مثال ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا ہے کہ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے مراد مومن کا قلب ہے +

فصل

جاننا چاہیئے کہ انسان کی اصل فطرت میں اور اسکی ترکیب میں چار خلطیں ہیں : صفاتِ سبعیہ[۱] بہیمیہ[۲]۔ شیطانیہ[۳]۔ ربانیہ[۴]۔ سو جہاں اس پر غضب (غصہ) مُسلّط ہوتا ہے تو وہ سباع یعنی درندوں کے کام کرنے لگتا ہے۔ اور جہاں اس پر شہوت غلبہ پاتی ہے تو بہائم یعنی مویشیوں کے افعال بجالاتا ہے

اوراس میں ان دونوصفتوں کے جوڑ پانے سے حرص اور قہر وغلبہ کی محبت سرزد ہوتی ہے۔ اور اگر اس پر شیطنت کا تسلط ہو تو مکر و فریب کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ درحقیقت امر ربانی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اپنے رب ہونے اور بلند و برتر ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے اور اطاعت و فرمانبرداری سے نکلنا چاہتا ہے۔ اور اس امر کی مناسبت کے باعث علم و دانش سے اور عالم و دانا کہلانے سے خوش ہوتا ہے اور اسکے خلاف جہالت سے اور جاہل کہلانے سے ناراض ہوتا ہے۔ پھر جب یہ معلوم ہوگیا تو جاننا چاہیئے کہ عبادت کا شغل رکھنے اور اس پر ہمیشگی کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ نامزا ہو اس کو دبانا اور جو کچھ مناسب ہو اسے رکھنا، اسکا بیان ریاضۃ النفس کے باب میں آئیگا۔

اور جان لینا چاہیئے کہ شائستہ علم جو قلب میں حاصل ہو، اگر وہ پڑھنے سیکھنے اور ترتیب مقدمات کے طریق سے ہو تو وہ عالموں کا طریق ہے۔ اور اگر اس کے بغیر کشف و مشاہدہ کے ساتھ ہو تو وہ طریق صوفیہ ہے۔ اور اسکی دو قسمیں ہیں:

ایک نفس میں الہام کا واقع ہونا۔ یہ نَفْثٌ فِی الرُّوْعِ ہے۔ بقول رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم:

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ:	بیشک روح القدس نے میرے سویدائے دل میں پھونکا کہ
اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ۔	تو جس کو چاہے محبوب بنا کہ تیری اس سے جدائی ہونیوالی ہے
وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مُجْزِیٌّ بِہٖ۔	تو جو کچھ چاہے عمل کرلے کہ تجھے اسکا بدلہ ملنے والا ہے۔
وَعِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ۔	اور تو جتنا چاہے جی لے کہ آخر تو مرنیوالا ہے۔

اور ایک اور قسم ہے جو الہام کی جنس سے ہے، وہ یہ ہے کہ چیزوں کی حقیقتیں اس پر کھل جائیں اور وہ اس فرشتے کو دیکھ لے جو ان پر موکل ہے اور جس سے وہ مستفید ہوتا ہے۔ اور جان لے کہ جب دل صاف و شفاف اور جلا دار آئینے کی مانند ہو جائے اور یہ تو اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ چیزوں کی حقیقتیں لوحِ محفوظ میں نقش ہیں، سو جب کبھی حجاب اٹھ جائے اور آئینۂ دل لوحِ محفوظ کے روبرو ہو تو اسمیں علموں کی حقیقتیں کھل جاتی ہیں۔ اور حجاب کا اٹھنا کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کبھی بیداری میں، اور وہ صوفیہ کا معتاد ہے۔ اور کبھی الطاف کی ہواؤں کے چلنے سے بغیر کسی سبب یا استعداد کے بندے کی جہت سے پردۂ غیب کے پیچھے سے کچھ نرالے علم قلب میں چمک جاتے ہیں۔ اور یہ پورا پورا کشف

موت سے ہوتا ہے، کیونکہ سارا حجاب اسی کے ذریعے اٹھتا ہے۔ حدیث: اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوا انْتَبَهُوْا میں ادھر ہی اشارہ ہے۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ لوگ سو رہے ہیں جب مرینگے جاگ پڑینگے۔ اور موت سے قریب قریب صوفیہ کا تصفیہ ہے۔ اسی لئے وہ درس علم میں مشتغل نہیں ہوتے بلکہ دل کے صاف کرنے اور علاقوں کے قطع کرنے میں مشغول رہتے ہیں تاکہ یہ اللہ کی طرف بالکل توجہ رکھنے اور کام اسکے حوالے کردینے کا سبب ہو کہ وہی خوب جانتا ہے کہ انکے دلوں کے لئے انوار و الطاف کس طرح منکشف ہونگے۔ اور یہ انبیاء و اولیا کا طریق ہے۔ اسلئے کہ انھوں نے علوم و حقائق کو درس و تدریس کے ذریعے نہیں سیکھا بلکہ ان کو خزانے دستیاب ہوگئے تو اکتساب سے رک کر ادھر لگ گئے۔

مثال علم کسبی کی اور مثال ان کے طریقے کی مثال گنج اور کیمیا کی ہے۔ خبردار! جب تک گنج نہ ملجائے کسب کو مت چھوڑ، کہ یہی ہلاکت ہے۔

علموں کے لگاؤ سے دل کا حال اور صوفیہ کے حال اور تعلم میں فرق

جان رکھ کہ دل کے دو دروازے ہیں۔ ایک دنیاءِ حواس کی طرف جاتا ہے۔ دوسرا عالم غیب کی طرف کھلتا ہے۔ اور اس بات کی سچائی خواب کے حال میں تامل کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ تم خواب میں عجیب عجیب باتیں دیکھتے ہو اور اس میں غیب کے حالات ظاہر ہوتے ہیں، اور جو باتیں ابھی مدت کو ظاہر ہونے والی ہوتی ہیں وہ بھی دیکھنے میں آجاتی ہیں۔ بیداری میں یہ دروازہ صرف انبیاء و اولیاء کے لئے کشادہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جن کے دل ماسوی اللہ سے پاک اور بکلی اللہ کی طرف متوجہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے حدیث میں:

سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ۔ قِيْلَ وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُجْتَهِدُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ وَضَعَ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ فَوَرَدُوا الْقِيَامَةَ خِفَافًا۔

اہل تفرید آگے بڑھ گئے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اہل تفرید کون لوگ ہیں؟ فرمایا: کوشش سے اللہ کے ذکر میں مجاہدہ کرنیوالے۔ ذکر نے انکے بوجھ اتار دئے۔ سو وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے پہنچ گئے۔

پھر ان کی تعریف میں یہ حدیث قدسی بیان فرمائی:

"میں اپنے چہرے کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ جس کی طرف میں اپنے

چہرے کے ساتھ توجہ کرتا ہوں کوئی جانتا ہے کہ میں کونسی چیز اس کو دینا چاہتا ہوں"۔ پھر ارشاد فرمایا:
اول یہی عطا ہوتی ہے کہ انکے دلوں میں میں اپنا نور ڈالدیتا ہوں تو وہ میرے حال کی خبر دینے لگتے ہیں جیسے
میں ان کے حال کی خبر دیتا ہوں"۔

پس اس سب کا مدخل دل کا وہی اندرونی دروازہ ہے جو عالم غیب کی طرف کھلتا ہے اور وہ عالم خدا کا
عالم ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ قلب سے غیب کی جانب ایک روزن ہوتا ہے۔ ہم اس فرق کو جو تعلّم اور
تصوّف کے درمیان ہوتا ہے ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:

کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے سامنے چینیوں اور رومیوں نے اچھے نقش و نگار بنانے میں اپنی اپنی بڑائی
کا اظہار کیا۔ اس پر بادشاہ کی رائے یہ قرار پائی کہ ایک مکان کی ایک جانب چینیوں کے حوالے کرنی چاہیئے
اور دوسری جانب رومیوں کے، اور دونو کے درمیان ایک پردہ ڈال دینا چاہیئے تاکہ ایک طرف والوں کی
نقاشی پر دوسری جانب والے مطلع نہ سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رومیوں نے انواع و اقسام کے
عجیب و غریب رنگ جمع گئے اور چینیوں نے اپنی جانب کو صیقل اور مجلّی کرنا شروع کر دیا۔ جب رومی اپنی
نقاشی سے فارغ ہوئے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں۔ بادشاہ کو اس سے تعجب ہوا۔ اس نے کہا تم
کیسے فارغ ہوگئے رنگ و روغن تو تمھارے پاس کوئی تھا نہیں! انھوں نے گذارش کی کہ اسکا مضائقہ نہیں
پردہ اٹھا کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ جب پردہ اٹھا تو اہل چین کی جانب کے زنگار رنگ نقش اور بھی صفائی کے ساتھ
چمک رہے تھے۔ اسلئے کہ جب رومی نقاشی کر رہے تھے تو وہ صیقل کر رہے تھے پس صوفی تو صیقل کرتے
ہیں اور علما نقش کرتے ہیں۔ سو جو کچھ علما کو منکشف ہوتا ہے وہ صوفیوں کو زیادہ چمک دمک کے ساتھ
منکشف ہوتا ہے۔ اور جو علما کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے سوا ان پر بہت سی ایسی چیزیں بھی منکشف ہوتی
ہیں جن کی طرف پہنچنا تکلف اور تعلم کے ذریعے ناممکن ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں
مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ — جسکو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ
کسی بشر کے دل پر اسکا خیال گذرا۔

اور مذکورہ بالا حدیث قدسی میں جو آیا ہے: "کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں جس کی طرف اپنے چہرے کے ساتھ
توجہ کرتا ہوں کوئی جانتا ہے کہ میں کونسی چیز اسکو دینی چاہتا ہوں" اس سے مراد وہی حیات ہے جو اللہ
تعالےٰ کے اس کلام میں مقصود ہے: اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ "اے ایمان والو قبول کرو اللہ اور

اس کے رسول کی دعوت کو جب وہ تمھیں ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تم کو زندہ کرتی ہے"۔ پس اسوقت اس کا دل نہیں مریگا۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ مٹی محل ایمان کو نہیں کھا سکتی۔ پس اسوقت ہر شخص کا اجر اس کی محنت کے مطابق ہوگا اور مومن اپنے انوار میں اللہ کی ملاقات کیلئے دوڑینگے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے آنحضرتؐ کے اس قول میں:

اِنَّ بَعْضَهُمْ يُعْطَى نُوْرًا مِثْلَ الْجَبَلِ وَ بَعْضَهُمْ يُعْطَى اَصْغَرَ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرَهُمْ رَجُلٌ يُعْطَى نُوْرَهٗ عَلٰى اِبْهَامِ قَدَمَيْهِ فَيُضِيْءُ مَرَّةً وَ يُطْفَأُ مَرَّةً فَاِذَا اَضَاءَ قَدَّمَ قَدَمَهٗ فَمَشٰى وَاِذَا اُطْفِئَ اَقَامَ وَ مُرُوْرُهُمْ عَلَى الصِّرَاطِ عَلٰى قَدْرِ نُوْرِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَطَرْفِ الْعَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَالْبَرْقِ وَمِنْهُمْ كَالسَّحَابِ وَ مِنْهُمْ كَانْقِضَاضِ الْكَوْكَبِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَشَدِّ الْفَرَسِ وَالَّذِيْ اُعْطِيَ نُوْرَهٗ عَلٰى اِبْهَامِهٖ يَحْبُوْ عَلٰى وَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ وَ رِجْلَيْهِ يَجُرُّ يَدًا وَيَتَعَلَّقُ بِاُخْرٰى وَيَجُرُّ رِجْلًا وَيَتَعَلَّقُ بِاُخْرٰى وَتُصِيْبُ جَوَانِبَهُ النَّارُ فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَخْلُصَ۔

بعضوں کو نور مثل پہاڑ کے عنایت ہوگا اور بعضوں کو اس سے کم یہانتک کہ سب سے پچھلا شخص وہ ہوگا جس کو صرف دونو پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہوگا۔ وہ کبھی تو چمکنے لگیگا اور کبھی گل ہوجائیگا۔ جب چمکیگا تو وہ قدم آگے کو بڑھائیگا اور چلیگا۔ جب بجھیگا تو کھڑا رہیگا۔ اور صراط پر گذرنا بھی نور ہی کے موافق ہوگا۔ کوئی تو چشم زدن میں گذر جائیگا اور کوئی بجلی کی چمک کی مانند اور کوئی بادل کی رفتار سے اور کوئی شہاب کی طرح اور کوئی سرپٹ گھوڑے کی مانند گذر جائیگا۔ اور جس کے صرف انگوٹھوں پر نور ہوگا وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور منہ کے بل گھسٹتا چلے گا۔ ایک ہاتھ کو گھسیٹیگا تو دوسرا الجھ جائیگا۔ ایک پاؤں کو کھینچیگا تو دوسرے میں الجھ جائیگا اور اس کے دونو طرف آگ پہنچتی ہوگی۔ پس وہ اسی طرح رہیگا یہانتک کہ چھٹکارا پاتے۔

اس سے ایمان کے درجوں کا تفاوت ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا: "اگر ابوبکرؓ کا ایمان تمام جہانوں کے ایمان کے ساتھ سوائے پیغمبروں کے وزن کیا جائے تو اسی کا پلہ گراں رہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ اگر سورج کا نور سارے چراغوں کے نور کے ساتھ وزن کیا جائے تو سورج کا نور ہی غالب رہیگا۔ پس لوگوں کا ایمان چراغوں اور شمعوں کی مانند، اولیاء کا ایمان چاند اور ستاروں کی

مانند اور انبیا کا ایمان آفتاب کی مانند ہے ۔

فصل

طریقِ صوفیہ کی درستی پر دلائل

ابوالدردا کا قول ہے: "مومن باریک پردے کے پیچھے سے دیکھتا ہے"۔ پس خدا کی قسم کہ حق کے لئے ایک بات ہوتی ہے جس کو اللہ ان کے دلوں میں ڈالتا اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے۔

اور آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (ترمذی)

مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اور فرمایا آنحضرت علیہ السلام نے:

اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثِیْنَ وَمُعَلَّمِیْنَ وَمُکَلَّمِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ مِنْھُمْ۔

میری امت میں سے ایسے لوگ ہونگے جن سے باتیں کی جائینگی جنھیں علم دیا جائیگا اور جن سے کلام کیا جائیگا اور بیشک عمر ان میں سے ہے۔ اور ابن عباس کی قرأت میں ہے:

وَمَا ارسلنا من قبلك من رسولٍ ولا نبیٍ ولا محدثٍ۔

اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی اور نہ کوئی محدث یعنی صدیق۔

علی الجملہ جو شخص اپنی عمر میں ایک بھی سچا خواب دیکھ لے تو وہ دلائل و براہین سے بے نیاز ہے۔ اور احادیث اور آثار و آیات جو اس پر دلالت ہیں وہ گنتی سے باہر ہیں ۔



فصل

معلوم رہے کہ اس دروازے کے بامقابل جو عالم غیب کی طرف کھلتا ہے دل کا ایک دروازہ ہے جس میں شیطان کا گذر ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ فرشتے کا آتا رہے شیطان کا بھی آتا رہے۔ اور مذموم صفتیں دل کی طرف شیطان کی گذرگاہیں ہیں۔ پس جہانتک ان صفتوں کا قلع قمع کیا جائے شیطان کی گذرگاہیں یا تو تنگ ہو جاتی ہیں یا بند ہو جاتی ہیں۔ اور جہانتک ان کی خبرگیری نہ کی جائے یہ دروازے اور منفذ شیطان پر فراخ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب ان دروازوں کو بند کرنا کہ قلب حکمت کا محل اور فرشتوں کا مہبط بن جائے تیرا کام ہے۔ اور یہ کہ تو اس کو چھوڑ رکھے تو شیطان کا آشیانہ بن جائے۔ اور سب ابواب جو اس باب کے بعد آئینگے وہ شہوات کے دفعیہ اور قلب کے تصفیہ کے بیان میں ہونگے فافہم تغنم واللہ اعلم بالصواب +

بائیسواں باب

ریاضتِ نفس

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے۔

نفس کی کچھ ایسی رذالتیں ہیں جنکو پاک وصاف کرنا ناگزیر ہے۔ اسی کے ذریعے تم ہمیشہ کی سعادت اور خدا کا پڑوس حاصل کرسکتے ہو اور اس کا بیان پہلے گذر چکا ہے +

حسنِ خُلق کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ يُذِيْبُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا تُذِيْبُ الشَّمْسُ الْجَلِيْدَ۔ حسن خلق گناہ کو اس طرح پگھلا دیتا ہے جیسے سورج برف کو۔

اور عبد الرحمٰن بن سمرہؓ کہتے ہیں ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیْ رَاَيْتُ الْبَارِحَةَ عَجَبًا رَاَيْتُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِیْ جَاثِيًا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ فَجَاءَ حُسْنُ الْخُلُقِ فَاَدْخَلَهٗ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ میں نے کل رات ایک عجیب خواب دیکھا۔ میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھا اسکے درمیان اور اللہ کے درمیان ایک پردہ تھا۔ پھر حسن خلق آیا تو اسکو اللہ کے پاس داخل کردیا۔

فصل

خلق کی اچھائی اور برائی کا بیان

کہا جاتا ہے: فلاں شخص خَلق و خُلق میں اچھا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اچھا ہے۔ حسن ظاہر جیسا کہ معلوم ہے جمال کو کہتے ہیں اور حسن باطن اچھی صفتوں کا بری صفتوں پر غالب ہو جانا ہے اور باطن کا تفاوت ظاہری تفاوت سے بیشتر ہوتا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قولِ خداوندی میں کہ

اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ میں پیدا کر رہا ہوں بشر کو کیچڑ سے پھر میں جب اسے درست کرلوں اور اسمیں اپنی روح پھونکوں الخ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ظاہری صورت مٹی سے ملکر بنی ہوئی ہے اور باطنی صورت عالم امر میں سے ہے۔ پس حسن خلق سے ہمارا مطلب باطنی صورت کا حسن ہے۔ پھر جس قدر انسان کی بری صفتیں مٹتی جاتی ہیں۔ ان کے عوض اچھی صفتیں قرار پکڑتی رہتی ہیں۔ اور یہی حسن خلق ہے۔ اور پورا پورا حسن خلق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ کیونکہ اس میں آپ کو کمال کا مرتبہ حاصل ہے۔ اور آنحضرتؐ کے اس فرمان سے کہ حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ (اپنے اخلاق اچھے کرو) یہ ثابت ہوتا ہے کہ اخلاق کا متغیر اور متاثر ہونا تصرف سے باہر نہیں ہے۔ سو تمہیں لازم ہے کہ شرع شریعت کے مطابق غضب و شہوت اور حرص و ہوا وغیرہ تمام اس قسم کی صفات کو فرمانبردار بنالو۔ اگر تم ایسا کرلوگے تو غرض حاصل ہوجائیگی اور یہ غرض جدوجہد اور ناپسند چیزوں پر صبر و شکیب کرنے سے حاصل ہوگی اور پھر یہ چیزیں عادت میں داخل ہوجائینگی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: اَلْخَیْرُ عَادَةٌ (بھلائی عادت ہے)۔ پھر جو شخص مثلاً اصل فطرت میں سخی نہو اُسے بہ تکلف اس کی عادت ڈالنی چاہئے اور اسی طرح اگر وہ پیدائشی طور پر فروتن اور خاکسار نہو تو اسے بہ تکلف فروتنی کی عادت کرلینی چاہئے۔ یہی حال باقی صفتوں کا ہے۔ ان کا معالجہ بھی انکی ضد کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے یہانتک کہ غرض حاصل ہوجائے۔ پس عبادات کی بجاآوری اور شہوات کی مخالفت پر ہمیشگی رکھنے سے باطن کی صورت خوشنما ہوجاتی ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ انس

حاصل ہوجاتا ہے ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

اُعْبُدِ اللّٰہَ فِی الرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ — اللہ کی عبادت کر خوشنودی میں، پھر اگر نہ کر سکے تو اس امر
فَفِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرٌ کَبِیْرٌ ۔ — جو ناپسند ہو صبر کرنے میں بڑی بھلائی ہے ۔

پس ابتدا میں صبر چاہیئے یہانتک کہ رضا کے درجے کو پہنچ جائے ۔ کیونکہ اصل فطرت باطن کی خوبصورتی چاہتی ہے ۔ اسی کی طرف اشارہ ہے حدیث اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا میں، جس کے معنے ہیں: ایک نیکی کی جزا ویسی دس نیکیاں ہیں "کیونکہ یہ اصل فطرت کے موافق ہے ۔ اور تہذیب اخلاق کے رستہ کا مفصل بیان یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ بدن کے مرض کا معالجہ اس طرح ہوتا ہے کہ شے کا مقابلہ اس کی ضد سے کیا جاتا ہے اور ایسا ہی دل کے مرض میں ہوتا ہے اور یہ شخصوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوا کرتا ہے ۔ اس لئے کہ طبیعتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ۔ اور شیخ کی اپنی قوم میں وہی منزلت ہوتی ہے جو نبی کی اپنی امت میں ۔ شیخ اپنے مرید کے حال پر غور کرتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اس پر کون کونسی صفات کا غلبہ ہے اور اس کا کیسے معالجہ ہونا چاہیئے ۔ سو ابتدائے کار میں اس کو عبادات کا شغل اور کپڑوں کے پاک وصاف رکھنے اور ہمیشہ نماز پڑھنے اور خلوتوں میں اللہ کا ذکر کرنے کی تاکید کرتا ہے ۔ اس سے اسکے وہ عیب جو ایسے چھپے ہوئے ہوتے ہیں جیسے "پتھر میں آگ" ظاہر ہوجاتے ہیں ۔ پھر اگر اس کے پاس ضرورت سے زائد مال ہوتا ہے تو اس سے لیکر ارباب قلوب (اہل دل) کی حاجتوں میں صرف کر دیتا ہے ۔ پھر اس کا دل مال کی محبت سے خالی ہوجاتا ہے اور اہل دل کی ہمتیں اسکی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو ان ہمتوں کی برکت سے اسکا مقصود اس پر آسان ہوجاتا ہے ۔

اور ایک طریقہ تہذیب اخلاق کا یہ بھی ہے کہ اسکی بعض صفتوں کو بعض پر مسلط کرے، چنانچہ ریاء کے ذریعے سے اسکو جود وسخا کی ترغیب دے کہ وہ بخل اور دنیا کی محبت کو ترک کر دے اور غضب و شہوت کا استعمال چھڑا دے تاکہ عفت (پاکدامنی اور سداد (درستی) پر اس کو آمادہ کر سکے ۔ پھر اس کے بعد ریاء کی طرف متوجہ ہو کر اس کا قلع قمع اپنی دین کی قوت سے کرے جو اسے ریاضت کرنے، اللہ کیطرف توجہ رکھنے اور ہمیشہ نفس کا باللہ معالجہ کرنے سے حاصل ہوئی ہے ۔

حکایت ہے کہ ایک شیخ کا نفس کبھی کبھی قیام لیل سے سستی کرتا تو اسنے اسپر ایک مدت سر کے بل کھڑے ہونا لازم کر دیا ۔ اس تدبیر سے اس کا دل پاؤں پر کھڑے رہنا مان گیا اور اسکو غنیمت سمجھنے لگا ۔

عیوبِ نفس کی معرفت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ۔ — جب اللہ کسی بندے کے ساتھ کوئی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے نفس کے عیب دکھادیتا ہے اور انکی پہچان کرادیتا ہے

اس پہچان کے کئی طریقے ہیں: سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اپنے مشائخ میں سے کسی شیخ کے آگے بیٹھے اور جو کچھ وہ اس کو فرمائے اسمیں مشتغل ہوجائے۔ سو یہاں کبھی تو اس پر خود بخود پردہ اسرار کھلیگا اور کبھی شیخ کھولے۔ یہ طریق برتر اور بہتر ہے۔ مگر اس زمانے میں یہ طریق نایاب یا کمیاب ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے رفیقِ صالح کو تلاش کرے جو اس امر کے بھیدوں سے واقف ہو اور اسکی صحبت میں رہے اور اس کو اپنے نفس کا نگران بنائے تاکہ وہ اسکے حالات کی دیکھ بھال کرتا اور اس کے عیب اسکو بتاتا رہے۔ بڑے بڑے دین کے امام ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے:

رَحِمَ اللّٰہُ امْرَءً اَھْدٰی اِلَیَّ عُیُوْبِیْ۔ — خدا اس مرد کا بھلا کرے جو مجھے میرے عیبوں کا تحفہ بھیجے

اور حضرت سلمانؓ ان کے پاس آئے تو ان سے پوچھا: میری کوئی ایسی بات تمھیں پہنچی ہو جسے تمنے پسند نہ کیا ہو؟ انھوں نے اس امر سے معافی چاہی تو اصرار کیا۔ انھوں نے کہا: مینے سنا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر اکٹھے دو دو سالن ہوتے ہیں۔ اور آپ کے پاس دو حُلّے ہیں، ایک دن کو پہننے کا اور ایک رات کو۔ فرمایا کوئی اور خبر۔ کہا اور کوئی بات نہیں۔ فرمایا ان دو نو باتوں کی اصلاح تو کرچکا ہوں۔ اور حذیفہؓ سے جو منافقوں کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے راز داں تھے، دریافت کرتے کہ کیا مجھ میں کوئی نفاق کا نشان دیکھتے ہو۔ دیکھو وہ باوجود ایسے گرامیقدر اور بلند رتبہ ہونے کے کیسے اپنی ذات پر تہمت دھرتے تھے۔ پھر اگر تم کو کوئی ایسا رفیق دستیاب نہ ہو، تو حاسدوں کی باتوں پر دھیان کرو، کیونکہ کوئی نہ کوئی ایسا حاسد تو ضرور ملجائیگا جو تمھارے عیب نکالتا اور ان کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہو۔ پس اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے نفس کو ان عیبوں سے متہم کرو اور غصہ نہ کرو۔ اور جب کوئی شخص تجھے تیرے کسی عیب سے آگاہ کرے تو گرم نہ ہو کیونکہ عیب تو سانپ اور

بچھو ہیں جو تمھیں دنیا اور آخرت میں ڈستے رہتے ہیں۔ پھر جو شخص تمھیں یہ بتائے کہ تمھارے کپڑوں میں سانپ ہے جو ڈس لیگا تو تمھیں اس کا ممنون احسان ہونا چاہئے۔ اس پر ناراض ہونا ظاہر کریگا کہ تمھارا "ایمان بالآخرۃ" کمزور ہے۔ اور اگر تم اسے غنیمت سمجھو گے تو اس سے تمھارے ایمان کی مضبوطی ظاہر ہوگی۔ ناپسندی کی آنکھ برائیاں دکھایا کرتی ہے۔ سو ایمان کی مضبوطی سے یہ فائدہ ہوگا کہ تم حاسدوں کی ملامت اور نکتہ چینی کو غنیمت جانو گے۔ حضرت عیسےٰؑ سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمھیں ادب کسنے سکھایا تھا۔ انھوں نے فرمایا: کسی نے مجھے ادب نہیں سکھایا۔ مینے جاہلوں کی جہالت دیکھی، اس سے پرہیز کی +

فصل

جو کچھ ہمنے تم سے بیان کیا ہے اگر تم اس میں تامل کروگے تو تمھاری ایک ایسی آنکھ کھل جائیگی جس سے نفع اٹھاؤگے۔ پھر اگر اور کچھ نہیں تو ایمان و تصدیق ضرور حاصل ہوجائیگا۔ اول ایمان ہے پھر اس کے بعد وصول۔ اللہ نے فرمایا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ — اللہ درجے بلند کریگا ان لوگوں کے جو تم میں ایمان لائے اور جو علم دئے گئے۔

پس ان اعمال کے حاصل کرنے میں تقوےٰ رأس المال ہے۔ فرمایا اللہ نے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ — اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا رہیگا اللہ اسکے لئے مخرج پیدا کر دیگا اور اسکو روزی دیگا جہاں سے اسکو گمان بھی نہ ہوگا۔

عزیز کی بیوی نے یوسف علیہ السلام سے کہا: اے یوسفؑ! حرص و شہوت نے بادشاہوں کو غلام بنا دیا اور صبر و تقوےٰ نے غلاموں کو بادشاہ۔ یوسفؑ نے جواب دیا:

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ — یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا رہے تو بیشک اللہ نیکوکاروں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: مجھے ایک رات بیخوابی رہی، اٹھا کہ اپنا ورد کروں، تو مجھے ورد میں وہ لذت نصیب نہ ہوسکی جو ہوا کرتی تھی، پھر مینے سوجانا چاہا، تو یہ بھی نہ ہوا، پھر بیٹھنا چاہا، تو بیٹھ نہ سکا، ناچار باہر

نکلا- دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص راہ میں کملی بچھائے لیٹا پڑا ہے- جب اس نے میری آہٹ پائی تو بولا : ابوالقاسم! ایک ساعت میرے پاس- مینے کہا: حضرت! بلا اطلاع ؟ فرمایا: نہیں- مینے دلوں کے محرک سے درخواست کی تھی کہ آپ کے دل کو میری طرف حرکت دے- مینے کہا: سو دیدی- اب فرمائیے مطلب کیا ہے؟ اس نے کہا: بیماریٔ دل دوائے دل کب ہو جاتی ہے؟ مینے کہا: جب دل اپنی خواہش کی مخالفت کرے- یہ سن کر اس نے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا: لے سن لے- مینے تجھ کو سات بار یہی جواب دیا، مگر تونے یہی کہا کہ جنیدؒ سے سنے بغیر نہ مانونگا- اسکے بعد میں لوٹ آیا اور مینے اسکو پہچانا نہیں +

حسن خلق کے نشانات

اللہ نے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ- کامیاب ہوگئے وہ ایماندار جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں-

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ تک- اور فرمایا: اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ اور فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا- بس مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل دہل جائیں اور جب انپر اسکی آیات تلاوت ہوں تو انکے ایمان میں ترقی ہو-

اور فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا-

اور بعض لوگوں کو تو اس باب میں کوئی ادنےٰ چیز ہی کافی ہو جاتی ہے- اگر ابتدائے عمر میں کسی مشفق کی نگہبانی حاصل ہو جائے- چنانچہ سہل تستریؒ نے فرمایا ہے کہ میں تین برس کا تھا کہ رات کو اٹھا کرتا اور اپنے ماموں محمد بن محمد بن سوار کی خلوت کو دیکھتا رہتا- ایک دن ماموں صاحب نے فرمایا: تم اللہ کو یاد نہیں کرتے جس نے تمھیں بنایا- کہا کہ جب تم رات کو سونے لگو تو بغیر اپنی زبان ہلائے تین مرتبہ کہو:

اَللّٰهُ مَعِىَ اَللّٰهُ نَاظِرٌ اِلَىَّ اَللّٰهُ شَاهِدِىْ- اللہ میرے ساتھ ہے اللہ مجھکو دیکھ رہا ہے اللہ میرے پاس موجود ہے

میں کچھ راتیں ان کلمات کو کہتا رہا۔ پھر میں نے انھیں بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ اسے ہر رات سات مرتبہ کہا کرو۔ میں اسی طرح کرتا رہا۔ پھر میں نے انکو اس سے آگاہ کیا تو فرمایا: ہر رات گیارہ بار کہا کرو۔ میں اس پر عمل کرتا رہا تو میرے دل میں اسکی حلاوت پیدا ہوئی۔ پھر جب ایک سال ہو گیا تو میرے ماموں نے کہا کہ جو کچھ میں نے تمھیں کہا ہے اسے محفوظ رکھو اور قبر میں داخل ہونے تک اسی طرح کرتے رہو۔ میں سالہا سال اسی طرح کرتا رہا تو میں نے اپنے سِر میں اسکی حلاوت پائی پھر ایک دن میرے ماموں نے کہا: اے سہل! جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اسے دیکھ رہا ہو اور اسکے پاس موجود ہو تو وہ کیسے اسکی نافرمانی کر سکتا ہے۔ سو تم نافرمانی سے بچتے رہو۔ پس میں تنہائی پسند ہو گیا۔ پھر انھوں نے مجھے مکتب میں بھیجا تو میں نے کہا: میں ڈرتا ہوں کہ میری ہمت پراگندہ ہو جائیگی لیکن انھوں نے معلم سے یہ شرط کر لی کہ میں اس کے پاس ایک گھنٹہ پڑھ کر پھر واپس آجایا کرونگا پھر میں مکتب میں جاتا رہا اور میں نے چھٹے یا ساتویں سال قرآن مجید حفظ کر لیا اور میں ہمیشہ روزے رکھا کرتا اور میری خوراک بارہ برس تک جَو کی روٹی رہی۔ پھر میں تیرہ برس کا ہوا تو مجھے ایک مسئلہ درپیش آیا۔ میں نے درخواست کی کہ مجھے بصرہ بھیج دیا جائے تاکہ میں جاننے والوں سے یہ مسئلہ دریافت کروں۔ وہاں اس مسئلہ کو کسی نے حل نہ کیا تو میں عبادان میں ایک شخص کے پاس پہنچا جو ابوحبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی کے نام سے مشہور تھا۔ میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے بتا دیا۔ میں اُن کے پاس ٹھہر گیا اور اُن کے کلام سے نفع اٹھاتا رہا۔ اور ان کے آداب سیکھتا رہا۔ پھر تستر کو لوٹ آیا اور اپنی غذا یہ مقرر کی کہ ایک درہم کے جَو خریدتا اور انکو پسوا کر ایک روکھی بے نمک روٹی سحر کے وقت کھا لیتا جس کا وزن ایک چھٹانک ہوتا۔ اس طرح یہ ایک درہم کا اناج ایک سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا۔ پھر میں نے تین تین دن کا روزہ رکھنا شروع کیا ایک دن بیچ میں افطار کر لیتا۔ پھر پانچ پانچ دن کا پھر سات سات دن کا یہانتک کہ پچیس دن کے روزے تک نوبت پہنچ گئی اور بیس برس اسی طرح گذر گئے۔ پھر چند سال ملکوں کا سفر کرتا رہا اور آخرکار تستر میں لوٹ کر تمام شب کا جاگنا اختیار کیا۔

ارادت کی شرطوں کا بیان

جو شخص آخرت کی خواہش کریگا تو اسکی علامت یہ ہے کہ اس کا دل دنیا کی کھیتی سے اکھڑ جائیگا۔ پھر جو شخص آخرت کو اپنے دل کے ساتھ یقینی طور پر مشاہدہ کر لیگا تو وہ دنیا کو حقیر سمجھنے لگیگا چنانچہ اگر کوئی

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآن مجید کا تحت اللفظ اور سلیس با محاورہ اردو ترجمہ

تیس الگ الگ پاروں میں

جسکے مطالعہ سے ایک بچہ بھی قرآنِ حکیم کے مطالب کو عربی زبان میں سمجھ لینے کے قابل ہو جاتا ہے

جلد یازدہم: یَعْتَذِرُوْنَ

از

عبدالحق عباس

مدیر مدرسۃ البنات شہر جالندھر

ھدیہ — فی پارہ — آٹھ آنہ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ط قُلْ لَّا

يَعْتَذِرُوْنَ	اِلَىْ	كُمْ	اِذَا	رَجَعْتُمْ	اِلَىْ	هِمْ ط	قُلْ	لَا
بہانے کرینگے	طرف	تمہاری	جب	تم لوٹوگے	طرف	ان ط	کہدے	مت

تمہارے آگے عذر کریں گے جب تم ان کی طرف واپس جاؤ گے ط کہہ دینا عذر مت کرو

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ

تَعْتَذِرُوْا	لَنْ	نُّؤْمِنَ	لَ كُمْ	قَدْ	نَبَّاَ	نَا	اَللّٰهُ
بہانے بناؤ	ہرگز نہ	ہم اعتبار کرینگے	تمہاری بات کا	ہیں	بتادی	ہمیں	اللہ نے

ہم کبھی تمہارا اعتبار نہ کریں گے ط اللہ تمہارے کچھ حالات ہمیں

مِنْ اَخْبَارِكُمْ ط وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ

مِنْ	اَخْبَارِ	كُمْ ط	وَ	سَ	يَرَى	اَللّٰهُ	عَمَلَ	كُمْ
کچھ	خبریں	تمہاری ط	اور	عنقریب	دیکھے گا	اللہ	کام	تمہارا

بتا چکا ہے ط اور ابھی اللہ اور اس کا رسول تمہارا عمل

وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

وَ	رَسُوْلُ	هٗ	ثُمَّ	تُرَدُّوْنَ	اِلٰى	عٰلِمِ	اَلْ	غَيْبِ
اور	پیغمبر	اسکا	پھر	پھیرے جاؤگے	طرف	جاننے والے کی		چھپے

دیکھیں گے، پھر تم کو لوٹایا جائیگا۔ اس کے حضور جو سب چھپے اور کھلے کا

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

وَ	اَلْ	شَهَادَةِ	فَ	يُنَبِّئُ	كُمْ	بِ	مَا	كُنْتُمْ
اور		کھلے کے	پھر	وہ بتادیگا	تم کو		جو کچھ	تم تھے

جاننے والا ہے۔ سو وہ تمہیں بتادیگا کہ کیا کیا کرتے رہے

تَعْمَلُوْنَ (٩٤) سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

تَعْمَلُوْنَ	٩٤	سَ	يَحْلِفُوْنَ	بِ	اَللّٰهِ	لَ	كُمْ	اِذَا
کرتے	٩٤	اب	وہ قسمیں کھائینگے	کی	اللہ	واسطے	تمہارے	جب

(٩٤)۔ اب تمہارے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب

الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ

اَلْ	مُعَذِّرُوْنَ	مِنْ	اَلْ	اَعْرَاب	لِ	يُؤْذَنَ	لَ هُمْ
	عذر بہانے کرنیوالے	کچھ		بدوی	تاکہ	اجازت ملے	ان کو

بدوی آئے کہ انھیں بھی (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

وَ	قَعَدَ	اَلَّذِيْنَ	كَذَبُوْا	اَللّٰهَ	وَ	رَسُوْلَ		هٗ ؕ
اور	بیٹھ رہے	جنھوں نے	جھوٹ بولا	اللہ سے	اور	پیغمبر سے		اس کے ؕ

اور وہ تو بیٹھ ہی رہے جنھوں نے اللہ سے اور اس کے پیغمبر سے جھوٹ بولا تھا ؕ

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۹۰)

سَ	يُصِيْبُ	اَلَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	مِنْ هُمْ	عَذَابٌ	اَلِيْمٌ	۹۰	لَيْسَ
عنقریب	پہنچیگا	جنھوں نے	کفر کیا	ان میں سے	عذاب	دردناک	۹۰	نہیں

جو ان میں کافر ہے انھیں دردناک سزا ملتی ہے۔ (۹۰) ۔ نہ تو

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا

عَلٰى	اَلْ	ضُعَفَاءِ	وَ	لَا	عَلٰى	اَلْ مَرْضٰى	وَ	لَا
پر		کمزوروں	اور	نہ	پر	بیماروں	اور	نہ

کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا

اَلَّذِيْنَ	لَا يَجِدُوْنَ	مَا	يُنْفِقُوْنَ	حَرَجٌ	اِذَا	نَصَحُوْا
پر ان جو	نہیں پاتے ہیں	وہ چیز کہ	خرچ کریں	تنگی	جب	خیرخواہی کریں

کوئی چیز نہیں پاتے کہ خرچ کریں جبکہ اللہ کی اور اس کے رسول کی

لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ

لِلّٰهِ	وَ	رَسُوْلِ هٖ ؕ	مَا	عَلٰى	اَلْمُحْسِنِيْنَ	مِنْ	سَبِيْلٍ ؕ	وَ
اللہ کے لئے	اور	اسکے پیغمبر کے لئے	نہیں	پر	احسان والوں کے	کوئی	راہ	اور

خیرخواہی کرتے رہے ہوں ؕ اخلاص مندوں پر کوئی الزام نہیں ؕ اور

اللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۹۱) وَّلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ

اَللهُ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ	۹۱	وَ لَا	عَلَى الَّذِيْنَ	اِذَا	مَا	اَتَوْ
الله	بخشنے والا	مہربان ہے	۹۱	اور نہ	ان پر	کہ جب	کبھی	وہ آئے

اللہ پردہ پوش مہربان ہے۔ (۹۱)۔ اور نہ ان پر کہ جب کبھی وہ تیرے پاس

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ

كَ	لِ	تَحْمِلَ	هُمْ	قُلْتَ	لَا اَجِدُ	مَا	اَحْمِلُ	كُمْ
تیرے پاس	کہ	تو سواری دے	ان کو	تو نے کہا	میں نہیں پاتا	وہ کہ	میں سوار کروں	تم کو

آئے کہ تو انھیں سوار کردے، تو نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں کہ میں تمھیں

عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

عَلَيْهِ ؔ	تَوَلَّوْا	وَ	اَعْيُنُ	هُمْ	تَفِيْضُ	مِنَ الْ	دَمْعِ	حَزَنًا
اس پر ؔ	وہ پھرے	اور	آنکھیں	ان کی	امنڈ آتی ہیں	سے	آنسوؤں	غم کے مارے

اس پر سوار کردوں ؔ وہ لوٹے اور ان کی آنکھیں ہیں کہ آنسوؤں سے امنڈ پڑی

أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (۹۲) إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

اَنْ	لَا يَجِدُوْا	مَا	يُنْفِقُوْنَ	۹۲	اِنَّمَا	اَلسَّبِيْلُ	عَلَى الَّذِيْنَ
کہ	وہ نہیں پائے	کہ	خرچ کریں	۹۲	سوا اسکے نہیں کہ	الزام	ان پر سے جو

ہیں اس غم کے مارے کہ انھیں کچھ خرچ کرنے کو میسر نہیں۔ (۹۲)۔ الزام تو انھی پر (آتا) ہے جو تجھ سے

يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ

يَسْتَاْذِنُوْنَ	كَ	وَ هُمْ	اَغْنِيَآءُ	رَضُوْا	بِ اَنْ	يَكُوْنُوْا	مَعَ	الْخَوَالِفِ
اجازت چاہتے ہیں	تجھ سے	اور وہ	تونگر ہیں ؎	خوش ہوئے	اس پر کہ	ہوں وہ	ساتھ	پیچھے رہنے والیوں کے

اذن مانگتے ہیں اور ہیں وہ مالدار ؎ انھیں خانہ نشین عورتوں کے سنگ رہنا پسند ہوا

الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۹۳)

وَ	طَبَعَ	اَللهُ	عَلَى قُلُوْبِهِمْ	فَ	هُمْ	لَا	يَعْلَمُوْنَ	۹۳
اور	مہر کی	اللہ نے	ان کے دلوں پر	سو	وہ	نہیں	جانتے	۹۳

اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی سو وہ جانتے نہیں ہیں۔ (۹۳)

مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط

رَسُوْلِ ط	اَلْ	صَلَوٰتِ	وَ	اللّٰهِ	عِنْدَ	قُرُبٰتٍ	يُنْفِقُ	مَا
رسول کی ط		دعائیں	اور	اللہ	پاس	نزدیکیاں	خرچ کرتا ہے	جو کچھ

انھیں اللہ کے نزدیک قربتوں اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں ط

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ

هُمْ	يُدْخِلُ	سَ	هُمْ ط	لَ	قُرْبَةٌ	هَا	اِنَّ	اَلَآ
ان کو	داخل کریگا	قریب ہی	ان کے	لئے	نزدیکی	وہ	تحقیق	یاد رکھو

ہاں ہاں وہ ان کے لئے قربت ہے ط عنقریب اللہ ان کو اپنی رحمت

اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹۹)

۹۹	رَحِيْمٌ	غَفُوْرٌ	اللّٰهَ	اِنَّ	ط ہٖ	رَحْمَتِ	فِیْ	اللّٰهُ
۹۹	رحمت کرنیوالا ہے	مغفرت کرنیوالا	اللہ	بے شک	اپنی ط	رحمت	میں	اللہ

میں لے لے گا ط بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۹۹)

۱۲ ع ۱

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ

وَ	مُهٰجِرِيْنَ	اَلْ	مِنْ	اَوَّلُوْنَ	اَلْ	سٰبِقُوْنَ	اَلْ	وَ
اور	ہجرت کرنیوالوں		میں سے	پہلے		پیشقدمی کرنیوالے	جو	اور

اور جو لوگ مہاجروں اور انصاریوں میں سے پہلے سبقت کرنے والے ہیں

الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ

رَضِیَ	اِحْسَانٍ ۙ	بِ	هُمْ	اِتَّبَعُوْ	اَلَّذِيْنَ	وَ	اَنْصَارِ	اَلْ
خوش ہوا	اخلاص ۙ	ساتھ	ان کی	پیروی کی	جنھوں نے	اور	مدد کرنیوالوں میں سے	

اور جنھوں نے ان کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی ہے ط اللہ

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ

اَعَدَّ	وَ	هٗ	عَنْ	رَضُوْا	وَ	هُمْ	عَنْ	اللّٰهُ
تیار کئے	اور	اس	سے	وہ خوش ہوئے	اور	ان	سے	اللہ

ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے

لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

لَ	هُمْ	جَنّٰتٍ	تَجْرِيْ	تَحْتَ	هَا	اَلْ	اَنْهَارُ	خٰلِدِيْنَ
لئے	ان کے	بہشتیں	بہتے ہیں	نیچے	ان کے		دریا	رہا کریں

ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، کہ ان میں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (١٠٠)

فِيْ	هَا	اَبَدًا ؕ	ذٰلِكَ	اَلْ	فَوْزُ	اَلْ	عَظِيْمُ	١٠٠
میں	ان	ہمیشہ ؕ	یہ		کامیابی ہے		بڑی	١٠٠

ہمیشہ رہتے رہیں ؕ یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ (١٠٠)۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ

وَ	مِنْ	مَنْ	حَوْلَ	كُمْ	مِنْ	اَلْ	اَعْرَابِ	مُنٰفِقُوْنَ ؕ
اور	میں سے	ان جو	گرد	تمہارے	کچھ		دیہاتی ہیں	منافق ہیں ؕ

اور ان گنواروں میں سے جو تمہارے گردو پیش آباد ہیں بعض منافق ہیں ؕ

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۛ

وَ	مِنْ	اَهْلِ	اَلْ	مَدِيْنَةِ	مَرَدُوْا	عَلٰى	اَلْ	نِفَاقِ
اور	میں سے	والوں		مدینہ	اڑے ہیں	پر		نفاق

اور کچھ مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں

لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ

لَا	تَعْلَمُ	هُمْ ؕ	نَحْنُ	نَعْلَمُ	هُمْ	سَ	نُعَذِّبُ	هُمْ
نہیں	تو جانتا	ان کو ؕ	ہم	جانتے ہیں	ان کو	عنقریب	ہم عذاب دینگے	ان کو

تو ان کو نہیں جانتا ؕ ہم ان کو جانتے ہیں ؕ ہم عنقریب ان کو دہری مار

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (١٠١) وَاٰخَرُوْنَ

مَرَّتَيْنِ	ثُمَّ	يُرَدُّوْنَ	اِلٰى	عَذَابٍ	عَظِيْمٍ	١٠١	وَ	اٰخَرُوْنَ
دوبار	پھر	لوٹائے جائینگے	طرف	عذاب	بڑے کی	١٠١	اور	کچھ اور ہیں

دینگے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائینگے۔ (١٠١)۔ اور کچھ اور لوگ ہیں

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا

اَعْرِضُوْا	فَ	هُمْ	عَنْ	تُعْرِضُوْا	لِ	هِمْ	اِلٰى	اِنْقَلَبْتُمْ
منہ پھیرلو	سو	ان ؕ	سے	منہ پھیرلو	تاکہ	ان کی	طرف	لوٹے تم

تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تاکہ ان سے درگزر کرو ؕ سو ان سے درگزر ہی

عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

عَنْ	هُمْ	اِنَّ	هُمْ	رِجْسٌ	وَ	مَاْوٰى	هُمْ	جَهَنَّمُ
سے	ان ؕ	بیشک	وہ	پلید ہیں ۡ	اور	ٹھکانا	ان کا	دوزخ ہے ۚ

کرلینا ؕ وہ تو نرے خبیث ہیں ۡ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے ۚ

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۹۵) يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

جَزَآءً	بِ	مَا	كَانُوْا	يَكْسِبُوْنَ	۹۵	يَحْلِفُوْنَ	لَ	كُمْ
بدلے میں	اسکے	جو	تھے	کماتے	۹۵	قسمیں کھائینگے	واسطے	تمہارے

اس کمائی کی سزا میں جو کرتے رہے۔ (۹۵)۔ قسمیں تمہارے پاس اس لئے کھائینگے

لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ

لِ	تَرْضَوْا	عَنْ	هُمْ	فَ	اِنْ	تَرْضَوْا	عَنْ	هُمْ
کہ	خوش ہو	سے	ان ۚ	پھر	اگر	تم خوش ہوگے	سے	ان

کہ تم ان سے راضی ہوجاؤ ۚ پھر اگر تم ان سے راضی بھی ہوجاؤ

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ

فَ	اِنَّ	اللّٰهَ	لَا	يَرْضٰى	عَنْ	اَلْ	قَوْمِ	اَلْ
تو	بیشک	اللہ	نہ	خوش ہوگا	سے		لوگوں	

تو اللہ تو ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا

الْفٰسِقِيْنَ (۹۶) اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ

فٰسِقِيْنَ	۹۶	اَلْ	اَعْرَابُ	اَشَدُّ	كُفْرًا	وَ	نِفَاقًا	وَ
بدمعاش	۹۶	یہ	گنوار	بہت ہی سخت ہیں	کفر	اور	نفاق میں	اور

(۹۶)۔ یہ گنوار کفر و نفاق سے بہت ہی سخت اور

أَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

أَجْدَرُ	أَلَّا	يَعْلَمُوْا	حُدُوْدَ	مَا	أَنْزَلَ	اللّٰهُ	عَلٰى	رَسُوْلِ
زیادہ لائق	اس کے کہ نہ	جانیں	حدیں	اس کی جو	اتارا	اللہ نے	پر	رسول

اور اسی لائق ہیں کہ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے اس کو نہ سیکھیں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (٩٧) وَمِنَ الْأَعْرَابِ

ہٖ	وَ	اللّٰهُ	عَلِيْمٌ	حَكِيْمٌ	٩٧	وَ	مِنْ	اَلْ
اپنے	اور	اللہ	جانے والا	حکمت والا ہے	٩٧	اور	میں سے	

اور اللہ دانا پختہ کار ہے۔ (٩٧)۔ اور کچھ گنوار ہیں

مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ

أَعْرَابِ	مَنْ	يَتَّخِذُ	مَا	يُنْفِقُ	مَغْرَمًا	وَ	يَتَرَبَّصُ	بِ كُمُ
دیہاتیوں	وہ ہیں جو	ٹھہراتے ہیں	جو کچھ	خرچ کرتے ہیں	چٹی	اور	تاکتے ہیں	تم پر

کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اسے چٹی سمجھتے ہیں اور تم پر گردشوں (کے آنے)

الدَّوَائِرَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللّٰهُ

اَلْ	دَوَائِرَ	عَلٰى	هِمْ	دَائِرَةُ	اَلْ	سَوْءِ	وَ	اللّٰهُ
	گردشیں	پر	ان	گردش ہے		برائی کی	اور	اللہ

کی راہ دیکھتے رہتے ہیں ان ہی پر برائی کی گردش ہے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (٩٨) وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ

سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ	٩٨	وَ	مِنْ	اَلْ	أَعْرَابِ	مَنْ	يُؤْمِنُ
سنتا	جانتا ہے	٩٨	اور	بعضا		گنوار سے	جو	ایمان لاتا ہے

سنتا جانتا ہے۔ (٩٨)۔ اور بعض گنوار ہیں جو اللہ پر اور

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ

بِ	اللّٰهِ	وَ	اَلْ	يَوْمِ	اَلْ	اٰخِرِ	وَ	يَتَّخِذُ
پر	اللہ	اور		روز		آخر	اور	سمجھتا ہے

پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں

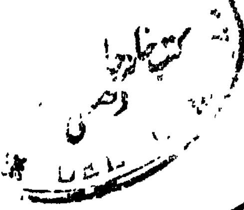
قابل مطالعہ کتابیں

قابل مطالعہ کتابیں

رجسٹرڈ ایل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمبر ۲۵۵۵



پیامِ اسلام

مُدیرِ اعلیٰ: عبدالحق عباس + مُدیرِ معاون: محمد احمد خان ذاکر

جلد ۱ | اپریل سنہ ۱۹۴۰ء | صفر سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱

گزارش

اس اشاعت میں ہم مولوی غلام قادر صاحب کی کارگزاری تعمیم تعلیم القرآن اور تبلیغ اسلام کے خصوص میں شائع کررہے ہیں۔ الحق یہ ایسا کام ہے جسے ملتِ اسلامیہ کا حقیقی اور اصلی فریضہ سمجھنا چاہئے اور یہی وہ فریضۂ جلیلہ ہے جس سے منہ پھیر کر تو قعرِ مذلت کی طرف پہنچتی چلی گئی ہے۔ مولوی صاحب موصوف باوجود بے سروسامانی کے جس دردمندی اور جوشِ قلبی کے ساتھ اس راہ میں تن تنہا تگ و دو فرما رہے ہیں۔ یہ انھیں کی بلند ہمتی اور اخلاص کا حصہ ہے اور ہمیں اس سے سخت شرم محسوس ہو رہی ہے کہ ہم نے انھیں اس راہ میں اکیلے چھوڑ رکھا ہے اور ہمارے مال و جان کی اس فریضہ کی بجا آوری میں کوئی شرکت نہیں۔ اسلئے ہم اہلِ درد کی توجہات کو اس مہم کی طرف ملتفت کر کے ملتمس ہیں کہ وہ اس بارے میں بذریعہ انجمن اشاعت اسلام مولوی صاحب موصوف کی امداد فرمائی میں دریغ نہ فرمائیں۔

دوسری گزارش

یہ ہے کہ رسالہ "پیام اسلام" ایک مدت سے تنزل کی انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے اور اب بتوفیق ربانی ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسکو دوبارہ اوپر کو اٹھایا اور کارآمد بنایا جائے اور امید ہے کہ ہم عنقریب اس نیک ارادے میں اللہ کے فضل سے کامیاب ہو جائینگے۔ ۱۴ ار ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کو انجمن مدرسۃ البنات کا سالانہ جلسہ ہے۔ اور یہ ایام ہماری پوری مصروفیت کے ایام ہوتے ہیں۔ اسلئے شاید ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء تک ہمیں اس کامیابی کی اور راہ دیکھنا پڑے۔ اور اس نشأۃ ثانیہ کے لئے جولائی کا مہینہ اسلئے بھی مناسب ہے کہ پیام اسلام کے اجراء کی ابتدا بھی اسی ماہ سے ہوئی تھی۔

جیسز برقی پریس جالندھر شہر میں بہ اہتمام محمد احمد خان ذاکر پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ [illegible]

تیسری گزارش

یہ ہے کہ اسی رسالہ میں محترمہ اقبال خانم صاحبہ کا ایک مقالہ نشر کیا جاتا ہے اور انھیں بیحد اصرار ہے کہ یہ مقالہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے شائع کر دیا جائے۔ محترمہ کو دین و ملت کے کاموں سے اس قدر شغف ہے کہ دنیا سے یکسر بے رغبت اور بے تعلق ہو کر اپنی زندگی انہی کاموں کیلئے وقف کر رکھی ہے۔ ہمیں ان کے تجویزی یا تدبیری اجزا سے اختلاف ہے۔ اور انکی پیش کردہ سکیم سقیم نظر آتی ہے۔ اسلئے کہ اسکی بنا بہ نسبت پختہ کاری کے زیادہ تر خام تصورات پر مبنی ہے۔ اور قائدِ اعظم پر جو تکالیف عائد اور جو احکام صادر کئے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر ان جوڑ ہیں۔ لیکن اس مضمون میں تبلیغ اسلام کے لئے جس جذبہ اور ولولہ اور جس غیرت و حمیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسی کی ہر مسلمان سے توقع ہونی چاہئے مگر آج یہ چیز بہت مدتوں سے ناپدید ہے۔ خدائے پاک ہر مسلمان کو اسکی توفیق بخشے (ادارہ)

مسلم حکومتوں کا فرضِ اوّل

(محترمہ اقبال خانم صاحبہ)

دنیا کو آج مذہب اسلام کی اشد ضرورت ہے۔ آج دنیا کا نقشہ ہوبہو وہی ہے جو عرب کے زمانہ جاہلیت کا تھا ایک قوم دوسری قوم کے لئے خونخوار درندہ بنی ہوئی ہے۔ دنیا کا امن مٹ چکا ہے۔ ملک گیری کی ہوس نے قوموں کو بدحواس کر رکھا ہے۔ انسانیت دنیا سے گم ہو چکی ہے۔ پس اس نقشہ کو اگر بدل سکتا ہے تو فقط اسلام۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اسلام کی تبلیغ وسیع پیمانہ پر شروع کی جائے۔ آج ہم مسلمانوں کے پاس وسیع دائرہ موجود ہے بشرطیکہ ہم اسے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔
حضرت محمد صلعم نے اگر تبلیغ کا کام تنگ دائرہ سے شروع کیا تو وہ ایک مجبوری امر تھا کیونکہ انکے پاس وسیع دائرہ موجود ہی نہ تھا وہ فردِ واحد تھے اور تمام ملک ان کا دشمن لیکن جب انھیں وسیع دائرہ ملا تو انھوں نے وسیع دائرہ میں اپنا کام شروع کر دیا۔

آج دنیا کی آبادی کا چوتھائی حصہ مسلمان ہیں اور متعدد مسلمان حکومتیں ہیں۔ ہمارے پاس کافی وسیع دائرہ موجود ہے۔ آج مسلم حکومتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے فرض اول کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ ہر مسلمان کا فرض اول ہے دین اسلام کو غیر کلمہ گو تک لے جانا۔ پس مسلم حکومتوں کو اپنے اس فرضِ اولین کو فراموش نہ کرنا چاہئے۔ اپنے دیرینہ تغافل سے بیدار ہونا چاہئے۔ آج مسلمان حکومتیں کمزور حکومتیں ہیں۔ لیکن ایک زبردست روحانی حربہ قرآن مجید ان کے پاس موجود ہے۔ پس اسی سے دنیا کو تسخیر کریں اور دنیا کو امن کا مقام بنائیں۔ پس تمام حکومتیں متحد ہو کر اپنے اپنے قابل اعتماد نمائندے منتخب کریں اور

زرکثیر خرچ کرکے مکہ معظمہ میں ایک وسیع پیمانہ پر تبلیغی درسگاہ کی تعمیر کا کام شروع کروادیں۔ حکومتوں کے نمائندے اس کام کو شروع کریں گے اور یہ حکومتوں کے ماتحت ہونگے۔ کسی قسم کے غبن اور غداری کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی ایسا کام کرے گا بھی تو حکومتیں ایسے لوگوں کو عبرت آموز سزائیں دے سکتی ہیں۔

لیکن یہ تبلیغی درسگاہ تعمیر کروائی جائے مکہ معظمہ میں کیونکہ یہ مبارک مقام اسلام کا منبع اور مسلمانوں کا مرکز ہے اور حج کے لئے ساری دنیا کے مسلمان یہاں ہر سال خود بخود جمع ہوجاتے ہیں۔ مسلمان علماء اس کا ہر سال حساب کتاب لے سکتے ہیں۔ کچھ حکومتوں کی مدد ملتی رہے اور کچھ حاجی لوگ کفیل ہوسکتے ہیں۔ اس طریقہ سے یہ روحانی سلسبیل ہمیشہ کے لئے جاری ہوسکتی ہے۔

اس درسگاہ کے مبلغ بھی کسی قسم کا غبن و غداری نہیں کرسکتے کیونکہ حکومتوں کے ماتحت ہونگے۔ دوسرے ان کی معاش کا فکر حکومتوں کے ذمہ ہوگا جب وہ اپنی معاش کی فکر سے بے نیاز کردئے جائینگے تو انھیں غبن کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئیگی اور اگر کوئی ایسی حرکت کسی سے سرزد ہوگی تو عبرتناک سزا پائیگا۔

پس اس درسگاہ میں اسقدر مبلغ بھرتی کئے جائیں جو دنیا کے چپے چپے کے لئے کافی ہوں۔ یہ مبلغوں کی جماعت متعدد گروہوں میں تقسیم ہو۔ ہر گروہ کو اس ملک کی بولی سکھائی جائے جس ملک میں اسکو جانا ہو۔ اور اس درسگاہ میں مبلغ بھی وہی لئے جائیں جو بذاتِ خود نیک ہوں اور اسلام کا عملی جامہ آسانی سے پہن سکیں۔

جب یہ گروہ تیار ہوجائے تو نکل جائے دنیا کے چپے چپے میں تاکہ اسلام کو عملی صورت میں بھی دکھادے اور قرآن کی صورت میں بھی۔ اس گروہ کا مندرجہ ذیل کام ہو۔

(۱) اسلام کی تبلیغ کرنا۔ اغیار میں اور مسلمانوں میں بھی۔

(۲) مسلمانوں کی تنظیم کرنا۔

(۳) مسلمانوں کے لئے بیت المال کا قیام۔

(۴) مسلمانوں میں سے فرقہ بندیوں کو مٹانا۔

(۵) مسلمانوں سے قبیح رسوم کو دور کرنا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے صنعتی و حرفتی کارخانے کھولنا۔

(۷) مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی بھی کرے۔

غرضیکہ یہ مبلغوں کا گروہ مسلمانوں کی ہر قسم کی رہنمائی کرے سیاسی مذہبی وغیرہ وغیرہ۔

اگر اس قسم کا انتظام ہوجائے تو دنیا کا بدامنی کا نقشہ امن و آشتی میں تبدیل ہوجائے۔ اور اگر یہ کام مسلم حکومتیں اپنے

دنیا میں تو یہ چنداں مشکل نہیں۔ اگر اس کام کا بیڑا حکومتیں اٹھائیں تو عام مسلمان نواب اُمراء اس نیک کام کے لئے حکومتوں کی کافی امداد کر سکتے ہیں۔

اور اگر منظم وسیع دائرہ میں تبلیغ کا کام کیا جائے تو قلیل عرصہ میں اسلام تمام دینوں پر غالب آسکتا ہے۔ اتنے ہی عرصہ میں جتنے عرصہ میں عرب پر اسلام غالب آیا تھا۔ وسائل و ذرائع کے سبب دنیا عرب سے زیادہ بڑی نہیں رہی۔

اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس چند تبلیغی مشن ہیں جن میں سب سے بڑا مشن ہے قادیانی جو تبلیغ کے ساتھ ساتھ ایک نئے فرقے کا بیج بو رہے ہیں۔ جو فرقے قرآن مقدس کی رو سے فتنہ و لعنت ہیں۔ انجام فتنہ نظر ہی آرہا ہے۔ کیونکہ ان فرقہ بندیوں کے طفیل مسلمان آپس میں ہی دست و گریبان رہتے ہیں۔

کچھ اور بھی تبلیغی مشن ہیں جو تنگ دائروں میں کام کرتے ہیں اور ساتھ ہی انھیں ان مشنوں کو اپنی معاش کا ذریعہ بنانا پڑتا ہے۔ کیونکہ آخر معاش بھی ان کو چاہئے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مشن فقط مبلغ کی معاش کا ہی ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ جس قدر آمدنی بڑھتی ہے اسی قدر انسان کے اخراجات بالا ہوتے جاتے ہیں۔ پس تبلیغ کا کام کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔ کبھی کبھار کوئی بہت تھوڑا کافر مسلمان کر کے دکھا دیتے ہیں تاکہ آمدنی کا بہانہ دنیا کو دکھا سکیں۔ اور چندہ دینے والوں کی مجال نہیں ہوتی کہ کبھی ان سے حساب لے سکیں۔ بھلا اس قسم کے مشنوں کو کیونکر کامیابی ہو سکتی ہے۔ اور یہ کام اکے دکے کے کرنے کا نہیں۔ یہ بڑے ہی فرض حکومتوں کا۔ اگر مسلم حکومتیں توجہ دلانے پر بھی غافل رہیں تو خدا ضرور ان سے حساب کتاب لینے والے دن باز پرس کرے گا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح صاحب کا فرضِ اوّل

اگر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے قائدِ اعظم بننا چاہتے ہیں تو انھیں چاہئے کہ وہ ہم مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی بھی کریں۔ ہم ان پر یہ بار زیادہ نہیں ڈالتے صرف اسی قدر کہ وہ تمام مسلم ممالک کا ہوائی سفر کے ذریعہ دورہ کریں۔ خدا نے انھیں کافی روپیہ دے رکھا ہے۔ یہ سفر ان کو آسان ہے۔ پھر مسلم حکومتوں کی توجہ کو اس تبلیغی درسگاہ کی طرف مبذول کریں۔ اگر وہ اس قدر ہماری رہنمائی نہ کر سکیں تو انھیں ہمارے سیاسی قائدِ اعظم بننے کا کوئی حق نہیں۔ ہمارا مذہب سیاسیات سے علیحدہ نہیں۔ سیاسیات میں آج تک تو ہمارے لئے بہت میدان مار لئے۔ کیا کہنا! اگر جناح صاحب کو مسلمانوں کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو وہ صرف اس قدر مذہبی رہنمائی کر دیں یعنی تبلیغی درسگاہ کی خاطر تمام اسلامی ممالک کا دورہ کرکے مسلم

حکومتوں سے تبادلہ خیالات کریں۔ تو اسقدر مسلمانوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں جو سیاسیات کے میدان میں ہزار سال گھوڑے دوڑائیں تو مذکورہ بالا نفع کا پاسنگ نفع بھی پہنچا نہیں سکتے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ سیاسی میدان میں جو کچھ کر سکتے ہیں نہ کریں لیکن اس قدر مذہبی رہنمائی کو فراموش نہ کریں۔ ہنود کا قائد اعظم مسٹر گاندھی کو لو۔ وہ اپنی قوم کی ہر قسم کی رہنمائی کر رہا ہے' مذہبی اور سیاسی دونو۔ لیکن آپ ہیں کہ فقط سیاسی رہنمائی پر اکتفا کئے ہوئے ہیں۔ درانحالیکہ ہمارا مذہب سیاسیات سے علیحدہ نہیں۔

مذہبی رہنمائی کے اندر سیاسیات ہی سیاسیات پوشیدہ ہے۔ اگر اسقدر نفع کی امید مذہبی رہنمائی کرنے میں مسٹر گاندھی کو ہوتی تو وہ سیاسیات سے ایکدم علیحدہ ہو جاتے۔ لیکن ہنود کا مذہب سیاسیات سے بالکل جداگانہ ہے اور اس قدر نامکمل ہے کہ خود ہنود قوم کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا اور خود قوم ہنود کو اسلامی اصول مجبوراً لینے پڑے ہوئے ہیں۔ دیکھا جاتے تو مسٹر گاندھی ایسے غیر مکمل مذہب کے لئے بھی اپنی قوم کی مذہبی رہنمائی کرنے کے لئے نہیں چوکتے۔ ہمارے قائد اعظم کو مذہبی رہنمائی کا مطلق دھیان نہیں۔ ہنود کے لیڈر تو بات بات پر ہوائی جہاز پر سوار ملک ملک کے آسمانوں پر اڑ رہے ہیں۔ ان میں عملی حرکت موجود ہے خواہ وہ محض اپنی قوم کے لئے ہی ہو دیگر ہند کی اقلیتوں کے لئے نہ سہی۔ وہ اپنی قوم کے لئے تو ہاتھ پاؤں بہتیرا مارتے ہیں۔ جبکہ ہم مسلمانوں کے بیشمار فائدے جناح صاحب کے اس ذرا سے ہوائی سفر میں پنہاں ہیں تو چاہیئے تو یہ کہ اگر یہ قوم کے سچے خیر خواہ ہیں تو اس سفر کے لئے تیار ہو جائیں ورنہ یہ کوئی قوم کے سچے ہمدرد نہیں صرف اپنے نفس کے ہی ہمدرد ہونگے۔ اگر یہ اس کام کے لئے ناممکنات اور مشکلات کا رونا سفر کرنے سے پہلے روئیں تو محض بہانہ ہوگا۔ جب یہ سفر کرینگے تو دیکھیں گے کہ کامیابی کی راہیں کھلی ہیں جو اس وقت بھی کھلی نظر آ رہی ہیں۔ کامیابی کی راہوں کو تو خود ہمارے علماء اپنے وہمی پہاڑوں سے بند کرتے ہیں۔ خود، تاکہ ان کے آرام میں کوئی عملی حرکت مخل نہ ہو۔

ہمارے لئے ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامیابی کی کھلی راہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس قدر ان کے راستے میں مشکلات کے پہاڑ حائل تھے ان کے پائے استقلال کے سامنے وہ ہموار ہو گئے لیکن ہمارے سامنے تو راستے ہموار ہیں۔ اگر ہم ان ہموار راہوں کو کہیں مشکلات تو ہماری محض بدنیتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اشارہ سے تو کوئی کام دنیا میں نہیں ہوتا پس وہ حربہ، مقدس قرآن، جو رسول اکرم صلعم کے پاس تھا وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اس سے دنیا کو تسخیر کرو۔ دنیا کو امن کا گھر بناؤ۔ خداوند کریم ہمارے قائد اعظم کو اور ہماری مسلم حکومتوں کو توفیق بخشے آمین ثم آمین۔ اگر جناح صاحب اپنے فرض اول کا اسقدر کام نہ کر سکیں تو انھیں اپنا قائد اعظم تسلیم کرنا حماقت ہے۔

اگر جناح صاحب اس ہوائی سفر کے لئے کچھ معذرت پیش کریں کہ مجھے یہ چیز اجازت نہیں دیتی فلاں چیز اجازت نہیں دیتی ہوائی سفر کرنے کا، تو دو آدمیوں کا ہوائی سفر کا خرچ دینا منظور کریں۔ ہم ان کے سفیر بنکر خود چلے جائینگے۔

باقی تمام اخبار والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے کالموں میں اس مضمون کو جگہ دیکر ثواب حاصل کریں اور یہ تبلیغی درسگاہ حضرت امام حسینؑ کی اس بے نظیر قربانیٔ عظمیٰ کی یادگار ہو جو انھوں نے جمہوریت کے تحفظ کی خاطر دی۔ آج دنیا میں کوئی معمولی کام کرتا ہے تو اسکی یادگاریں قائم ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس بے مثال قربانی کی کوئی صحیح یادگار مسلمانوں نے دنیا میں قائم نہیں کی۔ یہ قربانی ہرگز ہرگز بھلانے والی نہیں۔ آج زمانہ ہی جمہوریت کا ہے۔ ہمارے رسول محمد صلعم نے جمہوریت کی بنا ڈالی اور ان کی آل نے اس کے تحفظ کے لئے قربانیٔ عظمےٰ دی تو ضرور دنیا میں اس قربانی کی صحیح یادگار قائم کرنی چاہئے۔ جمہوریت کی قیمت کا آج تمام دنیا کو پتہ چل گیا ہے۔ پس یہ تبلیغی درسگاہ ان کی قربانی کی صحیح یادگار ہو سکتی ہے اسکو نام دیا جائے "الحسنین"۔

عملیات

برادرانِ اسلام گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون بعنوان "جہالت کا علاج" پڑھ چکے ہیں۔ اس سے آگے مختصر ملاحظہ ہو۔ اونچے اور مہندی پور میں متواتر کام کرنے کی وجہ سے صحت خراب ہو چکی تھی۔ اس لئے واپس گھر چلا آیا۔ کیونکہ گلا بالکل کام نہ کرتا تھا۔ ۴ فروری کو میٹنگ تھی جس میں یہ قرار پایا کہ میٹنگ بجائے پندرہ روز کے ایک مہینہ کے بعد رکھی جایا کرے۔ اس میٹنگ کے بعد کپور پنڈ میں کام شروع کیا۔ اس جگہ ایسے پیروں کا تسلط ہے جو خود بھی بے نماز ہیں اور لوگوں کو بھی نماز کی طرف سے متنفر کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑا گاؤں ہونے کے باوجود مسجد بالکل برباد ہے۔ چودہ روز متواتر کام کیا گیا۔ اب خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے کچھ لوگ نماز کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور بامعنیٰ قرآن مجید کا درس بھی جاری کیا گیا ہے۔ اس کے بعد چھپی پور گیا۔ یہ لوگ اس طرف مائل ہو چکے ہیں کہ بامعنےٰ قرآن مجید پڑھایا جائے۔ مگر پڑھانے والا کوئی نہیں ملا۔ اسکے بعد مہندی پور اور اونچے کے قائم شدہ درسوں کا معائنہ کیا۔ خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے کامیابی سے چل رہے ہیں۔ موضع ڈھڈور۔ موضع تیڑا۔ موضع جینٹھ پور میں کوشش کی گئی۔ عام لوگوں کا میلان طبع قرآن مجید کے بامعنےٰ پڑھنے کی طرف ہو چکا ہے لیکن صحت نے اسکی اجازت نہ دی کہ وہاں درس قائم کر سکوں۔ ایک ہفتہ متواتر گاؤں میں آرام کیا۔ اور اسی ہفتہ میں بستی دانشمنداں کے درس کا معائنہ کیا۔ مگر درس نے کوئی ترقی نہیں کی۔ صرف دو تین آدمی ہیں جو پڑھتے ہیں۔ باقی سب گاؤں جہالت کی موت مر رہا ہے۔ ۲۵ فروری کو دوبارہ میٹنگ ہوئی۔ جالندھر چھاؤنی میں درس قائم کرنے کا پروگرام رکھا گیا۔ چنانچہ دوسرے روز جالندھر چھاؤنی پہنچا۔ مگر مسلم لیگ کے جلسہ کی وجہ سے کامیابی نہ ہو سکی۔ لہذا دوبارہ نور پور کے درس کا معائنہ کرتا ہوا

علاولپور پہنچا۔ علاولپور میں انشاءاللہ تعالیٰ عنقریب درس قائم ہو جائیگا۔ دوسرے روز آدمپور ہوتا ہوا چوموں تند آدمپور پہنچا۔ وہاں کے لوگوں میں خوب شوق پیدا ہو چکا ہے۔ انجمن اصلاح المسلمین بھی انھوں نے بنائی ہوئی ہے اور نوجوانوں نے قرآن مجید بامعنےٰ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ دوسرے روز آدمپور آیا۔ اسجگہ مدرستہ القرآن پہلے سے جاری ہے۔ قرآن مجید بامعنےٰ پڑھایا جاتا ہے جو مولوی طفیل محمد صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مگر نقص یہ ہے کہ قرآن پاک شروع سے بامعنےٰ نہیں پڑھایا جاتا۔ اور ترجمہ اختیاری رکھا ہوا ہے۔ اور مولوی صاحب کے شاگرد فضل محمد ہی ہیں جو اسجگہ سے پڑھکر چوموں میں درس دیتے ہیں۔ ان دنوں میں مجھے ازحد محنت کرنی پڑی۔ ہر روز سفر کی تکلیف۔ رات کو آدھی آدھی رات تک تقریر۔ چوموں جاکر زکام ہوا۔ دوسرے روز آدمپور پہنچا۔ رات کے ایک بجے تک بوجہ مدرستہ القرآن کی کمیٹی کے جاگنا پڑا۔ اور پھر سونے کے لئے بستر نہ مل سکا۔ اپنے ہی کمبل میں لپٹ کر حجرۂ مسجد میں سو رہا۔ سردی زیادہ تھی۔ صبح سینہ میں درد، گلا خراب بوجہ زکام۔ سردرد پہلے ہی موجود تھا۔ اب ارادہ کیا کہ کسی طرح گاؤں واپس پہنچوں۔ مگر کرایہ ریل پاس نہ تھا۔ اسلئے پیدل ہی چل پڑا۔ بارہ تیرہ میل کا پیدل سفر کر کے بولینہ دوآبہ پہنچا۔ تکان کی وجہ سے بخار بھی ہو گیا تھا۔ تمام رات بخار اور سینہ میں درد رہا۔ اور آج مورخہ ۷ مارچ سنہ ۴۰ء کو چارپائی پر پڑا ہوا یہ تمام حالات لکھ رہا ہوں۔ اللہ ہی کی اعانت درکار ہے۔ گھرانے کے لوگ اسلئے ناراض ہیں کہ خادم نے خدمتِ دین کے بجائے کسی اور شغل کو کیوں اختیار نہ کیا اور قوم کا حسنِ ظن یہ ہے کہ یہ سب کھانے پینے کے ڈھنگ ہیں۔ گویا دینی خدمت ان لوگوں کی نظر میں نہایت حقیر ہے اور خادمانِ دین کا مقصد نان پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

قوم کی جو حالت اسوقت میرے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ پچاس فیصدی افراد تو کلمۂ طیب ہی سے بے بہرہ ہیں۔ اور جو جانتے بھی ہیں ان میں ایک فیصدی بھی ایسے نہیں جو اس کلمہ کے معنےٰ سے واقف ہوں۔ بھنگ اور پوست پینے والے فقیر اولیاءاللہ ہیں۔ اور ۷۵ فیصدی افراد ایسے ہی فقیروں کے مرید ہیں۔ تمام علماء سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آپسمیں فیصلہ کن مناظرے کرنے کی بجائے تبلیغ اسلام کی طرف متوجہ ہوں۔ اور امراء بھی عیش پرستیوں کو چھوڑ کر اس طرف دھیان دیں۔ اگر اسوقت مسلمانوں کی حالت کو سدھارنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ وقت دور نہیں جبکہ ساری کی ساری قوم خدا تعالےٰ کے قہر و غضب کی مستحق قرار پا جائے۔ اگر خدا تعالےٰ نے مجھے صحت عطا کی تو پھر قوم کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤنگا۔ ورنہ خدا حافظ۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم اس قوم کو صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین ثم آمین۔ (الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے مولوی صاحب موصوف کو شفا بخشدی ہے۔ (ادارہ))

نیازمند

غلام قادر۔ بولینہ دوآبہ تحصیل وضلع جالندھر

باسمہٖ و عونہٖ تعالیٰ

انجمن مدرسۃ البنات شہر جالندھر

کا

پندرھواں سالانہ جلسہ

بمقام نیاآئیں نزد دار القرآن اڈہ بستیات جالندھر شہر

بتاریخ ۱۴۔۱۵ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء المطابق ۵۔۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۹ھ

بروز اتوار و پیر

علماء دین اور فضلائے ملت وقت کی ضروریات اور مقتضائے حالات کے مطابق نہایت گرانقدر اور بیش قیمت موضوعوں پر فصیح و بلیغ خطبات القاء فرمائینگے اور شعراء نامدار اپنے جادو اثر اور ہوش افزا کلام کے معجزے دکھائیں گے۔

سامعین کرام کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ اس بزم کی اصل رونق، ماشاء اللہ آپ ہی کے دم قدم کے برکات سے ہوگی، اس لئے ہمارے دیدہ و دل آپ کے لئے فرش راہ رہینگے۔

التماس (۱) باہر سے قدم رنجہ فرمانے والے اصحاب ازراہ کرم بستر ضرور ساتھ لائیں تاکہ کارکنوں کی معذوری کلفت کا باعث نہ ہو۔

(۲) طعام و قیام کا انتظام انجمن کے ذمہ ہوگا، مگر تشریف آوری کی اطلاع اور رفقاء کی تعداد سے تین روز پہلے مطلع فرما دینا چاہیئے۔

الملتمس: نیاز آگین نورالدین بٹ سیکرٹری عمومی انجمن مدرسۃ البنات شہر جالندھر پنجاب

رجسٹرڈ ایل [illegible]   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نمبر ۲۵۵۵

پیام اسلام

جالندھر شہر

جلد ۱۱ | [illegible] سنہ ۱۹۴۰ء ۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۴

قیام الصلوٰۃ اور اجتماعی زندگی

منجانب ناظم ادارہ اصلاحِ تبلیغ جامع آسٹریلین لاہور

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ہ

(ترجمہ)۔ وہ مسلمان کامیاب ہیں۔ جو اپنی صلوٰۃ میں پوری عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

قانون مرکزیت:۔ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور سُنت ایک خاص نظام پر کارفرما ہے۔ جسکو قانون مرکزیت کہا جا سکتا ہے اس قانون کی رو سے ایک وجود بمنزلۂ مرکزی نقطہ کے ہوتا ہے۔ اور بقیہ اجسام ایک دائرے کی شکل میں اُسکے چاروں طرف وجود پاتے ہیں۔ اب پورے دائرے کی زندگی اور بقا اس وجود کے قیام سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اجسام اپنے مرکز سے الگ ہو جائیں تو نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

یہ مرکزی وجود حقیقتاً سرور کونین حضرت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہے۔ جو بصورت قرآن عزیز قیام قیامت تک زندہ موجود رہیگا۔ (کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن ۔ عن عائشہ صدیقہ)

اس نظام کے ہائی کمانڈ کا دفتر اعلےٰ مسجد نبوی تھی اور نظام کے ساری دُنیا میں وسیع تر ہو جانے پر ہر مسجد کو "اللہ کے گھر" کے نام سے ہر جگہ مقامی مرکز خدا نے خود تجویز کیا۔ اور اس گھر کے انچارج "مرکز محبت" کے نائب قرار دئے گئے۔

دُنیا کی کوئی طاقت اُس وقت تک امتِ مرحومہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکی۔ جب تک وہ اس مرکز حیات سے والہانہ

(جنرل برقی پریس جالندھر شہر میں باہتمام محمد احمد خاں ڈاکٹر پرنٹر و پبلشر نے چھپوا کر دفتر رسالہ اوڈھ بلڈنگ جالندھر شہر سے شائع کیا)

وابستہ رہی۔ جب سے اس مرکزِ محبت کے "دامنِ وحدت" میں مذہبی فرقہ بندیوں نے جنم لیا۔ مسلمان صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے۔ یہی مرحوم اُمت مغضوب بن گئی۔ اور اللہ تعالےٰ کے انعامات ایک ایک کرکے اس سے چھن گئے۔

اسلام کی روح صرف "مرکزِ محبت" کا قیام ہے۔ توحید کا اقرار اور رسالت کی تصدیق اسی مرکزِ محبت کے لئے ہے۔

کعبہ کو اگر اللہ کا گھر کہا گیا ہے تو اس مرکز کی تاسیس کی غرض سے!

صلوٰۃ کو "رکن دین" اور حج کو "عماد الدین" کا نام دیا گیا ہے تو اسی مرکز کے قیام کے لئے۔

صبغۃ اللہ اسی رنگ کا نام ہے۔ جہاں انسانوں کے اپنے پیدا کردہ امتیاز و رنگ فنا ہو کر امتِ واحد کی صورت میں ایک مرکزِ محبت میں ختم ہو جاتے ہیں۔

آج مسلمان صرف اسی مرکزِ حیات سے وابستہ ہو کر دوبارہ دین و دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہی ہماری سیاست ہے یہی اقتصاد۔ اور یہی ہماری زندگی کا واحد مدعا!

القرآن۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔

"اللہ کی رسی" مرکزِ محبت ہے۔ اور جمع ہونا یہ ہے۔ کہ ہم اپنی ذات کو فنا کر کے اجتماعی نظامِ قرآنی کے ماتحت حکم کے بندے بن جائیں۔ تفریق یہ ہے، کہ ہر وہ شخص جو چند آدمی اپنے گرد جمع کر سکے۔ اپنی الگ جماعت بنا کر قومی اجتماعی نظام کو برباد کر دے یا کا مجوزہ "اقتدار گونگا شیطان" بنکر اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھے۔ کہ وہ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی خدا کا نیک بندہ ہے۔

مرکزِ حیات کیسے قائم ہو:- اب سوال یہ ہے۔ کہ مرکزِ حیات کیسے قائم ہو؟ قرآن ہمارے سامنے ہے۔ احادیث کا بیشمار ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ کے نوشتے موجود ہیں۔ اقوامِ عالم کے مصنفوں کی کتابیں اور علم و عمل کے قیمتی خزانے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ آئیے غور کریں کہ مرکزِ حیات کی تاسیس کیسے ہو سکتی ہے؟

جماعتی زندگی کے خصائص، جماعتی زندگی کے فضائل جماعتی زندگی کے فرائض قرآن کے ہر صفحہ میں موجود ہیں۔ اس اسلامی زندگی کے اہم ترین علامات دو ہیں:-

اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ - قیام صلواۃ اور ادائے زکواۃ یعنی صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔

قرآن عزیز میں یہ دونو حکم ملے جلے نظر آتے ہیں۔ اَن پڑھ سے اَن پڑھ مسلمان جسکو دو چار سورتیں بھی صلوٰۃ کیلئے یاد ہیں اس سے بے خبر نہیں۔ کہ یہ اصول، اولین شرطا اور بنیادِ اسلام ہیں۔ حتیٰ کہ کسی فاسق اور مرتد گروہ کو بھی مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں فرمایا:-

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ (القرآن)

"اگر وہ سرکش اور باغی قبائل اپنی گذشتہ شرارتوں پر اظہار ندامت کریں۔ نماز کی پابندی کا اقرار اور ادائے زکوٰۃ کا عہد مستحکم کریں تو آن سے پابندی اٹھالی جائے"۔

قران نے جو اہمیت اِن بنیادی اصولوں کو دی ہے کسی دوسرے عمل کو نہیں دی۔ ہر جگہ اور ہر صفحہ قرآن پر قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا تذکرہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی شناخت کا یہ ایک اہم معیار ہے۔ اور اسکا ترک و فقدان غیر اسلامی زندگی کا ثبوت ا۔

قیام صلوٰۃ: صلوٰۃ کیلئے "اقامت" کا لفظ آیا ہے۔ نماز قائم کرو۔ ہر جنس کی طرح نماز کی بھی ظاہری شکل ہے۔ باطنی روح ہے۔ اعمال نماز کو بجا طور پر ادا کرنا اسکا قائم کرنا ہے۔ اور قیام صلوٰۃ کے بعد اس کے لازمی نتائج کا پیدا ہونا قطعی اور لازمی ہے۔ کان کھول کر سن لو! عبادت تو اسوقت سے تھی۔ جب سے دنیا کے پہاڑ اور دریا میں عُبّاد تھی مگر قیام نہ تھا۔ ہمیں قیام صلوٰۃ اور اسکی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور قیام صلوٰۃ بہ اعتبار اپنے معانی کے ادا نہیں ہوتا۔ جب تک کہ قیام جماعت والتزام جماعت نہ ہو۔ جہاں تک ترک جماعت کے مضر اثرات کا تعلق ہے۔ ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق لآیبرون کفر اِلاّ ترك الصلوٰۃ۔ یعنی بنیادی عقائد کے باوجود ترک قیام صلوٰۃ مخرج عن الجاعت ہے اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت نماز کو ترک کر دے تو ایک لمحہ کے لئے بھی وہ جماعت مسلمان نہیں رہتی۔

فلسفہ صلوٰۃ: نماز مسلمانوں میں روح عمل بیدار کرنے کا ہتھیار ہے۔ وقت کی قیمت سے آگاہ کرنے کا آلہ ہے اس کے اخوت و محبت کے یگانہ مناظر سے دلوں میں تعاون اور برادری کے جذبات پیدا ہونے ضروری ہیں۔ خدا پرستی اور محبت انسانیت کا جلوہ گر ہونا حتمی اور انتشار و پراگندگی دور ہو جانا یقینی امر ہے۔ نمازی اللہ کے وہ مومن ہیں جو قانون حق کے مطابق صاحب نعمت بننے کے صحیح حقدار ہیں۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث ٭ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

جمعہ کا ہفتہ وار اجتماع: قیام جماعت کے لئے ہفتہ وار یا دوامی اور التزام جماعت کی روح زندہ رکھنے کیلئے جمعہ میں چار مرتبہ اس کانفرنس کا انعقاد خدا کے قطعی حکم کے ماتحت ہے۔

القرآن:۔ جب نماز جمعہ کیلئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور کاروبار تجارت (خرید و فروخت) چھوڑ دو۔ (سورۂ جمعہ)

قیام صلوٰۃ کا حقیقی مفہوم نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد اس ہفتہ واری اجتماع کا افادی پہلو ہم بھول چکے ہیں۔ اب ایک جگہ محض رسمی طور پر مساجد میں اس لئے ہوگا۔ کہ فرض ادا کیا جائے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس اجتماع کو کیوں فرض کیا گیا۔

ایک دفعہ سرور کونین ؐ نے فرمایا تھا۔ کہ جو لوگ جماعت میں شامل ہونے کی بجائے (اسوقت جبکہ میں یہاں موجود ہوں،

گھروں میں بیٹھے ہیں۔ اس قابل ہیں۔ کہ اُن کے گھروں کو جلا دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کا دُرہ ایسے کاہل الوجود انسانوں کے بل نکالنے میں سب سے زیادہ کارگر ثابت ہوا۔ لیکن اب تو رحمۃ اللعٰلمین کے لئے وہ فدائیت موجود ہے۔ اور نہ طاقت کا وہ دُرہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اکثر لوگ بالخصوص وہ جو اپنے آپکو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ ہمیں اسوقت نماز جمعہ کے لئے آتے ہیں۔ جب خطبہ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے

خطبہ جمعہ: خطبہ دراصل ایک وعظ تھا۔ جیسا کہ وعظ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہؓ کا بھی یہی حال رہا۔ اور تمام عربی حکومتیں جو انکے بعد قائم ہوئیں ان کا بھی خلفائے اور سلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حقیقت خطبہ کے لئے کتب صحاح کے ابواب متعلقہ جمعہ و خطبہ شاہد عادل موجود ہیں۔ لیکن آج جو حالت ہوگئی ہے۔ اس کے حقیقی اسباب تو شخصی حکومتوں کا قیام۔ عجمی سلاطین کی کثرت۔ سنت خلفائے راشدین کی مخالفت اور جہالت و غفلت تھی۔ لیکن اس حقیقت کو واضح کرنے والا خود لباس ظاہرہ کے پجاریوں کے طعن و تشنیع کا اس طرح مورد بن جاتا ہے۔ کہ آج حقیقت ایک بدعت معلوم ہوتی ہے۔

شرعی طور پر جمعہ کا خطبہ نماز فرض کے قائم مقام ہے اور اسکا سننا فرض ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونو خطبوں کا سننا واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے کا ..... اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ "عمل عبادت" کی طرح نصائح اور ہفتہ واری قومی پروگرام سنیں۔ اور یہ خطبہ اتنا اہم ہو کہ وہ مقصد نماز کی حقیقت کا حامل ہونے کے علاوہ انفع ترین امور پر مشتمل ہو۔

آج خطبات دئے نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھے جاتے ہیں۔ اور لوگ بیٹھے اونگھتے ہیں۔ اور اُن کے مضامین سے سامعین واقف تک نہیں ہوتے۔ اور شاید خطیب بھی نہ ہوں

ایک محقق کے ارشادات: آج خطبہ کے معانی یہ ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب بازار سے خرید لی جائے۔ اور الف لیلہ کی طرح اس میں سے ایک خطبہ غلط سلط پڑھ دیا جائے۔

آواز بشدت کریہہ ہو۔ اور لب و لہجہ میں عربیت پیدا کرنے کیلئے ہر جگہ ثقالت سے کام لیا۔ بعض لوگ قرآن عزیز کی حاصل کردہ قرات کو یہاں بھی صرف کرتے ہیں۔ اور پھر جو شخص آخری حرف کو ذرا لمبی سانس کھینچ کر پڑھ جائے وہ سب سے بڑا قاری ہے۔ بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ الف لیلہ کا ایک افسانہ ہے۔ قلیوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد و ہدایت امت کا وہ عظیم و جلیل عمل اقدس جو رسول اللہ کے منبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو انجام دینا پڑتا ہے۔ پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا۔ کوئی اونگھتا ہے۔ کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کے بھاؤ پوچھتا ہے۔ یہ تمسخر انگیز تذلیل و تحقیر ہے۔ اس مذہب کے اعمال دینیہ کی جس کے داعی اولؐ نے اپنے خطبات و مواعظ سے ایک بادیہ نشیں قوم کو روم و ایران کے تمدن کا آقا بنا دیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

یقین کرو کہ جب حضرت (مسیحؑ) نے بنی اسرائیل کی ذلت و ہلاکت پر ماتم کیا، تو شریعت موسوی کے احکام و اعمال کا بجنسہٖ یہی حال تھا جو آج ہم نے شریعت خدا کا بنا رکھا ہے۔ مسیحؑ اگر ان فریسیوں اور صدوقیوں پر روتا تھا جو گو بڑی بڑی آستینوں کے جبے پہنتے، ہر وقت دعائیں مانگتے اور بڑی بڑی جیب تسبیحیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے۔ پر شریعت کے حکموں کو انھوں نے مسخ اور اعمال صالح کو بے اثر کر دیا تھا۔ تو ہمیں اپنے ان عالموں اور صوفیوں کا الزام قائم کرنا چاہیئے۔ جو اُن کی طرح سب کچھ کرتے ہیں پر انھی کی طرح حقیقت سے بھی خالی ہیں

میں سرے سے اس امر ہی کا سخت دشمن ہوں کہ خطبے لکھے ہوئے پڑھے جائیں۔ یہ ایک بدعت ہے جس کا خیر القرون میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور نہ علّت حکم اسکی موید۔ خطبہ ایک وعظ ہے۔ پس مسجدوں میں ایسے خطیب ہونے چاہئیں جن کو یہ قابلیت حاصل ہو کہ جمعے کے خطبہ کیلئے تیار ہو کر آئیں۔ اور زبانی وعظ مثل عام وعظ کے کہیں۔ ضروری ہے کہ قوم کی موجودہ حالت اُن کے پیش نظر ہو۔ جو بیماریاں ہمیں آج لاحق ہیں۔ اُن کا علاج بتائیں۔ نہ کہ اُن کا جو آج سے ۵ برس پہلے تھیں۔ وہ خطبات عربیہ جو آج کل رائج ہیں۔ میں نے سب کو پڑھا ہے۔ وہ تو اسوقت کیلئے موزوں نہ تھے جب لکھے گئے۔ پھر آجکل کی حالت کا کیا ذکر؟ خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے؟ کہ صرف چند مسائل بیان کر دئیے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ ایک دن مرنا ہے بس ڈرو اور موت یاد کرو؟ بے شک موت کو یاد کرنے سے بڑھ کر انسان کے لئے دنیا میں کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی۔ کفا بالموت واعظاً لیکن صرف یہ کہہ دینا لوگوں کو ڈرانے کیلئے کافی نہیں۔ موت کی یاد کے ساتھ اُن کو زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیئے جو تذکرۂ آخرت کے ساتھ مل کر انسانوں کو دونوں جہانوں میں نجات دلا سکتی ہے؟		"الہلال"

صحیح راہ عمل:- ان تصریحات کے بعد مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قیام صلوٰۃ اور صلوٰۃ جمعہ درحقیقت "ملت اسلامیہ" کی اجتماعی حیات کے وہ بنیادی ستون ہیں۔ جنکی پختگی ہمیں حیات نَو کی نئی امنگوں سے مالامال کر سکتی ہے۔ کیا مسجد جسے اللہ کا گھر کہتے ہیں۔ واقعی اس خدائی قانون کا وہ مرکزی دفتر ہے جہاں نائب رسول الٰہی کے لئے "ملت مرحومہ" کو تیار کر سکتے ہیں؟

کیا یہی وہ مقام ہے جو قرون اول کا جنگی دفتر ہونے کے علاوہ شاہی بیت المال کا بنک سمجھا جاتا تھا۔ تاریخ کے اوراق اور فاروق اعظمؓ کی تاسیس اولیہ اس حقیقت کے شاہد عادل ہیں۔ لیکن صدیوں کی تاریکیوں کے بعد آج اسے دوبارہ سمجھانے کیلئے دوبارہ اس نصب العین پر یقین اور ایسا یقین جو "ایمان" کا درجہ لئے ہوئے ہو پیدا کرنیکی ضرورت ہے۔ یورپ کے نقال خدائی انجمن اور الٰہی نظام سے باغی ہو کر نقلی انجمن سازی اور پارٹی گری میں اسطرح مبتلا ہیں کہ وہ ہر کام کے لئے ایک انجمن ضروری سمجھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ انسانی کمزور کوششیں خدائی نظام کا منہ چڑانے کے مرادف ہیں۔

مسلمانو! خدا کے لئے اس انجمن سازی کو ختم کرو۔ خدا کے مقرر کردہ نظام صلوٰۃ کی طاقت کو سمجھو۔ اور اسکی اُس تصویر کو سامنے

رکھتے ہوئے جو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی۔ ایسا غیر متزلزل ایمان پیدا کرلو جسکی کیفیت عشق تک جا پہنچے! - جب یہ یقین پیدا ہوگیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت آپکو "خلافت الٰہیہ" کے "نصب العین" کے حصول سے نہیں روک سکتی ہے۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا　　تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا　(اقبالؔ)

ایمان محکم :-

قوموں کی موت و حیات کا فیصلہ ان کے یقین کے استحکام اور عمل کی مضبوطی کے مطابق ہوا کرتا ہے۔

القرآن:- جن لوگوں نے کہا۔ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر (اپنے نصب العین کے حصول کے لئے) ڈٹ گئے۔ تو ان کی مدد کے لئے (انسان تو انسان) فرشتے بھی آموجود ہوتے ہیں۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوا (یہی ایمان محکم ہے جو نصب العین کے حصول کا ناقابل شکست ارادہ ہے۔ ہاں! یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ ایک بے حس اور مایوس قوم یقیناً اس زندہ آواز کے خلاف یورش کرے گی۔ رازِ عشق سے ناآشنا اور وقت کے بندے ہمیں بے وقوف کہینگے۔ لیکن وہ کونسا زمانہ تھا جب باطل یا ناقص صداقت اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے حق کے مقابل میں نہ آئے۔

یہ جنگ شروع سے چلی آ رہی ہے۔ ناکامی صرف اسوقت ہوتی ہے جب ہمیں اپنے نصب العین کی صداقت کا یقین نہیں ہوتا ہمارا عہد، عہدِ استوار نہیں ہوتا۔ ہمارا عشق عشقِ صادق کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا۔ ورنہ مخالف قوتیں تو ایمان کے لئے سامانِ چمک مہیا کرتی ہیں۔

القرآن "جب ان سے لوگوں نے کہا۔ کہ تمہارے مخالفین تو ایک ہجوم پیدا کر رہے ہیں۔ اس لئے ان سے ڈرو" تو اس اطلاع سے ان کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اور انھوں نے کہا۔ "(ان کو اکٹھا ہونے دو)۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔"

اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔

القرآن:- پس وہ اللہ کے فضائل و نعمار سے (جھولیاں بھر بھر کے) واپس لوٹے۔ اور انھیں کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہنچ سکی۔

ادارہ اصلاح کے کارکنو! تم نے ایک نئی طرح ڈالی ہے۔ تم انجمن سازی کی نمائشی لذت سے بیزار ہو۔ تم حقیقی اصلاح کے طالب ہو۔ تم سن لو! قانون فطرت کے مطابق تمھاری کامیابی کی راہ بھی مشکلات اور مخالفت میں سے ہو کر نکلیگی۔ تم اپنے نصب العین کی صداقت پر قوی ایمان رکھتے ہو۔ تو مخالفت کا ساز و سامان دیکھ کر استہزاء کی ایک خفیف سی ہنسی کے ساتھ مستانہ وار گزر جاؤ اسباب و ذرائع تمھارے لئے صرف ایک ثانوی چیز ہیں۔ تم صرف اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یہ بھروسہ ہی وہ قوت ہے جسکی برکت سے کھجور کی ٹہنیاں شمشیر جگرِ دار کے جوہر دکھاتی رہیں۔ ایک مومن اور کافر میں یہی فرق ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

جہان نو:۔ یہ جہانِ نو تعمیر ہو کر رہیگا - دنیائے جدید بنکر رہیگی - اللہ کا دین اپنے نظام و قوت کے ساتھ لیظہرہ علی الدین کلہ کا سماں ضرور پیدا کریگا - یہ دورِ حاضر کی اٹل تقدیر ہے - یہ ناممکن ہے کہ نو کروڑ کی جمعیت جو حضرت محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نام لیوا ہے ورطۂ کفر میں ڈوبی رہے - لیکن سوال یہ ہے کہ اس "تکمیل نصب العین" کے لئے تم کیا کرتے ہو؟

ظہور و تمکن اسلام، خدا کا لکھا ہوا نوشتہ تھا - جسے پورا ہو کر رہنا تھا - لیکن اسکی تکمیل بدر و حنین کے اُن زندہ جاوید قدسیوں کے ہاتھوں ہوئی جنکی تربیت "۔۔۔ کے گھر" میں ہوئی اور جن کا خون مقدس شجرِ اسلام کی ہر شاخ کی نمی کا ذریعہ بنا - آج مسجد پھر روحوں کی تلاش میں ہے - وہ مُردوں سے نالاں ہے - وہ زندہ نمازیوں کیلئے بیتاب ہے - ہاں وہ اسلام شجرِ طیب کے لئے پھر نمی کی متلاشی ہے - دیکھنا یہ ہے کہ سعادتِ ازلی کن پاک روحوں کے حصہ میں آتی ہے -

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے! کیا　　اب کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے!

مبارک ہیں وہ جو انجمن سازی کی مغربی نقالی سے بچکر خدائے قدوس کے حقیقی نظام کے قیام میں ہمارا ساتھ دیں - قرآن کے نظام کو سمجھیں - اور خدائے قدوس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے سربکف میدان میں آجائیں - اللہ تعالیٰ ہمارا ناصر و مددگار رہو -

نوٹ:- یہ مضمون بصورت ٹریکٹ شائع ہو رہا ہے - جو عار سینکڑہ کے حساب ایک کاپی معہ رپورٹ دستور العمل مرکزی دفتر ادارۂ اصلاح و تبلیغ جامع آسٹریلین لاہور سے دستیاب ہو سکتا ہے - ارکے ٹکٹ برائے محصولڈاک بھیجنے پر بھیجا جائیگا -



"پیام اسلام":- ناظرینِ "پیام اسلام" حکیم مرزا عبدالحمید صاحب بی اے "ماہرِ تبلیغ" کے اسم سامی سے خوب شناسا ہیں "داعی الی الحق" کے خیالات کا جوش اسلوبِ بیان کا زور رگِ باطل و بدعت پہ اُن کی نشتر زنی، نادان مریض کی بیجا چیخ پکار طبیب مہربان کو شکریے کی بجائے "جلاد و دیوانہ" کے فتوے کی پیشکش - یہ سب امور اظہر من الشمس ہیں - خدا کا شکر ہے کہ اس مردِ میدان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی - اور وہ کامیابی کے یقین سے مزید پامردی کے ساتھ گامزن ہے - وہی "ادارہ اصلاح و تبلیغ" اب جامع آسٹریلین میں قائم ہے - اور زیادہ استواری سے قائم ہے - ایسے مبارک اداروں کی شدید ضرورت جیسی آج ہے اس سے اسکی اہمیت و عظمت کا اندازہ ظاہر ہے -

مندرجہ بالا سطور "داعی الی الحق" کے قلم سے ہیں جنہیں "ادارہ اصلاح و تبلیغ" نے شائع کیا ہے - ادارہ مذکورا سے علیحدہ بھی شائع کر رہا ہے - اور بھی لٹریچر شائع ہو چکا ہے جسے اس ادارے سے منگایا جا سکتا ہے -

مسجد کی مرکزیت اور اس کی اہمیت کو ذہن نشین کرنے میں ادارہ مذکور نے جو خاص کوشش فرمائی ہے۔ وہ بجد مبارک ہے اور ادارے کو مسلمانوں کے شکریہ کا مستحق بنا رہی ہے۔ درس قرآن کا اجرا اور جمعۃ المبارک کے خطبات جو بہت اہم موضوعات پر دئیے گئے ہیں۔ ان کی نشر و اشاعت سردست ان مساعی کا پتہ دے رہی ہیں جو اس راہ میں ہونے والی ہیں۔ ہم ارکان ادارہ کی خدمت میں اس مبارک اقدام پر ہدیۂ تہنیت پیش کرتے ہیں اور اہل اسلام سے متوقع ہیں کہ وہ اس ادارے کے تمام فیوض سے بہرہ اندوز ہونے کی سعی فرمائینگے۔

ادارے کے اغراض و مقاصد:۔

اس ادارہ کا نام "ادارۂ اصلاح و تبلیغ" ہے۔ اور فنڈ کا نام "مسلم امدادی فنڈ" ہے۔

۱۔ مسلمانوں میں صحیح اسلامی سپرٹ پیدا کر کے "عملی اسلام" کے سمجھنے میں انکی اعانت کرنا۔

۲۔ مسلمان نوجوان طبقہ میں قرآن عزیز سیکھنے اور سکھانے کا جذبۂ عمل پیدا کرنا۔

۳۔ مسلمانوں کی اقتصادی۔ معاشرتی اور اخلاقی کمزوریوں کا جائزہ لیکر مسجد کی مرکزی اہمیت اور قوت اصلاح کا احساس پیدا کرنا۔

۴۔ "مسلم امدادی فنڈ" کی توسیع اور باہمی تعاون و ترقی کے لئے طریق عمل تجویز کرنا۔

۵۔ مسلم غربا۔ بے روزگار۔ اور مستحقین امداد کو ہر ممکن مدد بہم پہنچانے کے لئے کوشش کرنا۔

نوٹ:۔ "ادارۂ اصلاح و تبلیغ" خالص اصلاحی۔ مذہبی اور اخلاقی ادارہ ہے۔ اس لئے ملت اسلامیہ کے ہر طبقہ کے احباب ادارہ سے عملی تعاون کر سکتے ہیں۔

قرطاس رکنیت

میں نے "ادارۂ اصلاح و تبلیغ" اور "مسلم امدادی فنڈ" کے اغراض و مقاصد اور قواعد و ضوابط کا بنظر امعان مطالعہ کیا ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کی بہبودی کے لئے ادارہ کی ہر تعمیری پروگرام پہلے خود عمل کرونگا۔ اور اسکے بعد اپنے حلقۂ احباب میں عمل کراؤنگا۔ میں نظام کا پابند رہوں گا۔ اور ہر ماہ اپنے کام کی اطلاع معتمد عمومی کو دیتا رہونگا۔ میں ادارہ اصلاح و تبلیغ کی۔ پائی۔ آنہ۔ روپیہ ماہوار مدد کرتا رہونگا۔ یا ادارہ کے عملی کاموں میں روزانہ / ہفتہ وار حاضر ہو کر اعانت کرونگا۔ اللہ تعالےٰ میرا مددگار ہو۔ فقط۔

نام -

پتہ مکمل خوشخط -

قواعد و ضوابط کی کاپی ڈاک کے لئے تین پیسے کا ٹکٹ بھیج کر مفت طلب فرمائیے۔

رجسٹرڈ ایل ۔ نمبر ۲۵۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیامِ اسلام

جالندھر شہر

مدیر اعلیٰ: عبدالحق عباس ✦ مدیر معاون: محمد احمد خان ذاکر

جلد ۱۱	مارچ سنہ ۱۹۴۱ء صفر سنہ ۱۳۶۰	نمبر ۹

خطبہ مجلس استقبالیہ

مسلم سٹوڈنٹس پاکستان کانفرنس لاہور

(از جناب عبدالحمید مرزا متعلم ایم۔ اے اسلامیہ کالج صدر مجلس استقبالیہ)

قائد اعظم۔ میرے نوجوان بھائیو اور بہنو!

میں ان تمام معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہماری کمزور آواز پر اس طرح لبیک کہا کہ آج ہماری نگاہیں زبردست جمعیت، محکم نظام اور پُرکیف مسرت سے بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔ اللہ کی رحمت کا ہاتھ فرقِ جماعت کے لئے تاجِ سعادت ہے۔

ہماری پوزیشن! پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نو آموز لیکن پُرجوش اور مخلص کارکنوں کے سامنے سالہا سال کے جمود و تعطل کا کوہِ گراں تھا۔ بھائیوں کی بے حسی اغیار کی پختہ کاری و عیاری نے ایسا تسلط جما رکھا تھا کہ بظاہر اس صورتِ حالات میں امید کی کوئی کرن باقی نہ تھی۔ ہمارے غیر سیاسی اور تعلیمی پروگرام میں فیڈریشن کے لئے قیام و حرکت کے سلسلہ میں وہی مشکلات تھیں جن کا اظہار قائد اعظم نے اپنے سیاسی پروگرام میں آج سے ۴ سال پہلے ان الفاظ میں کیا "صرف تین سال ہوتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء میں ہم نے آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کو بمبئی میں مرتب کیا۔ اس

وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ جو نام نہاد سیاسی زندگی میں سب سے آگے تھا۔ اس کے اکثر لوگوں نے اپنی سہولت کے مطابق یا تو نوکر شاہی کیمپ میں یا کانگرس کیمپ میں اپنا مقام پسند کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ نوکر شاہی کیمپ میں اپنی پوزیشن کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ وہ نوکر شاہی کیمپ میں داخل ہو گئے۔ اور جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ کانگرس کیمپ میں پوزیشن اور طاقت حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ کانگرس کیمپ میں شامل ہو گئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی پوزیشن کو کسی طرح بہترین بنالیں۔"

"اب رہے عوام الناس، اور مسلم نوجوان تو وہ کانگرس کے دجل سے مسحور و مدہوش ہو چکے تھے۔ نعروں اور سطحی باتوں کے جال میں جو کانگرس نے پھیلا رکھا تھا۔ پھنسے ہوئے تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ کانگرس ہماری مادر وطن کی آزادی کے لئے جنگ کر رہی ہے۔ چونکہ یہ خود ایماندار تھے۔ اس لئے یقین نہیں کر سکے کہ دوسرے لوگ بے ایمان ہو سکتے ہیں۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ یہ مسئلہ محض اقتصادی مسئلہ ہے۔ اور کانگرس مسلمانوں کے وال بہبات کیلئے لڑ رہی ہے۔ یہ باتیں سن کر ان کا [illegible] دماغ کانگرس کے جال میں غلام بن گیا۔ جب ہم لوگوں نے جو اس کھیل کو دیکھ رہے تھے۔ اور کانگرس لیڈروں کی تحریکات کے اندرونی مقصد کو سمجھ رہے تھے ان نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کی تو ہمیں رجعت پسند، فرقہ پرور، اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔"

"یہ تھی پوزیشن ۱۹۳۶ء میں۔ بہرحال اب مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہے کہ یہ چیزیں بدل چکی ہیں۔ ایک چیز بدون شک و شبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ وہ یہ کہ کانگرس ہائی کمانڈ یہ چاہتا ہے کہ مسلمان کانگرس لیڈروں کے محض خادم بن کر رہیں۔ اور ان کو وہ جیسے چاہیں استعمال کریں۔"

میں ان الفاظ کو اپنے غیر سیاسی پر دیگر [illegible] میں یوں ادا کر سکتا ہوں کہ اگرچہ ہمارا پروگرام [illegible] حاضرہ کی اس سیاست سے جو انگریز اور ہندو کے ارتقائی دور کی رہین منت ہے۔ بالکل الگ اور خالص تعلیمی اور اسلامی حدود تک محدود ہے۔ یہی طعنے ملے کہ سٹوڈنٹس یونین کے ہوتے ہوئے۔ یہ فرقہ وارانہ بدعت پیدا کرنیوالے طلبہ توڑتے ہیں۔ یہ نوکر شاہی [illegible] بنا رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے چند بھائیوں کو جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی بننے کی بجائے اسلام کے تمدن اور اسلامی کلچر [illegible] کی ذات سے بندھ کر اپنی قومیت قائم کرنا چاہتے تھے۔ استعمال کیا گیا۔ کئی اسلامی [illegible] کو برباد کرنے کی کوشش کی گئی اور بالآخر علامہ اقبال کے نام کی آڑ لے کر اردو کی حمایت کا اعلان [illegible] مسلمان [illegible] کی بجائے ہندی یا آنند [illegible] کی راہ دکھلانے کی کوشش کی گئی [illegible] اس کے دل میں [illegible] آواز کی [illegible] ان تمام [illegible] کو تاڑ گئی۔ اور ہم

دیکھتے ہیں کہ ہمارے بھائی اسلام۔ قرآن۔ محمد عربی اور پاکستان کے نام کے سوائے کسی آواز کو سننا تک گوارا نہیں کرتے۔

ایک مرکز: میں یہاں یہ اعلان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ پنجاب میں مسلمان طالب علموں کی صرف ایک مرکزی جماعت ہے اور اس کا نام۔ دی پنجاب مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن ہے اس کا تعلق آل انڈیا مسلم سٹوڈینٹس فیڈریشن کے ساتھ ہے اور یہی وہ واحد نظام ہے جس کے ساتھ سارے ہندوستان کے مسلم طلبہ وابستہ ہیں۔ اسکے سوا جو طرح بھی ڈالی گئی یا ڈالی جائیگی۔ وہ اعتزال اور تفریق کے سوا کچھ نہیں۔ میں حیران ہوں کہ ایسی راہیں نکالنے والے احباب گاندھی ٹوپی سوشلزم، ورآزادی کے اس تخیل کو چھوڑ کر جو انہیں مادر وطن کے چرنوں میں زمین بوس کر رہا تھا۔ کیسے یکلخت اقبالؒ کی تعلیمات کے دلدادہ ہو گئے۔ وہی اقبالؒ جس نے دیش بھگتی کے مہاتماؤں کا تار و پود بکھیرا جس نے بڑے بڑے عماموں۔ دھوتیوں اور حریت کے نمائشی نعروں سے متاثر نہ ہوتے ہوئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی ضرب کاری سے طلسم باطل کو توڑا۔ میں مسلمان طالب علموں کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان طالب علموں کا دائرۂ عمل صرف یہ ہے کہ وہ تعلیمی حیثیت میں اسلامی کلچر کو خود سمجھیں اور اپنے مستقبل کیلئے قرآن عزیز کو لائحۂ عمل قرار دیں۔ پروفیسروں اور تعلیمی اداروں کے افسران کو نصاب تعلیم کو تبدیل کرنا اور باقی تعلیمی ضرورتوں کیلئے منظم کرنا طلبہ کا کام نہیں یہ ان کا اپنا کام ہے۔ طلبہ ان کے پروگرام کو نافذ کر سکتے ہیں۔ ایسے اساتذہ یقیناً ہمارے لئے کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کر سکتے جو خود ان گتھیوں کو نہ سلجھا سکیں بلکہ ہمارے مشوروں کے محتاج ہوں۔ پھر وہ پروفیسر جو غیر اسلامی کالجوں میں اسلامی نام رکھ کر مسلمانوں کی نمائندگی یہ کہہ کر کریں کہ نعوذ باللہ اسلام کے سب سے بڑے علمبردار دور حاضر میں گاندھی اور نہرو ہیں۔ نہیں بلکہ گاندھی چودھویں صدی کا پیغمبر ہے۔ نصاب تعلیم میں کیا اسلامی رنگ پیدا کر سکتے ہیں۔

سٹڈی سرکلز: "سٹڈی سرکلز کا قیام" ایک نہایت ضروری چیز ہے۔ لیکن بے حجابانہ لڑکوں اور لڑکیوں کو ان لوگوں کے قائم کردہ نگارخانوں میں سٹڈی سرکل کے نام سے جمع کرنا جہاں قرآن عزیز کے قانون عصمت اور دستور حیا کو یہ کہکے ٹھکرا دیا جائے۔ کہ دور حاضر میں پردہ اور اسلامی قیود زمانۂ تاریک کی یادگار ہیں۔ اشتراکیت کے اصول اباحت کو جائز قرار دیتے ہو ایسے سٹڈی سرکل درحقیقت علمبرداران اشتراکیت کا وہ حربہ ہیں۔ جس سے سادہ لوح نوجوانوں کے اخلاق و ایمان پر ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے۔

ہمارے پاس ان امور کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ اشتراکیت نے جہاں بھی قدم جمائے۔ وہاں یہی طریق اختیار کیا کہ محبوب ناموں اور نظر فریب پروگراموں کی آڑ لیکر اپنے زہریلے جراثیم پھیلائے اور جب وہ وبا کی صورت اختیار کر گئے تو اس کے بعد ملت اسلامیہ کے گلے پر اس کے اپنے فرزندوں کے ہاتھوں چھری چلائی گئی۔ میں تمام غیور مسلمان پروفیسروں۔ اساتذہ اور طلبہ سے اپیل کرونگا کہ وہ کسی نام سے فریب نہ کھائیں۔ قرآن عزیز اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کو سامنے رکھیں۔ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ اگر ان کے نام استعمال کر کے مسلمان نوجوانوں کے دین و ایمان کو برباد کیا گیا۔ تو اسکی ذمہ داری بہر حال ان پر ہے۔ مسلمان

کی نجات قرآنِ عزیز سے وابستہ ہے ضرورت ہے کہ قرآنِ عزیز کی تعلیم کے سٹڈی سرکل قائم ہوں مسجدوں اسلامی درسگاہوں اور اسلامی مرکزوں میں اسلامی تعلیمات کیلئے ادارے قائم کئے جائیں مسلمان کی نجات صرف قرآنِ عزیز سے وابستہ ہے۔ مسلمان کا حاکم صرف خدا ہے۔ اور اس کا آخری انسانی سہارا آقائے نامدار سرورِ کونین فخرِ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے ؎

گر تو میخواہی مسلماں زیستن ٭ نیست ممکن جز بقرآں زیستن　　اقبال

مجھے یہ کہنے میں بے انتہا مسرت ہے کہ آج ہم نے ان تمام سنہری زنجیروں کو توڑ دیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک روشن مستقبل ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ بکھرے ہوئے "موتی" ایک سلک میں منسلک ہو جائیں۔ ہمیں اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کے استحکام کیلئے خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ضرورت ہے ہم چاہتے ہیں کہ کل جب قوم کے بوڑھے سپاہی میدان سے رخصت ہوں تو ہم گلستانِ ملت کے صحیح پاسبان بن سکیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ علامہ اقبال رحمت اللہ کی یہ دعا قبول ہو رہی ہے ؎

جوانوں کو مری آہِ سحر دے ٭ پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے ٭ مرا نورِ بصیرت عام کر دے

پاکستان: "پاکستان" کا لفظ ایک ساحرانہ جاذبیت کا حامل نظر آتا ہے۔ اس لفظ کے اپنوں اور بیگانوں میں عجیب عجیب معانی لئے جاتے ہیں میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب کے سامنے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیں کہ یہ لفظ نہ تو کوئی ہوا ہی ہے کہ اس سے ہمارے برادرانِ وطن خائف ہوں۔ اور نہ [illegible] کا استعمال کوئی مذہبی فرض ہی ہے۔ اسلام الفاظ اور نشانات کا محتاج نہیں اور نہ محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی انسان کسی نشان کو تجویز کر سکتا ہے۔

اسلام ایک زندہ قوت کا نام ہے۔ دورِ حاضرہ کی زلزلہ سامانیوں اور انقلاب آفرینیوں نے اقوامِ عالم میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ وہ قوم جو مسلمان کے نام سے ہندوستان میں آباد ہے اس نے بھی اپنی حفاظت کیلئے اس قوت کو سمجھنے اور ایک مادی نشان کو مرکز قرار دیکر خلافتِ ربانی کا اہل بننے کی تیاری کا اعلان کر دیا ہے۔ مسلمان نسل، رنگ، قومیت اور وطنیت کی کشمکش سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی فطرت یعنی "اسلام" کو اپنی زندگی کا اصل اصول قرار دینے کیلئے بیتاب ہے۔ ایسا "مسلمان" کبھی بھی خطرناک نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ اقوام کے لئے ہوا نہیں بن سکتا۔ وہ انصاف اور عدل کے ساتھ ہر ذی روح کے جائز حقوق کا حامی اور ہمسایوں کے لئے سامانِ رحمت ہوگا اسلئے برادرانِ وطن کو ٹھنڈے دل سے غور کر کے "مسلمان" کے اس فطری حق کے حصول میں مدد کرنی چاہیئے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی کا دور دورہ ہو۔ غریبوں کے آنسو پونچھے جائیں۔ میں پاکستان کے مشہور نظریوں کی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اس کا تعلق ملکی سیاسیات سے ہے اور سٹوڈنٹس کانفرنس کا مقصد اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا نہیں۔ بلکہ مسلم طلبہ کو متحد کر کے سچا مسلمان بننے کی جانب شاہراہ پہ ڈالنا ہے۔ اصولی طور پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم پہلے بھی مسلمان ہیں آخر میں بھی مسلمان ہیں۔ ہمارا جینا، مرنا اور ہمارا ہر قدم اس لئے اٹھتا

ہے کہ بحیثیت مسلمان اس مقصد اعلیٰ کو حاصل کریں جسکے لئے اسلام کو عرش سے فرش پر اترنے کی زحمت دی گئی جس کیلئے مسلم قوم کو پردۂ خفا سے عرصۂ ظہور میں اتارا گیا۔ جس کے قیام کے لئے "جہاد و قتال" کا فریضہ عائد کیا گیا۔ جسکی "جد وجہد" کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی خاطر روزوں کی مشقتیں فرض کی گئیں۔ جسکے ساتھ ساتھ اصلاح نفس اور رجوع الی اللہ کا ضمیمہ اس لئے لگایا گیا کہ وہ ان صلاحیتوں میں روحانی رنگینیاں اور ربانی کیفیتیں شامل کر سکیں۔

خلافتِ ربانی:- اللہ تعالےٰ نے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً"۔ "جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ" کہکر ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔ انسانیت کیلئے صرف نیابت ہے حکومت انسانیت اگر حکومت کا دعوےٰ کرے تو یہ بغاوت ہوگی۔ حاکم فقط اللہ ہے۔ انسان فقط خلیفۂ حاکم اور نائب حاکم ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری — اقبال

حکومتِ ربانی کا نام اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اگر مجازی یا ظلی طور پر بھی انسانیت کے لئے حکومت کا حق مان لیا جائے تو وہ ایسی حکومت ہونی چاہئے جو حکومتِ ربی کا نمونہ ہو۔ اسکا دستور دستورِ حق ہو۔ اور اس کا مرکز مرکزِ حق۔ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم یہی ہے کہ خدا کی تمام مخلوق اللہ کے حکم کے مطابق صرف اسی کے سامنے سر جھکائے۔ نظامِ ملت اللہ کے قانون کے سانچے میں ڈھلا ہو۔ "خدا کے احکام کی بجا آوری تمام بنی نوع انسان کی بہبود اور خدمتِ خلق کا عالمگیر نظام حکومت اسلام کا آخری نصب العین ہے"۔ اسی نصب العین کو ظہور میں لانا اور اسکی عملی صورت قائم کر دینا اسلام کا سب سے بڑا علمی اور عملی کارنامہ ہے اسی کو اَمرُ اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہی اَمرُ اللہ کا سارا نچوڑ اور عطر و مرکز ہے۔ یہی چیز ہے جو پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اپنی گہرائیوں میں اسی حقیقت کو لئے ہوئے ہے۔ اسی اَمرُ اللہ کو عملی صورت دینے کے لئے محمد رسولُ اللہ مبعوث ہوئے اور اسی کی تکمیل کے لئے امتِ اسلامی کی تخلیق ہوئی۔

آج مسلمان طالب علم پھر اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے بیتاب ہیں۔ ان کے دل میں ایک آنیوالے انقلاب کی خوابیدہ آرزوئیں کروٹیں لے رہی ہیں۔ زندگی نام ہے آرزو کا ـــــــ آرزو جسقدر زندہ زندگی اتنی ہی تابندہ ہوتی ہے۔ آج ہم اس تابندگی کے نظارہ کے لئے بے تاب ہیں ؎

خلوت کی گھڑی گذری جلوت کی گھڑی آئی ٭ چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

حیاتِ نو:- ان اصولی باتوں کے بعد میں اپنے نوجوان ساتھیوں کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں انکی اس قوت سے ان کو روشناس کرا دوں جو اسلام نے بطور فطرتی عطیہ کے انہیں عطا کی ہے اور اس اجلاس کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔

یہ اجلاس مسلم طلبہ کی جماعتی حیات میں ویسا ہی سنگ نشان (Land Mark) ہے۔ جیسا لاہور کا اجلاس مسلم لیگ کے لئے عظیم الشان سنگ نشان تھا۔ ضرورت ہے کہ اس سنگ نشان کو جو میلوں کی دوریوں اور پہاڑوں کی بلندیوں سے ایک مدت تک نظر آتا رہیگا۔ بلند تر کرنے کے اسباب پیدا کئے جائیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا ہر نوجوان بھائی اور ہر نوجوان بہن اس نشان کو دیکھ کر اپنی راہ تلاش کرے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ہم اسلام کی گودیوں میں پلے ہوئے وہ نوجوان ہیں جن کی تقدیر فرش نشینی نہیں۔ ہمارا اصل مقام عرش ہے۔ ہماری تقدیر کرسی نشینی نہیں۔ ہم اس لئے تعلیم حاصل نہیں کرتے کہ بنگلہ اور کوٹھی میں مقیم ہو کر مانگی ہوئی کرسی پر مطمئن ہو جائیں۔ بلکہ ہمارا دل خدا کا گھر، اور ہمارا منتہا وصال حق ہے۔

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو، بنگلوں میں مکیں ہو کر ÷ بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر

بھائیو! آؤ مدنی آقا کی محبت سے سرشار ہو کر وہ ایمان پیدا کریں۔ جسکی بجلیاں بدنوں میں کپکپی پیدا کر دیں۔ ذوق یقین اعضا کو مستعد، ارادوں کو بلند اور حوصلوں کو آسمان پاش کر دے۔ ہمارے بوڑھے جرنیل کے ایمان نے ہندوستان کے مستقبل کو جو حیرت انگیز چمک دی ہے اس نے دنیا بھر کی گالیاں سنکر اپنوں اور بیگانوں کی پروا نہ کرتے ہوئے آنیوالی نسل کے لئے وہ شاہراہ پیدا کر دی ہے۔ جس پر چل کر "منزل" تک پہنچنا اب ہمارا کام ہے۔

دوستو! اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایمان اور یقین پیدا کرو! ایمان کیا ہے۔ یہ ایک نسبتی اور اضافی چیز ہے۔ ایمان کی ابتدا اور انتہا نہیں۔ ایمان میں ازلی اور ابدی خاصیت ہے۔ ایمان ایک بحر بیکراں اور بینائے بے پایاں ہے۔ اس منزل کے مسافر کیلئے آسمان کی رفعت اور سمندر کی وسعت کچھ شئے نہیں۔ بڑے سے بڑا عزم اور بلند سے بلند حوصلہ جو مرد مومن اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔ اسلام کے محکمۂ قضا و قدر کے سمندر میں ایک تل کی حیثیت رکھتا ہے۔ مرد مومن کے سامنے پہاڑ پانی کی طرح بہ جاتے ہیں۔ سمندر اچھل کر خشک ہو جاتے ہیں۔ گہرائیاں اور خندقیں لاشوں سے پاٹ دی جاتی ہیں۔ ہاتھیوں کی قطاریں گاجر مولی کی طرح کٹ جاتی ہیں۔ بظاہر بیکس اور بے بس انسان اس خطرناک ہتھیار (ایمان) سے مسلح ہو کر خدا کی خدائی اور زمین آسمان کی ملکوت کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ اور پھر حیران ہوتا ہے کہ ابھی اور بلندیاں باقی ہیں۔

جماعتی قوت: اے میرے رفیقان کار! میں مانتا ہوں۔ مسلمان طالبعلم اسوقت تک اپنی جماعتی قوت سے نا آشنا رہا۔ خود مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اپنوں اور بیگانوں کی جفاکاریوں کی وجہ سے ایک قوت کی حیثیت میں کچھ نہ کر سکی لیکن اس غالب خدا نے اپنی غائبانہ مدد سے میری کمزور آواز کو قوت دی۔ میرے بہادر اور نشۂ عشق سے سرشار ساتھیوں نے دن رات ایک کرکے۔ اپنا آرام برباد کرکے۔ دیوانوں کی طرح بے چین رہ کر مجھے رسوائی سے بچا لیا۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسوقت پنجاب کے مسلم طلبہ میں ایک مقناطیسی روح کام کر رہی ہے۔ میں اس سال تعلیمی دور کے آخری کنارے پر ہوں۔ میرے اکثر پرجوش ساتھی جنھیں محبت سے میں دیوانے کہکر خوش ہوتا ہوں۔ تعلیمی دور ختم کر رہے ہیں۔ لیکن جاتے ہوئے ہماری خواہش ہے کہ مسلمان طلبہ اور مسلمان طالبات کیلئے ایک نیا ولولہ نیا

ذوقِ یقین نیا ایمان لائیں اس دورِ ظلمت میں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ازسرِ نو غلام بنانے کے لئے وقت کے لحاظ سے پیا۔ لیکن عمل کے لحاظ سے نیا اسلام پیدا کر دیں۔ ہماری عقابی روح منزل کی بلندیوں تک خود بھی پہنچے۔ اور ہماری جگہ لینے والے بھائیوں کیلئے بھی راستہ صاف ہو جائے ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں ✤ نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں — اقبالؒ

بھائیو اور بہنو! تمھارے سامنے ایک وسیع اور فراخ نصب العین ہے۔ اس کی منزل افق سے ہزاروں میل دور ہے۔ اٹھو! اور خوشی خوشی نیا سامانِ سفر باندھ کر چلو۔ جب تک مسافر میں ذوقِ عمل نہ رہے منزلیں کب طے ہو سکتی ہیں۔ پہاڑ کب پانی کی طرح بہ سکتے ہیں۔ ایمان کا نور دلوں میں جلا اور حوصلوں میں تہور کب پیدا کر سکتا ہے۔

شجاع اور غیور مومن کا شیوۂ عاشقی یہ ہے کہ عشق کی منزل کا سراغ نہ ملے۔ اور وصل کی تڑپ بدستور باقی رہے۔ وہ منزل کی تڑپ میں تڑپ تڑپ کر مرے اور اس کے رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک جہان انگیز اجتماع سامنے ہو۔ عشق کے مجمر کے دہکتے ہوئے انگاروں کی سوز میں پروانوں کے پر جلیں۔ دل اچھل اچھل کر حلق کو آئیں۔ کشتگانِ محبت کی قطاریں بکھری ہوئی ہوں۔ لیکن مومنِ حق کی زبان سے آہ بھی نکلے تو صرف یہ "لا الہ الا اللہ"!

وہ اگر مرے تو ایک پوری قوم کو زندہ کر کے مرے۔ اسکی موت کے اندر حیات کا کھلا راز موجود ہو۔

غربت: میں جانتا ہوں! تم مسلمان طالبعلم غریب ہو۔ ہمارے امرا اور بزرگ اسطرح تمھاری حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ جیسے برادرانِ وطن کرتے ہیں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ تمھاری مشکلات بہت بڑی ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تمھارا عزم کامل ابھی تک کمزور نہیں ہوا۔ تم میں مدنی آقا کی غلامی نے حوصلہ کی شکست پیدا ہونے دی۔

تمھارا جسم کمزور ہے مگر اس جسم کے رگ و ریشہ میں خدا پر یقین کی فولاد موجود ہے۔ اس میں ایمان کی ریت کے سنگریزے ہیں۔ رسولؐ کی محبت کا نیا خون ہے۔ فتح و ظفر کی چلبلاہٹ کی نئی اٹھان ہے۔ آؤ "حرکت" اور "عمل" کا نیا دور شروع کریں۔ ہماری تمام انگڑائیاں اور لمبی جمائیاں ہرن ہو جائیں۔ ہم جھٹ اپنے آپ کو ایک نئے اور حیات انگیز ماحول میں دیکھیں۔ نیا آسمان۔ نئی زمین اور پاکستان کا نیا تخیل ہمارے سامنے موجود ہے۔ بدلا ہوا قائدِ اعظم ایک نئے جنون کے ساتھ اپنی زندگی کا آخری پیغام دے رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ کی روح آج خوش ہے کہ جوانوں کو پیروں کا استاد کر کا سماں پیدا ہو رہا ہے ہمیں اس نئے ماحول میں نیا عزم اور نیا حوصلہ پیدا کرنا ہے۔ نئے ولولے۔ نئی لگن اور اس کی ازلی پیاس پیدا کرنی ہے۔ ہم پھر اٹھینگے اور دنیا کو پھر حیران کر دینگے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ گلستانِ اندلس کی بہار قرطبہ کی سنگین محرابوں پر چلنے والی نہریں، الزہرا کا عظیم الشان محل، مراکش کی وادیاں، قاہرہ کے مینار، دجلہ و فرات کی لہریں، گنگا و جمنا کے کنارے، بحیرہ روم کی موجیں، لال قلعہ کی عظمت، تاج محل کی سطوت، سندھ کے بیابان، مہاراشٹر کے کوہستان اور عرب کے ریگستان زبانِ حال سے ازسرِ نو اسلام کی عظمت کی یاد تازہ کریں۔

ہمارا شاندار مستقبل

:- نوجوان طالب علمو! تم قوم کا سرمایۂ حیات ہو! اٹھو اب صبر و سکون اور اطمینان کے اس غیر آباد ویرانے کو چھوڑ دو۔ دلِ گرم۔ نگاہ پاک جانِ بیتاب کے ساتھ ساتھ مشربِ ناب تمہارا پروگرام حیات بن جائے تمہارے لئے نیا آسمان اور نئی زمین منتظر ہے۔ تم اس زمین میں چاند اور سورج بن کر چمکو گے اور ان دھیمے دھیمے ستاروں اور لیمپ کی روشنیوں کو جن کا تیل ختم ہو رہا ہے مات کر دو گے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ تجھ پر ہنسیں۔ اور تیرے اس خواب کو مجذوب کی بڑ قرار دیں۔ لیکن وہ نکتہ چیں اور فریب عقل کے دامِ افتادہ کس میں ہیں۔ عشق اور جنون کی کتاب میں "ناممکن" کا لفظ نہیں لکھا گیا۔ یہاں کوئی شے مشکل نہیں، کوئی امر محال نہیں، انسان نے اپنے جنون کی رَو میں آسمانوں پر کمند اور ستاروں پر جال ڈالے ہیں۔

مومنِ حق اس کائناتِ جہاں میں صرف خدا سے کمتر مخلوق ہے۔ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اس سے برتر مخلوق اس جہانِ سعی و عمل میں نظر نہیں آتی۔ مومن کے شایانِ شان نہیں کہ اس براعظم میں جسے ہندوستان کہتے ہیں۔ اپنی میراث کو بھول جائے ؎

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث　　٭　　مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

اب صاحبِ لولاک بننے کی تیاریاں ہیں۔ پاکستان ہماری پہلی منزل ہے قدم اٹھ چکا ہے۔ اس راہ میں لَاحُزْن وَلَاخَوف کا مرکب ہمارا خادم ہے۔ اب نہ تو مکر و فریب ڈرا سکتے ہیں۔ نہ دھمکیاں پیچھے ہٹا سکتی ہیں۔ نہ بیوفائیاں، اور نہ کج ادائیاں ارادوں کو متزلزل کر سکتی ہیں۔ نہ موت ہمارے اور اس مقصدِ عظمٰی کے درمیان حائل ہو سکتی ہے۔ ہمارے تمام ذاتی مقاصد اس بلند مقصد کے سامنے ہیچ ہیں۔ اگر ہم میں سے ایک کے بعد دوسرے کو موت شکار کرتی ہے تو ہماری زبان سے جو آخری الفاظ نکلیں گے وہ یہ ہوں گے۔

"اے زندہ رہنے والے دوستو! آگے بڑھو۔ خدائے لایزال تمہاری کوششوں میں برکت دے اور تمہارے ہاتھ پر فتح ہو۔ مجھے یقین ہے کہ صوبہ پنجاب کے طلبہ اور طالبات، اسلام کی اس تقدیر کے زندہ نشان بن کر رہیں گے۔ کہ صاحبِ لولاک بننے کے لئے جب بھی وہ میدانِ عمل میں اتریں گے۔ تو قرآن عزیز کا جہانِ نو بساتے ہوئے جاں بحق ہوں گے۔ صدہا جان دیں گے تو ان کی جگہ ہزارہا کھڑے ہوتے جائیں گے قانونِ حق کے استحکام کے جذبات کبھی نہ مریں گے اور آزادیٔ اسلام کی امنگیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں گی۔

اے پاک روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرے لائے ہوئے اٹل اور غیر فانی قانون کے عشق میں ہم جان دیں گے تو مرتے وقت بھی یہی الفاظ زبان پر جاری رہیں گے:-

لَكَ حُبِّيْ وَفُؤَادِيْ　　لَكَ حَيَاتِيْ وَوُجُوْدِيْ
لَكَ دَمِيْ وَنَفْسِيْ　　لَكَ عَقْلِيْ وَلِسَانِيْ
لَكَ قَلْبِيْ وَجَنَانِيْ　　فَأَنْتَ الْحَيَاةُ وَلَا حَيَاةَ إِلَّا بِكَ

میری محبت اور میرا دل تیرے لئے ہے۔ میری زندگی اور میرا وجود تیرے لئے ہے" میرا خون اور میری جان تیرے لئے ہے۔ بس تو ہی میری زندگی ہے اور اے نشانِ محبوب! تیرے [illegible]

(داعی الی الحق)



رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۵۵

پیامِ اسلام

جالندھر شہر

مُدیرِ اعلیٰ: عبدالحق عباسی + مُدیرِ معاون: محمد احمد خاں ذاکر

جلد ۱۲ | جولائی سنہ ۱۹۴۰ء - جمادی الاول سنہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفسارات

بر حال تعلیم مدرسۃ البنات

ہم اس عنوان کے نیچے فضیلتمآب شیخ عبدالرحیم صاحب پبلک پراسیکیوٹر کا گرامی نامہ جو جناب محترم خان بہادر مولوی فتح الدین صاحب او۔بی۔ای سے دستیاب ہوا ہے بغیر کسی کمی بیشی اور بیسی بیشی کے درج کرتے ہیں تاکہ مفکرین کرام کو اس موضوع پر آزادی کے ساتھ غور کرنے اور اپنی آرا کو بلا شائبہ ظاہر فرمانے کا موقع ملے، بر رسولاں بلاغ باشد و بس +

چرچ روڈ۔ فیروزپور چھاؤنی

۲۹ر اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

مخدوم و محترم بندہ جناب مولوی صاحب دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ ناچیز راقم کو غالباً آپ کی خدمت میں اپنے تعارف کی ضرورت نہیں۔ باوجود گمنام و بےنشان

محمد الیاس بلقی پرنٹر پبلشر ریلوے روڈ جالندھر شہر میں باہتمام محمد احمد خاں ذاکر بعض مطبع نشتر کے چھپوا کر دفتر رسالہ پیام اسلام، ۱۷ ہ، بستی بابا خیل جالندھر شہر سے شائع ہوا۔

ہونے کے' اپنے مخدومِ قدیم نواب ظفرخان صاحب بالقابہ کے ذریعہ آپ سے دو ایک مرتبہ نیاز حاصل کرچکا ہوں اور اسی زمانہ سے غائبانہ نیاز اور عقیدت چلی آتی ہے ۔

۱۵ ماہِ حال کو مدرسۃ البنات جالندھر کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کیلئے جالندھر گیا۔ اور اسی شام کو اس ارادہ سے جناب کی کوٹھی پر حاضر ہوا کہ ایک تو عرصۂ دراز کے بعد تجدیدِ نیاز کا موقعہ مل جائیگا۔ اور دوسرے مدرسۃ البنات کی موجودہ تعلیمی سرگرمیوں اور چند انتظامی امور کے علاوہ اسکی آئندہ ترقی و توسیع کے متعلق آپکی خدمت میں چند ناچیز خیالات پیش کرونگا۔ کیونکہ مجھکو جناب کے اس دیرینہ اور قلبی تعلق کا علم تھا جو آپکو مدرسہ کی ابتدائے قیام سے لیکر ابتک اسکے ساتھ ہے۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ آپ میری حاضری سے چند ہی منٹ پہلے شیخ خورشید محمد صاحب سے ملنے کے لئے انکی کوٹھی پر تشریف لیجاچکے تھے۔ اسلئے محروم نیاز واپس آیا۔ دوسری صبح کو مجھے یہاں واپس آنا تھا۔ اسلئے دوبارہ حاضری کا موقع نہ مل سکا۔

مدرسۃ البنات کے متعلق میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی ماہرِ تعلیم یا مبصر کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ ایک ایسے عامی کی حیثیت سے ہوگا۔ جسکی اپنی بچیاں اسمیں تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ اور جو اسکے بنیادی اصولِ تعلیم و تربیت کو ہندوستان کے اندر مسلمان بچیونکی تعلیمی تاریخ میں ایک عظیم الشان تجربہ سمجھتا ہے اور دیانتداری سے یہ وثوق رکھتا ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ہوکر رہیگا اور اسکو کامیاب کر دکھانا قومِ مسلمہ کے فرقۂ اناث کی بہترین خدمت ہے ۔

مسلمان شریف زادیوں کی آئندہ تعلیم کا کیا معیار اور نوعیت ہونی چاہئے۔ یہ زیادہ تر اُس تصور پر مبنی ہے جو برادران اسلام عورتوں کے فرائض اور وظائف زندگی کے متعلق قائم کئے ہوئے ہیں۔ اسلئے اسمیں اختلافِ فکر و نظر لازمی ہے۔ اس اختلاف کے پیشِ نظر مسلمان حضرات کو فی الجملہ تین جماعتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔

الف: بلند طبقہ کے وہ تعلیمیافتہ حضرات جو نہایت متمول اور مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہیں۔ اور جو علیٰ وجہ البصیرت یا تقلیداً اپنی بچیونکو جدید ترین مغربی تعلیم' بالکل مغربی انداز پر' اور آجکل کی مخلوط تعلیم کی بنیاد پر' اسلامی اخلاق و تہذیب سے کلیتاً قطع نظر کرکے' دلوانا چاہتے ہیں۔ ان میں اِلّا ماشاءاللہ' زیادہ تر امپیریل سروس کے وہ حضرات شامل ہیں جو اپنے مناصبِ جلیلہ کی سوشل ضروریات کیوجہ سے عمداً یا اضطراری طور سے ایسی تعلیم اپنی عورتوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں ۔

ب: ایسے متوسط الحال مسلمان والدین' جو اپنی بچیوں کے لئے خالص دینی اور اخلاقی تعلیم کی نہایت معقول اور ٹھوس بنیاد کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکی بچیاں مسلمان رہ کر اس قدر جدید مغربی تعلیم بھی ضرور حاصل کریں کہ آجکل کے تعلیمیافتہ لڑکوں کے لئے کارآمد اور ہم مذاق شریکِ زندگی ہونے کے علاوہ اس قابل بھی ہوں کہ اگر خدانخواستہ ان پر کوئی وقت ایسا آجائے کہ والدین کا سایہ ان کے سر سے اٹھ جائے۔ یا ان کے شریکِ زندگی ان کی شادی کے بعد ان کی کفالت سے انکار کردیں' پہلوتہی کریں' یا معذور ہوجائیں تو وہ ایک شریفانہ' آزادانہ اور معقول ذریعۂ معاش رکھتی ہوں۔ تاکہ وہ اپنے اور اپنے

بال بچوں کے لئے قوت لایموت پیدا کر سکیں۔

اسی جماعت میں، دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی سے، ایک روز افزوں جماعت ایسے لوگوں کی بھی پیدا ہو رہی ہے۔ جن کا خیال ہے کہ مسلمان عورت کو، ورثہ شرعی سے محروم ہونے کی وجہ سے، اپنے خاوند کی اقتصادی غلامی میں اس درجہ عاجز اور محتاج ہو کر رہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی آزاد شخصیت کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ جسکی وہ شرعاً مجاز ہے۔ اور قانوناً حقدار ہونی چاہیئے۔ لہٰذا خواہ اسکو اسکی ضرورت بھی نہ پڑے۔ وہ جدید تعلیم کے ان تمام ہتھیاروں سے مسلح ہونی چاہیئے۔ جو اسکے لئے بالفعل آئندہ دس بیس سال میں معقول ذرائع آمدنی پیدا کر سکتے ہیں تاکہ انکے خاوند انکی موجودہ بیکسی کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں۔ اور انکی تعداد بھی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ جو اپنی موجودہ قومی اور مجلسی ضروریات کے لحاظ سے یہ ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمان شریف زادیوں کی ایک معقول تعداد کو، بطور فرض کفایہ کے ہی سہی، ڈاکٹری۔ دایہ گری حفظانِ صحت اور تعلیمی مدارس و ادارات میں داخل ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی قوم کی مستورات کی ذہنی اور جسمانی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اور پردہ دار خواتین کی طبی امداد خود عورتوں کے ذریعہ سے ہو سکے۔

ج : تیسری جماعت ایسے مسلمان حضرات پر مشتمل ہے جن کا نکتہ نظر مندرجہ بالا ہر دو جماعتوں سے مختلف ہے۔ وہ بھی اپنی لڑکیوں کو جدید علوم و فنون اور خصوصاً زبان انگریزی کی تحصیل سے سراسر محروم رکھنا نہیں چاہتے۔ مگر اسکے ساتھ ہی، اور اس سے بدرجہا زیادہ، اپنی لڑکیوں کے لئے ایسی معقول دینی تعلیم اور خالص اسلامی تربیت چاہتے ہیں۔ جو موجودہ حالات میں صرف مدرسۃ البنات جالندھر کے ذریعہ سے میسر آسکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ حضرات اس قسم کی تعلیم کا خیر مقدم اس خیال سے نہیں کر رہے ہیں کہ یہ بذاتِ خود کسی آزاد پیشہ اور ذریعۂ معاش کا مؤثر وسیلہ ہو سکتی ہے بلکہ وہ اسکو خالص اسلامی معاشرت کی بنیاد اور لڑکیوں میں اسلامی سیرت کی تشکیل کیلئے ضروری سمجھتے ہیں۔ جس پر آئندہ اسلامی نسلوں کی سیرت منحصر ہوگی۔ مگر موجودہ دنیوی ضروریات کے لحاظ سے اگر اس نصاب تعلیم کی افادیت میں بھی اسکے بنیادی اصولوں کو ضرب لگائے بغیر کچھ اضافہ ہو سکے تو وہ اسکو بہرحال ترجیح دینگے۔

سطور بالا میں جس جماعت کا ذکر میں نے (الف) میں کیا ہے۔ وہ اسوقت میری گفتگو سے خارج ہے۔ وہ اپنی زنانہ تعلیم کے متعلق ایک مستقل نظریہ اور طرزِ عمل رکھتے ہیں اور اسکے حصول کیلئے ہمارے کسی مشورہ اور امداد کے محتاج نہیں۔ انکا خیال صحیح اور عمل درست ہے یا غلط اور اسکا اثر ہماری ہیئتِ اجتماعیہ پر خوشگوار ہوگا یا مہلک۔ اس نازک بحث میں بھی الجھنے کی سردست ضرورت نہیں۔ لہٰذا عملی حیثیت سے ہمکو انھیں ان کے حال پر چھوڑنا پڑیگا۔

میرے پیش نظر اسوقت ان دو جماعتوں کی زنانہ تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہے جن کا مختصر ذکر (ب) اور (ج) میں آیا ہے۔ ان حضرات کے زنانہ تعلیم کے متعلق جو نظریات اور تصورات ہیں۔ وہ اگرچہ باہمی کامل مطابقت نہیں رکھتے مگر ان میں بہت کچھ جزو مشترک کا

حکم رکھتا ہے۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ آیا مسلمان لڑکیوں کی آیندہ تعلیم و تربیت کے متعلق جو لائحہ عمل مدرستہ البنات کے بانیوں نے تجویز کیا ہے اور جس پر وہ توکل بخدا عمل پیرا بھی ہو چکے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی ان دونوں جماعتوں کی تعلیمی ضروریات زنانہ کیلئے مکتفی ہو سکتا ہے یا آیندہ ایسے وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں کہ وہ ہر دو جماعتوں کی زنانہ تعلیمی ضروریات پر حاوی ہو سکے۔ یا اسکو صرف اسی جماعت کی ضروریات کے پورا کرنے تک محدود رکھا جائے جس کا ذکر (ج) میں آیا ہے۔ اور اگر اول الذکر صورت اختیار کی جائے تو اسکی عملی صورت کیا ہوگی اور آخر الذکر صورت میں مزید ترقی اور توسیع کیلئے کیا عملی وسائل اختیار کرنے مناسب ہونگے۔

جالندھر بطور مرکز تعلیم نسواں: میرا اپنا ناچیز خیال یہ ہے کہ مدرستہ البنات جالندھر اگرچہ بذاتِ خود ایک مستقل اور عظیم الشان ایجابی تصور کو عمل میں لانے کی کوشش کا نام ہے۔ مگر ایک لحاظ سے یہ صدائے احتجاج ہے۔ زنانہ تعلیم کے اس اصول اور انداز کے خلاف جس پر مسلمان قوم حسبِ معمول بغیر سوچے سمجھے اور دوسری قوموں کی اندھا دھند تقلید میں عمل کر رہی ہے اور جسکے عملی نتائج گذشتہ بیس پچیس سال کے عرصہ میں ان کے سامنے آچکے ہیں۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسلمان بچیوں کے جدید نصاب تعلیم اور اسلوب تربیت کا یہ پودا اگر پورے طور سے نشو و نما پا سکتا ہے اور پروان چڑھ سکتا ہے تو ایک ایسی زمین میں جسکی آب و ہوا آجکل کی جدید تعلیم کے خطرناک جراثیم سے محفوظ ہو۔ لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ کم از کم مسلمان بچیوں کا تعلیمی مرکز لاہور نہ ہو بلکہ جالندھر ہو۔ جو صوبہ پنجاب کے لئے لاہور کے بعد ایک مرکزی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے لاہور سے یقیناً بہتر ہے۔ تمام مردانہ تعلیمی اداروں سے مناسب فاصلے پر ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گذشتہ پندرہ سال کے اندر زنانہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب عباس اور انکے "اہلبیت" کی عظیم الشان محنت۔ ایثار اور جدت کی وجہ سے ایسی روایات پاکیزہ کا حامل ہے جو کسی دوسرے مقام میں اب پیدا نہیں کی جا سکتیں۔ اس صورت میں جالندھر کے مدرستہ البنات کی آیندہ ترقی اور توسیع پر ہم کو اس لحاظ سے نظر رکھنی پڑیگی کہ اسکی حیثیت کم از کم صوبہ پنجاب کیلئے ایک زنانہ مسلم یونیورسٹی کی ہو یا ایک زنانہ جامعہ ملیہ کی جو سرکاری محکمہ تعلیم کی قیود و شرائط سے بھی آزاد ہو اور اسکے ساتھ زنانہ تعلیم کا ایک ایسا کامل اور جامع نصاب تعلیم اور نظام تربیت رکھتی ہو کہ پنجاب کے مسلمانوں کے سواد اعظم کی ہر قسم کی زنانہ تعلیمی ضروریات پر حاوی ہو۔ اسکے لئے نصاب تعلیم ایسا مرتب کرنا پڑیگا جو کم از کم مسلمانوں کی ان دو جماعتوں کی زنانہ تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے۔ جنکا ذکر میں نے اوپر (ب) اور (ج) میں کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مدرستہ البنات کا موجودہ نصاب تعلیم دونو جماعتوں کی ایسی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف اس محدود جماعت کے لئے ہے جسکا ذکر مد ج میں آیا ہے۔ ایسے حالات میں اگر مدرستہ البنات کو مسلمانان پنجاب کی زنانہ تعلیم کیلئے ایک جامعہ ملیہ کے درجہ تک پہنچانا مقصود ہے۔ تو ضرورت ہے کہ اسکی ترقی اور توسیع کیلئے ابھی سے ایک مکمل پروگرام اور سکیم مرتب کر لیجاوے اور پھر توکل بخدا اس پر درست

ایک پنجسالہ پروگرام بنا کر سرگرمی سے تکمیل مقصد کی عملی کوشش شروع کر دی جائے۔ ایسے کام صرف اسی صورت میں سرانجام ہوتے ہیں کہ منزل مقصود متعین کر کے منازل سفر طے کرنے کا ایک قابل عمل پروگرام سامنے رکھ لیا جاوے۔

تعلیمی لائحہ عمل

ضروریات مندرجہ بالا کے پیش نظر میں عرض کرونگا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی مدظلہ کی وساطت سے سمجھدار اور زمانہ شناس علمائے کرام کی ایک مختصر کمیٹی اس غرض سے مقرر کرائی جائے جو مدرسۃ البنات کے موجودہ نصاب پر غور و نظر ثانی کر کے نصاب تعلیم کی ایک ایسی مکمل سکیم مرتب کرے جسپر مدرسہ کی آیندہ ترقی کی عمارت کھڑی کی جاسکے۔ اسکے لئے اگر ممکن ہو تو خود نواب صاحب ممدوح کی صدارت میں حسب ذیل حضرات کو اراکین کمیٹی نصاب تعلیم کی حیثیت سے جمع کیا جاوے۔ اور ترتیب نصاب کیلئے ایک خاص میعاد مقرر کر دی جائے: (۱) مولنا سید سلیمان ندوی۔ (۲) مولنا عبدالماجد دریا آبادی۔ (۳) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ترجمان القرآن۔ (۴) ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ ملیہ دہلی (۵) مولنا عبدالحق عباس۔ داعی (convene) ڈاکٹر عبدالحق سیکرٹری انجمن ترقی اردو۔ دہلی + اگر ہوسکے تو مس خدیجہ بیگم انسپکٹرس زنانہ مدارس پنجاب کو بھی شریک مشورہ کر لیا جائے۔

اگر ممکن ہو تو نصاب تعلیم کی جدید ترتیب کے وقت حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے:۔

(الف): موجودہ نصاب تعلیم جو زیر عمل ہے حتی الامکان قائم رکھا جائے مگر اسمیں ایسے طریقہ سے ترمیم کی جاے کہ عربی ادب قرآن شریف انتخاب احادیث اور دینیات کی تعلیم کو بجائے موجودہ میعاد چھ سال میں ختم کرانے کے آٹھ سال تک پھیلا دیا جائے۔ اس سے جو زائد وقت نکلے اسکو جدید علوم اور زبانِ انگریزی۔ فارسی و اردو کی نسبتاً بلند تر معیار کی تعلیم پر صرف کیا جائے۔ یہ شکایت عام ہے کہ مدرسۃ البنات جالندھر کا موجودہ ششش سالہ نصاب تعلیم بچیوں کی ذہنی و دماغی قوتوں پر بہت بھاری اور ناگوار بوجھ ڈالتا ہے اور انکی جسمانی تفریح اور آرام کیلئے بہت کم وقت بچتا ہے۔

اس عرصہ میں بچیوں کو علم قرآن و حدیث اور ادب عربی اور فارسی اردو میں اسقدر دستگاہ پیدا کر دیجائے کہ کچھ طالبات آٹھ سال کے بعد ایک دو سال زائد خرچ کر کے خصوصی عربی۔ فارسی اور اردو ادب میں مولوی۔ منشی اور ادیب کے امتحانات علی الترتیب پاس کر سکیں۔ اول الذکر طالبات جو مشترک آٹھ سال کی تعلیم میں تاریخ۔ جغرافیہ۔ حساب وغیرہ میں بقدر ضرورت اور گذارہ کے قابل کافی بنیادی علم رکھتی ہونگی۔ بعد میں مولوی عالم۔ مولوی فاضل۔ منشی عالم۔ منشی فاضل اور ادیب عالم۔ ادیب فاضل وغیرہ کے امتحانات میں مناسب تیاری کر کے شامل ہوسکتی ہیں، اور آخرالذکر طالبات میٹرک کا امتحان پاس کر کے آئندہ کالج کی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔

ب: مولوی۔ منشی اور ادیب کی کتابوں کو جنمیں غالباً زیادہ تر محض لغت و ادب بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اگر مفید اور کارآمد نہ سمجھا جائے تو مدرسہ کے آٹھویں درجہ کے بعد ایک جداگانہ مستقل کورس ایسا تجویز کر دیا جائے۔ جو زبانِ اردو میں ان خاص علوم و فنون پر مشتمل ہو۔ جو دوسری ولایات اسلامیہ میں عورتوں کی بلند تر تعلیم کیلئے تجویز کئے گئے ہوں یا مروج ہوں۔ اسکو منتہی کا درجہ قرار دیا جائے۔ اس صورت میں کل دس سال کے عرصہ میں ایک کامل نصاب تعلیم پڑھایا جاسکتا ہے۔ اور جو بچی چھ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوگی۔ وہ معمولی حالات میں سولہ سال کی عمر تک جبکہ عام طور سے مسلم شرفا کے طبقہ میں لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے۔ تمام

کورس ختم کرکے مدرسہ سے منتہی ہوکر نکلیگی۔
(ج) اگر ممکن ہو تو اسی نصاب کے بالمقابل ایک متوازی اور متبادل نصاب آٹھ ہی سال کا دوسرا تجویز کیا جائے۔ یہ ان لوگوں کی بچیوں کے لئے ہوگا جس کا ذکر میری اس تحریر کی مد ب میں آیا ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہوگی کہ جو اہتمام اور زور موجودہ نصاب کی رو سے علوم دینی اور ادب عربی۔ فارسی و اردو پر دیا گیا ہے وہ مروجہ علوم دنیوی پر دیا جائے۔ اور شق الف میں جو حیثیت تاریخ۔ جغرافیہ حساب۔ زبان انگریزی وغیرہ کو دی گئی ہے وہ علوم دینی کو دی جائے۔ البتہ اس میں یہ اہتمام بدستور قائم رکھنا پڑیگا کہ ہر طالبہ قرآن شریف کو بخوبی ناظرہ پڑھ سکے۔ اسکے منتخب حصص کا ترجمہ بھی جانتی ہو۔ مگر بجائے اسکے کہ اسکو ادب عربی اور فارسی پر عبور حاصل کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسکو معقول دینیات کی تعلیم بتدریج زبان اردو میں دیجائے۔ ایسی طالبات بھی آٹھ سال کی تعلیم کے بعد میرے خیال میں ان لڑکیوں سے بحیثیت مسلمان کے بہتر ثابت ہونگی جو انگریزی مدارس میں میٹرک پاس کرنے کیلئے دس سال صرف کرتی ہیں۔ یہ بچیاں یا ان کے والدین اگر چاہیں تو بعد میں ایک دو سال کے خاص مطالعہ اور اہتمام سے میٹرک کا امتحان پاس کرسکتی ہے۔ اس کے بعد وہ کالج میں عام تعلیم کے لئے یا کسی خاص فن اور پیشہ کی مخصوص درسگاہ میں بھی داخل ہوسکتی ہیں۔ اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ ابتدائی آٹھ سال کے اندر انکو علوم دینی میں اپنی مادری زبان کے ذریعہ نسبتاً آسانی سے ایسی بنیادی تعلیم میسر آجائیگی جو بعد میں انکی اسلامی سیرت کو ایک حد تک مسخ ہونے سے بچالیگی۔

(د) مگر سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ مدرسۃ البنات کی ان طالبات میں سے جو شعبۂ الف کے نصاب تعلیم کی منتہی ہوں ایک معتدبہ تعداد کیلئے ایک ایسا ٹریننگ سکول ہونا چاہیئے جسکا نصاب مستقل بالذات ہو اور کم از کم ایک سال کا ہو جسمیں نظریہ تعلیم سائنٹفک طریق سے جدید نفسیاتی اصول کے مطابق سکھایا جاسکے

مدرسۃ البنات کے نصاب تعلیم اور انتظام تربیت کو خواہ کتنا ہی بلند معیار پر پہنچا لیا جائے۔ یہ امید ہرگز نہیں کرنی چاہیئے کہ اس اسلوب اور انداز کی تعلیم پسند کرنیوالے پنجاب کے کل والدین اپنی لڑکیاں مدرسۃ البنات ہی میں ہمیشہ بھیجتے رہیں گے۔ لڑکیوں کا مرکز تعلیمی متعدد وجوہات سے جنکی تفصیل میں جانیکا یہ موقعہ نہیں اتنا عالمگیر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس مدرسہ کی کامیابی کو دیکھکر مسلمان حضرات لامرکزیت کا ظاہری اور مالی فائدہ اور کفایت دیکھکر اپنے اپنے مقامات پر مدرسۃ البنات کے نمونے پر مقامی درسگاہیں قائم کرینگے جیسا کہ اسوقت بھی گورداسپور۔ جھنگ اور جنیوٹ میں قائم ہوچکی ہیں۔ مدرسۃ البنات کی تقلید میں جابجا ایسے مدارس کا قائم ہونا، بذات خود اس مدرسہ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور اسکے نصاب تعلیم کے تجویز کرنیوالے کی خدمات حسنہ کا ایک حسین اعتراف ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے مقامی مدارس کو کامیاب کرنے کیلئے ایسی معلمات کی ایک معقول تعداد پیدا کی جاوے جو مدرسۃ البنات جالندھر کی فضا کے اندر رہکر اسی کی روایات کی پروردہ اور حامل ہوں اور مدرسۃ البنات جالندھر کی نرسری NURSERY کے پودے جابجا میں نصب کردینے کا سب سے بڑا ذریعہ بن سکیں۔ میرے خیال میں یہ سب سے مقدم کام ہے جسکو ابھی سے ہاتھوں میں لے لینا چاہیئے۔ البتہ جو لوگ یہ توفیق رکھتے ہیں کہ وہ اپنی بچیوں کی سالم تعلیم ابتدا سے لیکر انتہا تک مدرسۃ البنات جالندھر کے اندر بھیجکر مکمل کرائیں۔ ان کیلئے

یہ مرکزی سرچشمۂ فیض انشاء اللہ موجود رہیگا۔

فراہمی سرمایہ اور مالی استحکام: سطور بالا میں جو کچھ عرض ہوا۔ وہ مدرسہ کے آئندہ تعلیمی پروگرام کی ترتیب اور اسکی معنوی افادیت کی توسیع کے متعلق تھا۔ مگر وہ بھی بذاتِ خود کوئی مکمل پروگرام یا ایسا لائحۂ عمل نہیں ہے جس پر فوراً عمل کرنے کی دعوت دیجا سکے۔ وہ صرف چند اشارے تھے جن پر وہ حضرات جو ماہرین فن ہیں اور مسلمانوں کی زنانہ تعلیم و تربیت کی ضروریات پر صحیح نظر رکھتے ہیں۔ اگر چاہیں تو غور فرما سکتے ہیں۔

مگر زنانہ تعلیم کی ایک ایسی سکیم کیلئے جسپر آزاد زنانہ تعلیم کی بنیاد رکھنی مقصود ہو۔ نہایت معقول مستقل سرمایہ کی ضرورت ہے اور اسوقت حالت یہ ہے کہ موجودہ ابتدائی مدرسہ اور اسکے دارالاقامہ کیلئے اپنا کوئی مکان نہیں۔ ذرائع آمدنی نہایت محدود ہیں۔ اخراجات روز افزوں اور مستقل اور اسپر کارکنان مدرسہ اور خصوصاً اسکے محترم بانی کی بلند ظرفی اور مروت کی یہ کیفیت کہ مدرسہ کی تمام طالبات کو تعلیم مفت دی جارہی ہے میری ناچیز رائے میں یہ فیاضی غیر ضروری اور مروتِ ناروا ہے۔ یا ایسی ادارۂ تعلیمی ہیں ممکن ہے جسکو اپنی قوم کے رؤسا کی طرف سے اور خصوصاً والیان ریاست کیطرف سے نہایت معقول مستقل سالانہ جاگیریں یا عطیات ملتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ مدرسۃ البنات اپنے بانی کی غیرتِ نفس اور درویشانہ استغنا کیوجہ سے ایسی مستقل امداد سے بہرہ ور نہیں ہے اور نہ بحالات موجودہ اسکا کوئی امکان ہی نظر آتا ہے۔

ایسے حالات میں پوچھنا پڑتا ہے کہ ع

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

مدرسہ کی ترقی اور استقلال اگر اربابِ قوم کے نزدیک واقعی قابلِ اعتنا ہے تو اسکے مالی استحکام کیلئے منجملہ دیگر ذرائع کے حسب ذیل طریق فوراً اختیار کئے جائیں:۔

۱۔ مدرسہ کی طالبات میں سے جنکی موجودہ تعداد چار سو سے متجاوز بیان ہوتی ہے ایسی طالبات سے مناسب شرح فیس وصول کیجائے جنکے اولیاء یا والدین کی مستقل ماہوار آمدنی پچاس روپیہ سے کم نہ ہو۔ اگر موجودہ معلمات مدرسہ میں سے نیک نفس اور ایثار پیشہ بیبیاں بدستور بلا معاوضہ بھی کام کرتی رہیں تو فیس تعلیم سے یہ جدید آمدنی مدرسہ کی تعلیم کو بیش از پیش بہتر اور زیادہ مفید بنانے میں خرچ ہو سکتی ہے۔ طالبات مدرسہ جو دارالاقامہ کی تربیت سے فائدہ نہیں اٹھاتیں، زیادہ تر مقامی مسلمان شرفا کی بچیاں ہیں۔ اور اگرچہ مدرسہ کی امداد اور سرپرستی میں مقامی حضرات ہی کا زیادہ حصہ ہے مگر خود انکی غیرت یہ گوارا نہ کریگی کہ انکی بچیاں باوجود استطاعت کے مدرسہ میں تعلیم مفت حاصل کریں۔ یہ زائد ذریعہ آمدنی علاوہ نئی معلمات کے غریب اور نادار مسلمان بچیوں کی امداد میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مقامی مسلمان حضرات خود اسکی تحریک کرنے پر آمادہ ہونگے۔

۲۔ مدرسہ کے مستقل سرمایہ تعمیر فنڈ کیلئے ایک ایک روپیہ کی جو رسید بکیں چھپوا کر چند مقامات پر سفیروں کی معرفت اس خیال سے تقسیم کی گئی تھیں کہ مختلف مقامات کے با اثر ارباب خیر اپنے دوستوں اور عزیزوں سے کم از کم پچیس روپیہ وصول کرکے مدرسہ کے سرمایہ میں داخل کرینگے۔ وہ خیال بذاتِ خود نہایت اچھا ہے۔ مگر اسکے لئے ایک آدھ سفیر سے کام نہیں چل سکتا۔ پنجاب کے جتنے اضلاع ہیں۔

اتنے ہی مستقل سفیر چاہئیں۔ اور یہ اتنا طول عمل اور درد سری ہے کہ کارکنان مدرسہ شاید اسکا اہتمام ہمیشہ کیلئے نہ کر سکیں۔

میری ناچیز رائے میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر عمارت مدرسہ کیلئے مسلمان والیان ریاست سے بطریق تناسب یکمشت امداد حاصل کیجائے۔ مملکت آصفیہ۔ دربار بھوپال اور ریاست بہاولپور کے وابستگان دامن میں سے متعدد فرزندان جالندھر حسن اتفاق سے موجود ہیں۔ انکی کوشش اور اعانت کیلئے دست سوال پھیلایا جائے۔ فرزندان جالندھر کا ذکر میں اسلئے نہیں کرتا کہ یہ کوئی ان ہی کا مخصوص مقامی ادارہ ہے۔ بلکہ اتفاق حسنہ سے پنجاب بھر میں اگر کوئی ایسا مردم خیز خطہ ہے جسکے فرزندان رشید نے اپنے دل و دماغ کے بہترین عطیات ان اسلامی ریاستوں کی خدمت کیلئے وقف کئے ہیں۔ تو وہ صرف جالندھر ہے۔ بظاہر کوئی وجہ نہیں کہ ایسے وفادار خدمتگذاران حکومت ایک نہایت مفید تعلیمی ادارہ کیلئے دست سوال اپنے آقایان نعمت کے سامنے دراز کریں اور پھر بے نیل مرام واپس آئیں۔

۳۔ ایسا ہی اتفاق حسنہ ہے کہ سال گذشتہ کے اندر تین چار ایسے مسلمان ڈپٹی کمشنر صاحبان ملازمت سے ریٹائر ہوتے ہیں جنمیں سے ماشاء اللہ دو تین حضرات تو جالندھر ہی کے فخر و امتیاز ہیں۔ یا زیادہ صحیح لفظوں میں خورشید و سراج۔ اور ایک صاحب بھیرہ کے رہنے والے اور ماشاء اللہ سب مدرسۃ البنات کے دلی ہی خواہ اور محسن و سرپرست۔ اگر شیخ خورشید محمد صاحب شیخ سراج دین صاحب احمد حسین خانصاحب اور خواجہ عبدالمجید صاحب اپنی خدا داد فراغت سے صرف ایک ایک مہینہ کا مختصر عرصہ صرف کر کے پنجاب کے ان اضلاع کا دورہ مستقل سرمایہ کی فراہمی کیلئے کریں۔ جہاں انمیں سے ہر ایک بزرگوار نے میرے ذاتی علم میں مسلمان باشندوں کی بالکل جائز طور سے نہایت قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں تو میرے خیال میں ان تین چار برگزیدہ ہستیوں کی ذاتی توجہ اور مسلمہ اثر و رسوخ سے تیس چالیس ہزار روپیہ کی رقم جمع ہو جانا کوئی مشکل بات نہیں۔ ضرورت ہے کہ ان حضرات کو اس خدمت ملت کیلئے آمادہ عمل کیا جائے۔ نتیجہ انشاء اللہ نہایت خوشگوار ہوگا۔

۴۔ اس طرح آیندہ سال کے آغاز تک اگر معقول سرمایہ جمع ہو جائے تو عمارت مدرسہ کی تکمیل کے علاوہ ایک ایسا مستقل فنڈ بھی جمع ہو سکیگا جسکو سرمایہ محفوظ کے طور پر کسی پر منفعت جائداد کے خریدنے پر صرف کیا جا سکتا ہے اور اسکی آمدنی سے مدرسہ بتدریج ترقی اور توسیع کے وہ تمام مدارج طے کر سکتا ہے جنکا بالفعل پنجسالہ پروگرام ترتیب دینے کیلئے میں یہ ناچیز تحریک پیش کر رہا ہوں۔

معاف فرمائیگا۔ ایک مختصر پرائیوٹ خط پھیلتے پھیلتے اچھی خاصی داستان امیر حمزہ کی صورت اختیار کر گیا ہے مگر خوشتر بود حکایتے و دراز گفتیم۔

میرے موجودہ مکروہات پیشہ ایسے ہیں کہ سال بھر کی مسلسل محنت شاقہ کے بعد لے دیکے صرف بیس دن کی رخصت ملتی ہے۔ ورنہ فراہمی چندہ کے ان وفدوں کے ساتھ گشت کرنے کیلئے میں اپنی ناچیز خدمات بھی پیش کرتا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ۔

آخیر میں مجھے اتنا اور عرض کر دینا چاہئے کہ جو گذارشات میں نے اس طویل خط میں مدرسہ کے متعلق پیش کی ہیں اگر انمیں سے کوئی درخور اعتنا سمجھی جاوے تو آپ مقامی احباب اور کارکنان مدرسہ کو بھی میرے ناچیز خیالات سے آگاہ فرما سکتے ہیں۔ اس طویل نویسی کے لئے خواستگار معافی ہوں۔ امید ہے کہ آپ کے جملہ متعلقین ہر طرح سے بخیریت ہونگے۔ زیادہ نیاز۔ والسلام

نیازمند عبدالرحیم پبلک پراسیکیوٹر۔ فیروزپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۵۵۵

پیامِ اسلام

جالندھر شہر

مدیرِ اعلیٰ: عبدالحق عباس مدیرِ معاون: محمد احمد خاں ذاکر

جلد ۱۲ | اگست و ستمبر ۱۹۴۰ء - رجب و شعبان ۱۳۵۹ھ | نمبر ۲-۳

ایک عیسائی کا خط اپنے مسلم دوست کے نام

کیا حضرت مسیح علیہ السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں؟

"مولوی صاحبان توجہ فرمائیں!"

میرے پیارے دوست سلامت رہو!

"کئی دنوں سے میرا ارادہ ہو رہا تھا کہ آپکو دینِ مسیحی کی بشارت دوں۔ آخر آج آپکو یہ مقدس خط لکھنے کا موقعہ ملا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر آپنے سب سے الگ ہوکر دل کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرکے اس خط کے مضمون پر غور کیا اور ایک ایک بات پر گہری نظر ڈالی تو آپ محسوس کرینگے کہ دینِ مسیحی برحق ہے اور نجات خداوند مسیح کے دامن سے وابستہ ہے۔"

"پیارے دوست! قرآن کا بغور مطالعہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ دراصل یہ صحیفہ خداوند مسیح کی طرف رہنمائی کیلئے اتارا گیا ہے جسکی تائید احادیث بھی کر رہی ہیں۔ صرف چند امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ اپنے مولویوں سے انکا تسلی بخش جواب لیں۔ اگر وہ میرے دلائل کا جواب نہ دے سکیں اور یقیناً نہیں دے سکینگے تو دیانتداری کے تقاضے کے ماتحت دینِ مسیحی قبول کریں اور خداوند یسوع مسیح کی آغوش میں آجائیں"۔

سنئے! قرآن میں آتا ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ۔ مسیح فرماتے ہیں: "میں ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئیگا اور اس کا نام احمد ہوگا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر آخری رسول نے آکر دینِ مسیحی کو

جھٹلاتا تھا اور مسیح کے خلاف چلتا تھا۔ تو مسیح ایسے رسولؐ کی آمد کو بشارت کیونکر کہہ سکتے تھے اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ احمدؐ رسول تھا اگر مسیح کے لئے راستہ صاف کرتا تھا۔ اور لوگوں کو بتلاتا تھا کہ نجات مسیح کے ساتھ ہے۔ چنانچہ رسول عربی (صلعم) نے تشریف لا کر یہی کام کیا۔ دنیا کی توجہ کو مسیح کی طرف پھیرا۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں: كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا (ابن ماجہ) کہ "جس امت کے شروع میں میں ہوں۔ اور آخر میں مسیح بن مریم ہیں۔ وہ تباہ نہیں ہو سکتی"!

دیکھئے! کس صفائی سے فرما دیا کہ اگرچہ امت کی نجات شروع میں مجھ سے وابستہ ہے۔ مگر آخری زمانہ میں مسیح بن مریم ہی نجات کا ذریعہ ہونگے اور امت تباہی سے تبھی بچے گی جبکہ وہ مسیح بن مریم کو قبول کریگی۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان گوناگوں مصائب میں گرفتار ہو رہے ہیں اور دنیا میں ہر لحاظ سے گر رہے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ جناب مسیح کو قبول کر کے دین مسیحی میں داخل نہیں ہوتے اور جب تک وہ ایسا نہیں کرینگے بدبختی انکا پیچھا نہیں چھوڑیگی۔

مائی ڈیر! قرآن شریف جس وضاحت سے مسیح کی امتیازی شخصیت کو پیش کرتا ہے۔ ایک دیندار کے لئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ وہ اعجاز اور اقتدار جو مسیح دکھاتا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا نبی بھی نہیں دکھاتا۔ حیرت ہے کہ مسلمان اسکی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔ ذرا غور سے پڑھئے اور مولوی صاحبان سے جواب لیجئے۔

اوّل: سب مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جناب مسیح زندہ آسمان پر چڑھ گئے اور ابتک آسمان پر موجود ہیں اور دوبارہ تشریف لا کر امتِ محمدیہ کی اصلاح کرینگے جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ یعنی اسکو کسی نے نہیں مارا بلکہ اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا۔ سب مسلمان اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مسیح فوت نہیں ہوا۔ خدا کیلئے سوچو کہ جب کوئی نبی اس طرح زندہ آسمان پر نہ گیا اور خدا نے اس قابل نہ سمجھا کہ دوبارہ آکر امتِ محمدیہ کی اصلاح کرے اور اس عظیم الشان کام کرنے کیلئے خدا نے صرف اور صرف مسیح کو ہی منتخب کیا تو مسیح کی فضیلت میں کیا کسر باقی رہ گئی۔ آپ لوگ اپنے نبی کو نبیوں کا سردار کہتے ہیں۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ خدا نے نبیوں کے سردار کو بھی دوبارہ بھیجنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ آپ ہی بتائیں ہم مسیح کو خدا کا بیٹا کیوں نہ کہیں جبکہ قرآن کہتا ہے خدا ہی حیّ و قیّوم ہے یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے مگر مسیح دو ہزار سال سے زندہ غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے۔

دیکھو! رسولِ عربی کس تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ یعنی اے مسلمانو تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا۔"

کیا مسلمانوں کا فرض نہیں کہ وہ اللہ اور رسولؐ پر کلی اعتبار کر کے مسیح کے آنے سے پہلے ہی مسیح کو قبول کریں اور دین مسیح میں داخل ہوں۔ جبکہ تمام رسول حتیٰ کہ آپ کے پیارے نبی بھی وفات پا چکے۔ پس میرے دوست اسے قبول کرو جو زندہ ہے اور آنے والا ہے۔

دوم: قرآن کہتا ہے: مُردوں کو خدا اور صرف خدا ہی زندہ کر سکتا ہے جیسا کہ لکھا ہے: وَإِنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ

وَ اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ (رج رکوع ۱) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خدا کے سوا کسی انسان کی کیا مجال ہے مردے زندہ کرے۔ نہ کسی نبی نے کئے نہ کسی ولی نے۔ آدم سے لیکر ابتک کسی نے ایسا نہ کیا۔ لیکن ایک ہستی ایسی پائی جاتی ہے جس نے مُردے زندہ کئے اور ہمارے منجی خداوند مسیح ہیں۔ قرآن میں ان کا اپنا قول یوں درج ہے: وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۔ (اور میں زندہ کرتا ہوں مُردے)۔ اب آپ کیلئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کریں کہ قرآن کی یہ آیت درست نہیں کہ صرف خدا ہی مردے زندہ کرسکتا ہے۔ یا یہ مانیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے جدا نہیں ہوتا۔

سوم: اور بھی حیرت انگیز بات سنو کہ قرآن خود کہتا ہے کہ خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ فرماتا ہے: خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۔ اور سچ مچ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسی لئے آدم سے رسول عربی تک کسی نبی نے کچھ پیدا نہیں کیا لیکن یہاں بھی مسیح کی امتیازی شان موجود ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں لکھا ہے کہ اِنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطِّیۡنِ کَهَیۡـَٔةِ الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ فِیۡهِ فَیَکُوۡنُ طَیۡرًا ۔ یعنی میں پیدا کرتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ ہو جاتا ہے اڑتا جانور۔ اب یا تو یہ کہو کہ قرآن کی آیت صحیح نہیں کہ صرف خدا ہی خالق ہے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے اور باقی نبیوں سے بہت بہت افضل۔

چہارم: اور بھی زیادہ وضاحت سے سنو۔ قرآن مسیح کو رُوۡحُ اللہِ اور کَلِمَةُ اللہِ کہتا ہے مگر یہ مقدس الفاظ کسی اور نبی کے ساتھ استعمال نہیں ہوتے۔ ذرا غور کرو۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ باقی نبی انسانی روح لیکر آئے تھے اور مسیح اللہ کی روح۔ زمین پر آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔ نہ آپ انسانی نطفے سے پیدا ہوئے بلکہ فرشتے نے اللہ کی روح مقدس مریم میں پھونکی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر موت قبضہ نہ کرسکی کیونکہ آپ روح اللہ تھے۔ آپ کا اب تک زندہ رہنا اس بات کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ اور آپ کے اقتداری معجزات بھی اسکی تائید کرتے ہیں۔ اندھوں کو آنکھیں دیں۔ کوڑھیوں کو چنگا کیا۔ بہروں کو کان دئے۔ خطرناک بیماریوں کو صرف چھو دینے سے شفا بخشی۔ غیب کی باتیں بتائیں۔

ایک عقلمند انسان کے لئے یہ باتیں راہِ راست پر لانے کے لئے کافی سے زیادہ ہیں۔ پس مائی ڈیئر دوست! دنیا چند روزہ ہے۔ خدا کے لئے جرأت کرو۔ اور سچائی کو قبول کرنے میں دیر نہ کرو۔ ماں باپ بھائی بہن دوست آشنا یہیں دھرے رہ جائیں گے اللہ اور رسول کی باتوں پر اعتبار کرکے مسیح کی امتیازی شان کو قبول کرو۔ مسلمان اب راستے سے ہٹ چکے ہیں۔ اب مسیح ہی دوبارہ آکر ان کو راستے پر لائیں گے۔ کیونکہ وہ خدا کے بیٹے ہیں اور قدرت رکھتے ہیں اور پاک ہیں جسکی گواہی آپ کے نبی بھی دیتے ہیں (مسلم جلد ۲) مَا مِنۡ مَوۡلُوۡدٍ لِابۡنِ اٰدَمَ اِلَّا نخسه الشیطن ولادته فیستهل من نخسة الشیطن الا ابن مریم و امه ۔ یعنی ابن آدم کے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوتی مگر شیطان اسکی ولادت کے وقت اسکو چھوتا ہے۔ پس وہ اسکے چھونے سے روتا چلاتا ہے سوائے ابن مریم اور اسکی ماں کے۔

دیکھو اس حدیث نے کس صفائی سے گواہی دی ہے کہ مسیح کے سوا کوئی فطرتی طور پر پاک نہیں۔ مسیح اور اسکی ماں ہی پاک ہیں اور یہ اس دعوے کی قوی دلیل ہے کہ مقدس مسیح ہی نجات دہندہ ہوسکتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جن جن مسلمانوں اور مولوی صاحبان سے میں نے ان باتوں کا ذکر کیا ہے وہ عام طور پر یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اقتداری معجزات خدا کے حکم سے دکھائے۔ ان کی اپنی کوئی خصوصیت نہیں۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ اول تو یہ صرف قرآن کا کہنا ہے کہ مسیح نے خدا کے حکم سے سب کچھ کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ مسیح نے اپنے ہی اختیار سے ایسا کیا۔ کیونکہ وہ خدا کا بیٹا ہونے کی حیثیت میں کل اختیارات رکھتے تھے۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ سب کچھ مسیح نے خدا کے حکم سے کیا۔ تو سوچنے والی بات ہے کہ پھر جس ہستی کے ساتھ خدا کا حکم ہے۔ تم لوگ اس کے ساتھ کیوں نہیں ہوتے۔ تعجب ہے کہ اختیارات کا حکم تو مسیح کے ساتھ ہے اور بڑا تم اپنے نبیوں کو کہتے ہو۔ پس تمھیں اسی کے ساتھ ہونا چاہیئے جس کے ساتھ خدا کا حکم ہے۔ اتنا تو سوچو کہ خدا کا حکم کسی اور نبی کے ساتھ کیوں نہ ہوا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ کام بڑا کہ چام۔ یقیناً جس کا کام بڑا ہو گا۔ وہی بڑا سمجھا جائے گا۔

مبارک ہیں وہ جو مسیح کے آنے سے پیشتر بپتسمہ لیکر دین مسیح میں داخل ہوتے ہیں۔ فقط !

نوٹ :- اگرچہ میں نے یہ خط آپ کی طرف لکھا ہے۔ مگر در اصل یہ سب مسلمانوں اور ان کے مولوی صاحبان کی طرف ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس خط کا جواب کوئی مسلمان نہیں دے سکیگا۔ میں ان کے مولوی صاحبان سے چیلنج کرتا ہوں۔ کہ جو مولوی صاحب اس کا تسلی بخش جواب دینگے ان کو کچھ نقد بھی دینے کو تیار ہوں +

M. S. Chandra Dalla

District Jullundur.



ایک مسیحی جنٹلمین کے خط کا جواب
مسلمانوں کی جانب سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایک صاحب نے جو عیسائی ہیں۔ اپنے کسی مسلمان دوست کو خط لکھا ہے۔ عیسائی مذہب کی اور جناب مسیح علیہ السلام کی افضلیت ظاہر کی ہے۔ دین مسیحی میں داخل ہونے کی ترغیب دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے خط کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔ آپ دیکھیں اور دینداری کے تقاضے کے ماتحت دین مسیحی قبول کریں اور خداوند یسوع مسیح کی آغوش میں آ جائیں۔ یہ خط کسی مسلمان نے شائع کیا ہے اور جواب طلب فرمایا ہے۔

اس کا جواب مسلمانوں کی طرف سے صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ہم مسلمان رہ کر بھی جناب مسیح علیہ السلام کے زیر سایہ ہیں۔ آنجناب کی حقانیت اور صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ کو خدائے تعالےٰ کی جانب سے آیات بینات لانے والا نبی مرسل جانتے ہیں۔ اولوالعزم اور صاحب کتاب انبیا میں شمار کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لانے کے بغیر اپنے ایمان کو مکمل نہیں سمجھتے۔ لیکن اسلام کو چھوڑ کر اور رسول عربی حضرت خاتم النبیین احمد مرسل علیہ الصلوٰۃ و السلام کی غلامی اور کفش برداری سے روگردان ہو کر اس دین میں جسے دین مسیحی کہتے ہیں اور جس میں جناب مسیح علیہ السلام کو خدا کے بیٹے کے نام سے منوانے پر زور دیتے ہیں کوئی ایسا مسلمان داخل ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا جسے اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم سے شناسائی ہے۔ مسیحیت اور اسلام کا اختلاف صرف مسیح علیہ السلام کے "نبی یا خدا کا بیٹا" ہونے میں ہے۔ اگر مسیحی فرامین میں جناب مسیح کو صریح طور پر خدا کا بیٹا کہا گیا ہو تو مسلمانوں کو اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُسکی جواب دہی اس مذہب کے ہادیوں سے ہوگی۔ مراسلہ نگار نے ابن اللہ ہونے کا مسئلہ آیات قرآنیہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی وجہ سے بحث جاری ہونے کی صورت پیدا ہوئی ہے۔ مسلمان آیات قرآنیہ میں غور کرنا اپنا فرض جانتا ہے اور اس کے جواب دینے والا صرف یہ دیکھنے کی ضرورت سمجھتا ہے کہ قرآن کریم سے اسے کیا ہدایت ملتی ہے اور اسی لئے اس تمام بحث میں بائبل کا اور مسیحی نوشتوں کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ ہم پہلے ہی مان لیتے ہیں کہ مسیحی تحریروں میں ضرور وہی تعلیم ہوگی جو وہ زبان سے ظاہر کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں مسیح علیہ السلام کی نسبت جو کچھ فرمایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے پہلے آدمی کا خیال اس امر کی جانب

مبنڈول ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹے کا رشتہ صرف اس شکل سے قیام پکڑتا ہے کہ مرد کسی عورت سے تعلق پکڑتا ہے اور وقت خاص میں مرد کے جسم سے ایک جسمانی چیز عورت کے جسم میں داخل ہوتی اور پرورش پاتی ہے۔ وہ ایک خاص حالت تک پہنچتی ہے اور اسمیں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا تو نامعلوم طریق سے عورت کے شکم میں وہ اجنبی جسم حرکت کرنے لگتا ہے اور ایک وقت پر عورت کے جسم سے باہر آجاتا ہے۔ اسے بیٹا کہتے ہیں۔ انسانی تجربہ نے باپ اور بیٹے کا رشتہ صرف اسی شکل سے پیدا ہوتے دیکھا ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام بھی خدا کا بیٹا ہوتے تو دائمی قانون کے مطابق صرف اسی شکل سے خدا کے جسم سے (اگر کوئی اسکا جسم ہو) اسکا ایک حصہ کسی اور ہستی کے اندر سماتا اور اپنے وقت پر مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوتا۔ ایسا اعلان مسیح علیہ السلام کی نسبت کسی اسلامی ہدایت میں نہیں ہے بلکہ اسکے خلاف یہ اظہار موجود ہے:

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ" خدا کا بیٹا کیونکر ہو جب کہ اسکی کوئی بیوی نہیں ہے (سورہ انعام پارہ ۷ ع ۱۳)

ہاں یہ لفظ قرآن میں موجود ہے کہ خدا نے اپنی روح مسیح علیہ السلام میں پھونکی۔ حالانکہ بیٹا پیدا کرنے کے لئے بیٹے کے اندر روح پھونکنے یا نہ پھونکنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ انسان کا بیٹا پیدا ہوتا ہے اور باپ زندہ رہتا ہے۔ باپ کی روح باپ کے اندر موجود رہتی ہے۔ ایک نہیں کئی کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں اور باپ معہ اپنی روح کے موجود رہتا ہے۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا اسلئے ہیں کہ خدا نے اپنی روح ان کے اندر پھونکی۔ اگر خدا کے اندر کوئی روح ہوتی جیسی کہ انسان کے اندر کوئی روح ہوتی ہے اور اسے خدا مسیح علیہ السلام کے اندر داخل کر دیتا تو خدا کی ہستی معدوم ہو جاتی۔ کیونکہ اسکی روح اسکے اندر رہتی اور مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا نہیں خود خدا ہوتے۔ مگر نہیں میں نے غلط کہا اس صورت میں خدا ضرور موجود نہ رہتا اور مسیح علیہ السلام بھی خدا نہ بن سکتے۔ مسیح علیہ السلام کے علاوہ سینکڑوں ہستیاں ایسی مانی گئی ہیں جن کے اندر نہ صرف خدا کی روح نے بلکہ مکمل خدا نے جیسا کہ وہ ہے اوتار دھارا یا حلول کیا۔ اور لوگ ایسے خداؤں کے سایہ میں آنے پر رضامند ہوئے مگر وہ خدا نہیں بن سکے۔ نہ ان میں سے کسی نے کوئی آسمان بنایا۔ نہ کوئی آفتاب اور ماہتاب پیدا کیا۔ نہ کسی نے کوئی اور زمین بسائی نہ کسی نے انسان حیوان اور حشرات الارض سے کوئی اور دنیا آباد کی۔ ایسے ایسے بے شمار خدا بنتے رہے ہیں۔ مگر کوئی ان کو ماننے والا یہ نہیں بتا سکا کہ دنیا کا فلاں حصہ فلاں اوتار کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے نہ تھا۔ کسی کے اندر خدا داخل بھی ہوا اور وہ پھر بھی اپاہج اور بے دست و پا رہے تو کیا اسے خدا مان سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر خدا کی روح مسیح علیہ السلام میں پھونک دی گئی ہے تو کوئی یہ نشان دے اور ثابت کرے کہ فلاں چیز یا فلاں قسم یا فلاں نسل دنیا میں پہلے نہ تھی۔ مسیح علیہ السلام نے پیدا کی ہے۔ کوئی کوا کوئی چڑیا۔ کبوتر یا فاختہ کسی ایک پرندے کا تو نام لیں کہ یہ نسل حضرت مسیح کے وقت سے دنیا میں ہے اور پہلے نہ تھی۔ یونہی کوئی مٹی کا پرندہ بنایا اور وہ پروں کو پھڑ پھڑا کر تھوڑی دور پہنچا اور گر گیا تو ایسے کرشمے اب بھی دکھائے جاتے ہیں۔ کاغذ کی چڑیاں بناتے ہیں جو دبانے سے چوں چوں کرتی ہیں اور پر ہلاتی ہیں۔ حضرت مسیح نے اس زمانے کے طفل مزاج انسانوں کو ایسا شعبدہ دکھا کر خدا کی قدرت کا یقین دلایا اور اسکے رعب سے ڈرایا ہو اور لوگوں کو تھوڑا بہت خدا کی جانب متوجہ کر لیا ہو تو تعجب نہیں۔ ہمارے حضرت سے بھی معجزے طلب کئے گئے مگر حضرت کو قرآن کریم نے یہی جواب تلقین کیا کہ کہہ دو معجزے خدا کے

اختیار میں ہیں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ تم اپنی عقل سے کام لو اور دیکھو کہ نیکی اور بدی کی طاقت تمھارے اندر کس نے پیدا کی۔ نیکی اور بدی کی رغبت تمھارے دل میں کس مخفی قوت کے اثر سے حرکت میں آتی ہے۔ تم اپنی بہتری کے لئے اپنی طرف سے لاکھ جتن کرتے ہو مگر ہوتا وہی ہے جو خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ ایسے خدا کو بے دیکھے مانو۔ اس کے آگے عاجزی کرو۔ اس سے نیکی کرنے اور بدی سے باز رہنے کی دعا مانگو۔ ہم اسی مدعا کو سمجھانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم میں کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسے شخص کا کلام انسانی عقل سے اپیل کرتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے معجزے جاہلوں اور نادانوں کو لبھانے اور ڈرانے کا کام دیتے ہیں۔ عقل و ہوش والوں کو بچہ بن کر بچوں کا کھیل دیکھنے سے کیا مطلب؟ اس زمانے میں کلیساؤں کے اندر جاہل عورتوں کے ہجوم میں نہیں۔ مدرسوں کے اندر جا کر دیکھو ان معجزوں کی کیسی ہنسی اڑائی جاتی ہے اور جناب مسیح کے ہاتھ سے چند لمحوں کے لئے ایسے افعال صادر ہونے کی خبر سنکر کون مانتا ہے کہ سچ مچ ان کے اندر خدا کی روح داخل ہوگئی تھی۔

اگر یہ کہو کہ خدا میں دو روحیں ہونگی۔ ایک روح مسیح علیہ السلام میں داخل کردی اور انھیں قدرت دے دی۔ دوسری روح سے وہ خود بھی زندہ اور قائم رہا تو ایسا خیال جو عقل میں نہ آئے اسے ماننے کے لئے کون تیار رہو۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (سورہ احزاب پارہ ۲۱ ع ۱) اللہ نے کسی کے پہلو میں دو دل پیدا نہیں کئے۔ اور دیکھے بھی نہیں گئے تو کسی کے اندر دو روحوں کا ہونا بے تجربہ کیونکر تسلیم ہو۔ ہاں انسان میں دو ہاتھ، دو آنکھیں اور کئی چیزیں دو دو ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک چیز جاتی رہے تو انسان موجود رہتا ہے مگر ناقص انسان ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کا بیٹا مادر زاد نابینا پیدا ہو اور باپ میں یہ قدرت ہو کہ اپنی ایک آنکھ بیٹے کو دیدے تو باپ بیٹا دونو چلنے پھرنے کے قابل ہو جائینگے مگر دونو یک چشم رہ جائینگے۔ اسی طرح اگر خدائے قدیر اپنے بیٹے کے لئے کوئی نئی اور تازہ روح پیدا نہیں کرسکتا تھا اور اس نے اپنی دو روحوں میں سے ایک اپنے بیٹے کو دی ہوگی تو جو قدرت اور قوت خدا میں دو روحوں کے ہونے سے تھی وہ نصف رہ گئی ہوگی اور ایسی ہی نصف قدرت اسکے بیٹے کے قبضہ میں آئی ہوگی۔ اور ہم جو اسکے بندے ہیں۔ خدا میں کامل قدرت کے ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیم قادر اور نیم عاجز خدا پر ہمارے ایمان کو تسکین نہیں ہوتی۔ اور ایسے نیم عاجز دو خدا مل کر بھی پورا کام نہیں کرسکتے۔ دو لنگڑے انسان ملکر چلیں جب بھی سالم انسان کے برابر سفر نہیں کرسکتے۔

غرض خدا ہو اور محض روح ہو یا روح کے ساتھ جسم بھی رکھتا ہو تو اسکی روح کا کسی اور ہستی میں داخل ہونا اُسے خدا بنانا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ مسیح علیہ السلام میں اس نے اپنی روح پھونکی۔ اس لفظ کا کوئی اور مطلب ہوگا ورنہ ایسی روح کا مسیح میں آنا جیسی انسان میں ہوتی ہے اور خدا کے اندر سے اس کا انتقال مکان کرنا خدا کے فنا ہو جانے اور تھوڑی بہت خدائی طاقت پیدا ہو جانے کے سوا کوئی مطلب نہیں رکھتا مگر خدائی روح کے مسیح میں آنے کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پہلے ایک اور حقیقت میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

جس طرح خدائی روح کے مسیح علیہ السلام میں آنے کا ذکر ہے قرآن اسی طرح اپنی روح کا حضرت آدم علیہ السلام کے اندر پھونکنا بھی تسلیم کرتا ہے۔ حضرت آدم کے قصہ میں ارشاد ہے:-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ۚ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۚ

جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا تو فرشتے سب کے سب سجدہ میں گر پڑے سوائے شیطان کے (سورہ حجر پارہ ۱۴ ع ۳)

اور جگہ ارشاد ہے :۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۚ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۚ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۚ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۚ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَىَّ (ص پارہ ۲۳ ع ۵)

جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اسکو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اسکے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہوگیا۔ خدا نے فرمایا: اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے دونو ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔

اور جگہ ارشاد ہے :۔

اَلَّذِىْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱)

خدا وہ ہے جس نے ہر چیز کو اچھی طرح بنایا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر اسکی نسل کی بنیاد خلاصی یعنی حقیر پانی پر رکھی۔ پھر اسکو درست کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔

قرآن میں یہ تین مقام ہیں جن میں حضرت آدم کے اندر اپنی روح داخل کرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح تین جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام میں اپنی روح داخل کرنے کا ذکر ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (سورہ نسا پارہ ۶ ع ۳)

سوائے اسکے اور بات نہیں کہ مسیح یعنی عیسیٰ بن مریم خدا کے رسول ہیں اور اسکا حکم ہیں۔ انھیں بی بی مریم کو عطا فرمایا۔ وہ اسکی روح ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (سورہ انبیا پارہ ۱۷ ع ۶)

اور اس بی بی کا ذکر کرو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

تیسری جگہ ارشاد ہے :۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔

اور عمران کی دختر مریم کو جس نے اپنی عصمت کو بچایا اور اس میں ہم نے اپنی روح پھونکی۔ (تحریم پارہ ۲۸ ع ۲)

ان چھ مقاموں کے علاوہ ایک موقع پر حضرت آدم اور حضرت مسیح دونو کا ذکر ہوا ہے اور ایک کو دوسرے کا مماثل کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے :-

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (سورہ آل عمران پارہ ۳ ع)

بیشک عیسٰی کی مثال خدا کے نزدیک آدم جیسی ہے۔ اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر فرمایا کہ ہو۔ وہ ہو گیا۔

ان میں سے خاص حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت جو آیتیں ہیں۔ ان کو ہمارے عیسائی مہربان نے خط لکھنے کے وقت خوب دیکھا۔ مگر حضرت آدم کی نسبت اور دونو بزرگواروں کے ہم مثل ہونے کی نسبت جو ذکر تھا۔ اسے ملاحظہ نہیں کیا۔ حالانکہ حسب ارشاد قرآنی ہم کو سمجھایا گیا ہے کہ نسل انسانی کی عام پیدائش باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے۔ جو ماں کے پیٹ میں قرار پاتا ہے اور پرورش پاکر انسان بن جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ کو اس شکل سے پیدا نہیں کیا۔ ان کا نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ مٹی کو حکم دیا کہ تو آدم ہو جا وہ ہو گئی۔ یہ مثال ایک نرالا اور خاص حکم صادر کرنے کی ہے۔ دوسری مثال حضرت مسیح کی ہے کہ ان کی ماں موجود تھی مگر باپ کے بغیر حکم صادر کیا گیا کہ اسکے پیٹ میں انسان بن جائے اور وہ بن گیا۔ دونو کے اندر خدا کی روح داخل ہوئی حضرت آدمؑ کو جو اعجاز قدرت کی اعلیٰ مثال ہیں اور خدا کی روح اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کو نہ کوئی موسائی خدا مانتا ہے نہ عیسائی نہ مسلمان۔ تو حضرت عیسٰیؑ جو اس اعجاز کی ادنےٰ مثال ہیں اور اپنی پیدائش میں ماں کے محتاج رہے ہیں۔ روح خداوندی کا اعزاز رکھنے پر کیوں خدا مانے جاتے ہیں۔

عیسائی مراسلہ نگار لکھتے ہیں کہ

"قرآن میں حضرت مسیح کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا گیا ہے اور یہ مقدس الفاظ کسی اور نبی کے واسطے استعمال نہیں ہوئے ہیں۔ باقی نبی انسانی روح لیکر آئے تھے۔ اور مسیح اللہ کی روح۔ آپکا کوئی باپ نہ تھا نہ آپ انسانی نطفہ سے پیدا ہوئے"

ہم اپنے دوست کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ خداوند کریم نے یہی وصف زیادہ اعلیٰ شکل میں حضرت آدم کیلئے تسلیم کیا ہے۔ روح دونو میں خدا کی ہے اور دونو عام قاعدے کے بغیر خاص حکم سے پیدا ہوئے ہیں۔ آدم اس ظہور کی اعلیٰ مثال ہیں کہ ماں اور باپ کوئی نہیں رکھتے۔ مسیح ادنےٰ مثال ہیں کہ ماں کے محتاج رہے ہیں۔ حضرت آدم کی نسبت اس کلمہ کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ جو خدا کی جانب سے بطور حکم کے صادر ہوا تھا یعنی کُنْ حضرت مسیح کی نسبت یہ ذکر نہیں ہوا۔ حضرت آدم کی پیدائش پر سب فرشتوں کو حکم ملا کہ سجدہ کرو۔ حالانکہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے روکا گیا ہے اور بار بار تاکید ہوئی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر ہے لیکن حضرت آدم کو سجدہ کرنا ایسا ضروری سمجھا گیا کہ سجدہ نہ کرنے سے شیطان کافر ہوا اور اُسے سرزنش ہوئی کہ جسے ہم نے اپنے دونو ہاتھوں سے بنایا تو اسے سجدہ کیوں نہیں کرتا۔ یہ خاص اپنے دونو ہاتھوں سے پیدا کرنا اور سجدہ نہ کرنے والے کو کافر قرار دینا حضرت آدم علیہ السلام کا ایسا اعزاز ہے جو تمام روحانی اور جسمانی مخلوق میں سے کسی فرد کو حاصل نہیں اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کا وصف

... کلمہ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ بس خدا

یا خدا کا بیٹا ہونے کا استحقاق اگر کسی انسان کو حاصل ہو سکتا ہے تو وہ عیسائی اصول کے مطابق حضرت آدم ہیں نہ حضرت مسیح۔ طریق تنزل خدا کے دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا حضرت آدم اور چھوٹا حضرت مسیح۔ صرف حضرت مسیح کو اکلوتا بیٹا کہنا بہر کیف غلط ہے۔

مگر نہیں قرآنی اصول کے مطابق نہ کسی کی روح کسی اور جسم میں داخل ہو سکتی ہے۔ نہ خدائے کریم کی ذات اقدس کوئی روح ا کوئی جسم رکھتی ہے۔ وہ بیچون و بیچگون ہستی مجرد ہے۔ انسانی ذاتیات اور انسانی اوصاف سے بالکل مبرّا۔ فہم و قیاس سے بالاتر ا خدا مسیح علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے جیسا قادر مطلق تھا اور تمام صفات سے جیسا متصف تھا۔ ویسا ہی مسیح علیہ السلام کو پ ہونے کے بعد اب تک ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہیگا۔ مسیح علیہ السلام کے اندر داخل کرنے کیلئے اسکی ذات اقدس کا کوئی حصہ صرف نہیں ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے اندر جو چیز داخل کی گئی ہوگی۔ وہ ذات ربانی کے اندر داخل نہ تھی۔ اسکے علاوہ تھی۔ اور ذات ربانی کے علاوہ جو چیزیں ہیں۔ وہ سب اسکی مخلوق ہیں۔ مسیح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے اندر جو روح داخل کی گئی وہ بھی خدا کی مخلوق ہے حضرت آدم اور حضرت مسیح کا صرف یہ امتیاز ہے کہ عام طور پر جو حکم اور جو قانون نطفہ سے بچہ بنانے کا دنیا میں جاری ہے۔ اور جو حکم ایک بار اسکے دربار سے نافذ ہو کر ہر جاندار میں ہمیشہ خود بخود عمل کئے جاتا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت مسیح کے بارہ میں وہ عام حکم اور عام قانون جاری نہیں ہوا۔ حضرت آدم کیلئے خاص طور پر دو حکم جاری کئے گئے۔ انکو باپ کے نطفہ کے بغیر اور ماں کے شکم کے بغیر انسان بنایا۔ اسلئے فرمایا کہ آدم کو ہم نے دونو ہاتھوں سے بنایا یعنی دو خاص حکم جاری فرما کر اپنی پیدا کی ہوئی روح ان میں داخل کی۔ مسیح علیہ السلام کیلئے صرف ایک خاص حکم . . . . کی ضرورت ہوئی کہ انکی پرورش کیلئے ماں کا شکم مہیا تھا۔ باپ کا نطفہ نہ رکھتے تھے۔ نطفہ کی ضرورت حکم خاص سے رفع ہوئی اور ہمیں قرآنی ارشاد کے مطابق معلوم ہے کہ روح اور کوئی چیز نہیں صرف خدا کا حکم ہے (قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ۔ اے محمد کہدو روح صرف میرے پروردگار کا حکم ہے۔ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ ع ۱) ان الفاظ میں اب کیا شبہ رہا کہ آدم علیہ السلام کے اندر خدا کی روح داخل ہوئی اور مسیح علیہ السلام کے اندر خدا کی روح پھونکی گئی یعنی انھیں زندہ کرنے کیلئے خدا کا حکم خاص صادر ہوا پہلے کیلئے دوبار اور دوسرے کیلئے ایکبار۔ دو حکم پانے والے آدم خدا کا بیٹا نہ ہوئے تو ایک حکم رکھنے والے مسیح کیونکر خدا کا بیٹا ہو گئے۔ مختصر یہ کہ روح سے مراد خدا کا حکم ہے۔ اور آدم اور مسیح کیلئے ایسا خاص حکم نافذ ہوا۔

ایسے احکام صادر فرمانے کی اصلی مصلحت صرف وہی جانتا ہے۔ ہمیں اسقدر معلوم ہے کہ دنیا کا عام قاعدہ دیکھکر عقلمندوں نے یقین قائم کر لیا تھا کہ زندگی زندگی سے پیدا ہوتی ہے (Life produces life)۔ اب سب حیران ہوتے ہیں کہ پہلی زندگی کیونکر پیدا ہوئی مگر خلاف قاعدہ زندگی کا آغاز ماننے کے بغیر چارہ نہیں پاتے۔ پہلے جاندار[1] کی پیدائش تمام عقلائے زمانہ کیلئے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔ تو اسکے بعد نصیحت کا دوسرا سبق صرف دینداروں کو دیا گیا ہے اور الہامی احکام میں اس واقعہ کی خبر سنائی گئی کہ خدا ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔ اگر اس نے ماں اور باپ کے بغیر پہلا جاندار پیدا کیا۔ تو باپ کے بغیر بھی ایک انسان بنا کر اپنی قدرت کا دوسرا عجیب منظر دکھا دیا۔ جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ اسکی تمام قدرتوں کو مانتے ہیں۔ اسے بھی مانیں اور اپنا ایمان مکمل کریں۔

---

[1] اگر ڈارون کا خیال مانو اور سب جاندار مخلوق کا ایک خاندان سمجھو۔ تو سب سے پہلا حیوان جو پیدا ہوا ہوگا قدرت کے خاص الخاص قانون اور خدا کے مخصوص حکم سے ظہور پذیر ہوا ہوگا۔ اگر الہامی عقیدہ صحیح ہے جیسا کہ ہمارا ایمان ہے۔ تو حضرت آدم ہی جنھیں حق تعالے نے [illegible]

عقاب کا بچہ عقاب ہی ہوتا ہے جو بلندی پر اڑ کر میلوں تک نظر پہنچاتا اور شکار کو دیکھ سکتا ہے نہ ایسا رینگنے والا کیڑا جو زمین پر لوٹتا ہوا اپنے سامنے گز بھر زمین کو بھی نہ دیکھ سکتا ہو۔ خدائے بیچون و بیچگون کا کوئی بیٹا ہوتا تو ایسا ہی سب سے نرالی شان میں جلوہ فرما اس کا بیٹا ہو اور ایک عاجز عورت کے جسم سے ایک عاجز انسان کے قالب میں وجود پائے اور تمام زندگی نامرادی اور مایوسی میں کاٹ کر بیکسی کے اندر سولی پر چڑھایا جائے اور بیٹے کے اندر باپ کا کوئی وصف ثابت نہ ہو، یہ عقیدہ کسی دانا انسان نے جہلا کے طبقہ میں پھیلا کر انھیں ڈرایا اور بچوں کی طرح بھوت کا خوف دلا کر اپنے کہنے پر چلایا ہو تو تعجب نہیں۔ مگر اس شخص کا خود بھی مسیح علیہ السلام کی نسبت یہ عقیدہ قائم ہونا اور اس عجیب زمانے کے بعد آجتک جبکہ عقلا زمین آسمان کے تمام رازوں سے واقف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ رکھتے ہوں، کیونکر باور آئے ؟ عیسائی دنیا آجکل سب سے زیادہ دانا اور زمانہ کے نشیب و فراز کو سمجھنے والی ہے۔ اگر کوئی سچے دل سے اس عقیدہ پر ایمان رکھنے والا ہوگا تو بدقسمت ہندوستان کا باشندہ ہوگا جو یورپ کی اور سب باتوں پر ایمان رکھتے اور ان کے قدم بقدم چلتے ہیں، اس خیال کو بھی بڑے آدمیوں کا عطیہ سمجھکر سر آنکھوں پر رکھ لیتے ہونگے۔ مسلمان مسیح علیہ السلام کا سولی پر چڑھایا جانا نہیں مانتے مگر اور سب حیثیتوں سے انھیں خدا کا بندہ اور عاجز انسان جانتے ہیں اور آنجناب کی نسبت قرآن کریم سے یہ ہدایت پاتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام بھی اپنے بندہ ہونے سے عار نہ رکھتے تھے ارشاد ہے :۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (نساپارہ ۶ ع ۳)　نہیں نفرت کرتے ہیں مسیح اس امر سے کہ وہ خدا کے بندے ہوں۔

اور خدا فرماتا ہے کہ آپ رسول بیشک تھے اور انسانی فطرت سے متصف بھی تھے۔ ارشاد ہے :۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ (مائدہ پارہ ۶ ع ۱۰)

حضرت مسیح اور کچھ نہیں ہیں صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔ آپکی والدہ خدا کو صدق دل سے ماننے والی تھیں دونو خوراک کھاتے تھے (یعنی انسان تھے)۔

اور خدائے تعالےٰ کی نسبت باپ اور بیٹے کے رشتہ سے پاک ہونے کا ذکر ایسا واضح اور روشن ہے کہ قرآن سے ذرا سا مس رکھنے والوں کی زبان پر بھی جاری ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (نہ خدا کسی کا باپ ہے نہ بیٹا) تو ہمارے مہربان قرآن کی ایک دو آیتیں دکھا کر کیونکر یقین رکھتے ہیں کہ مسلمان مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے پر مجبور ہو جائینگے اور مراسلہ نگار کو جواب نہ دے سکینگے۔

رہا مسیح علیہ السلام کا عجیب قوت اعجاز سے متصف ہونا، مسلمانوں کے اندر ان آیات کو سمجھنے اور انکا مفہوم معین کرنیکی نسبت بہت اختلاف ہے۔ مگر ہم اپنے مراسلہ نگار عیسائی کرم فرما کے مقابلہ میں ان مضامین پر بحث کا دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم تمام ایسی آیات کا مطلب کوئی جو کچھ قرار دے سر دست اسے ماننے کیلئے تیار ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ حق تعالےٰ کی ذات اقدس اپنے بندوں پر ہر طرح کی نعمت عطا فرمانے پر قادر ہے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کرنے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرنے کا عمل صرف اسکے حکم اور ارادہ سے وابستہ ہے۔ وہ بغیر سامان کے اور بغیر معین قاعدے کے جو کچھ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اور

علیم و حکیم بھی ہے۔ وقت وقت پر اُس کا علم جس جس فعل کو مصلحت قرار دیتا ہے وہ ظہور پکڑتا ہے اور انسانی عقل اسکی مصلحت کو سمجھنے اور اسمیں نکتہ چینی کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہر نبی کے اپنے ذاتی کمال اور فضیلت پر منحصر نہیں ہیں۔ معجزات کا ظہور اس وقت کی مصلحت اور اس قوم کی حالت پر منحصر ہے۔ جسوقت اور جس قوم میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا ہے اور جیسی ضرورت خدا کے علم میں ثابت ہوئی ہے اس کے مطابق اس کے ہاتھ سے اور اسکی التجا سے آیات و معجزات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ نبی اولوالعزم انبیاء میں شمار ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو اور کوئی مرد خدا نبوت کے اعزاز سے بہرہ ور ہو یا نہ ہو۔ قدرت خداوندی اسکے ہاتھ سے بڑے سے بڑا معجزہ اور کرامت ظاہر فرماتی اور ضرورتِ وقت کو پورا کرتی رہی ہے۔

حضرت مسیح نے پرندوں کی تصویر مٹی سے بنائی۔ اور خدا نے اُسمیں اپنی روح یعنی حکم کا ظہور کر دیا تو حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی جو سانپ کی شکل بھی نہ رکھتی تھی۔ اژدہا بنا دیا۔ حضرت مسیح کا بنایا ہوا پرندہ تھوڑی دور اُڑ کر بیجان ہو گیا۔ کوئی کام نہیں کر سکا۔ حضرت موسیٰ کا عصا بار بار زندہ ہوتا رہا۔ اور جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں پر جو سانپ کی خوراک بھی نہیں ہے۔ جھپٹتا اور انکو نگلتا رہا۔ مسیح علیہ السلام نے بہ روایت بائیبل ایک مردہ لڑکی کو فرمایا کہ اُٹھ، وہ زندہ ہو گئی۔ حضرت خرقیل علیہ السلام کے عہد میں جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت بھی نہیں ہیں۔ ان کی قوم تین ہزار نفوس سے زائد طاعون کے خوف سے باہر نکلی اور مر گئی۔ حضرت خرقیل کی دعا سے سب زندہ ہو گئے۔ ارشاد ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ (بقرہ پارہ ۲ ع ۳۲)

کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا جو گھروں سے نکلے موت کے خوف سے اور وہ کئی ہزار تھے۔ خدا نے انھیں حکم دیا مر جاؤ۔ پھر زندہ کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر افراد کو اپنے ساتھ لیا۔ وہ تجلی ربانی کا منظر دیکھکر گرے اور مر گئے۔ حضرت موسیٰ کے اعجاز سے زندہ ہوئے۔ ارشاد ہے:۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰی سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ... قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ۔

حضرت موسیٰ نے ستر آدمی ہماری جائے وعدہ پر آنے کے لئے انتخاب کئے جب انھیں پکڑا بجلی نے موسیٰ نے عرض کی: اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو انھیں اور مجھے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہمارے جاہلوں کے فعل سے ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ .... خدا نے فرمایا میرا عذاب جسپر چاہوں نازل کرتا ہوں اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے (اعراف پارہ ۹ ع ۱۹)

حضرت نوح علیہ السلام نے طویل عمر پائی اور ہمیشہ ہدایت کرتے رہے۔ سوائے چند نفوس کے کوئی ایمان نہ لایا۔ غضب ربانی جوش میں آیا اور ایسا طوفان پیدا کیا۔ جس کے بعد نسل انسانی صرف حضرت نوح کی اولاد سے چلی۔ ایسا اعجاز جس سے تمام دنیا متاثر ہوئی ہو اور کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ ارشاد ہے:۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنَاهُ وَ

اور یاد کرو جب پہلے زمانے میں نوح نے پکارا ہمنے قبول کیا اور

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥ قوم پر فتح بخشی جو ہماری آیات کو جھٹلاتی تھی وہ بُری قوم تھی۔ ہم نے سب کو غرق کر دیا (انبیاء پارہ ۱۷ ع ۶)

حضرت لوط علیہ السلام کے اعجاز نے جو کرشمہ دکھایا وہ بھی اپنی شکل میں نرالا تھا کہ زمین کا تختہ ہی الٹ دیا۔ ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ (ہود پارہ ۱۲ ع ۷) جب ہمارا حکم آیا ہم نے ان بستیوں کے اوپر کے حصوں کو نیچے کر دیا اور ان پر مٹی کی پکی ہوئی سخت اینٹیں برسائیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام گھروں میں رکھی ہوئی کھانے پینے کی چیزیں بتاتے ہیں۔ حضرت سلیمان چیونٹیوں کی گفتگو سنتے اور سمجھتے ہیں۔ پرندے کی زبان سے دور بیٹھے ہوئے بلقیس کی حکومت اور اسکے تخت کا حال سنتے ہیں۔ تخت منگوانا چاہتے ہیں۔ توانکا ایک درباری شام سے پہلے لانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اور آپ کا وزیر جو پیغمبر بھی نہیں ہے۔ آنکھ کی جھپکی میں تخت منگوا کر حضرت کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ہوا حضرت کا تخت اڑائے پھرتی ہے۔ جنات آپکی خدمت کرتے ہیں (سورہ نمل پارہ ۱۹ ع ۲-۳)۔ ان تمام معجزات کو مسلمان قدرت ربانی کا جلوہ سمجھتے ہیں اور ایسے تمام بزرگواروں کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں جو پیغمبر ہوں یا نہوں بارگاہ ربانی سے ایسے ایسے انعام حاصل کرتے رہے ہیں اور منجملہ ان خاصان الٰہی کے جناب مسیح علیہ السلام کو خاص عقیدت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مسیحی عقیدہ رکھنے والوں کی نسبت خلوص و محبت کے کسی درجہ میں کم رہنا گوارا نہیں کرتے۔ صرف چند امور میں اختلاف رکھتے ہیں:۔

اول: توحید پر ایمان رکھنے والا مسلمان مسیح علیہ السلام اور اسی پایہ کے کسی اور بزرگوار کیلئے کسی اختیار اور اقتدار کے منصب پر فائز ہونے کا اعتراف نہیں کرتا۔ قدرت و اختیار کا وصف ذات باری تعالیٰ سے مخصوص سمجھتا اور تمام بندوں کو خواص ہیں شامل ہوں یا عوام میں حق تعالیٰ کے گوشۂ چشم کا محتاج اور اس ذات اقدس کے جلال و کمال کے سامنے عاجز اور اسکے در کا سائل تصور کرتا ہے۔ کیونکہ کسی بندہ کے لئے یا خاص مسیح علیہ السلام کے لئے اختیار و اقتدار کے ماننے کی بنیاد بقول عیسائی مراسلہ نگار کے اس قاعدہ پر ہے کہ ایسا بندہ خدا کا عزیز اور اسکا بیٹا ہے اور "بیٹا باپ سے جدا نہیں ہوتا اور کامل اختیار رکھتا ہے"۔ مگر پروردگار عالم اور خالق الخلق کے ساتھ باپ اور بیٹے کے رشتہ کا تعلق مسلمان کیلئے ناقابل التفات ہے۔ اور خدا کے سوا کسی اور کو مختار اور قادر سمجھنا ایمان کے خلاف ہے، شرک ہے۔ مسلمان کا دل ایسے عقائد کو تصور میں لانے سے بھی بالاتر ہے۔

دوئم مسلمان مراسلہ نگار کا یہ خیال بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ جس شخص کے ساتھ خدا کا حکم ہو اسکی طرف جو کچھ منسوب کیا جائے ایسی ہر بات کا ماننا آدمی پر فرض ہے۔ زمین پر طوفان لانے کیلئے خدا کا حکم حضرت نوح کے ساتھ تھا۔ اکثر پیغمبروں کی منکر قوم پر عذاب لانے کیلئے خدا کا حکم اُن پیغمبروں کے ساتھ تھا۔ عصا کو سانپ بنانے کے لئے خدا کا حکم حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا۔ اکثر پیغمبروں کی منکر قوم پر عذاب لانے کے لئے خدا کا حکم ان پیغمبروں کے ساتھ۔ عصا کو سانپ بنانے کیلئے خدا کا حکم حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا بلقیس کا تخت لانے کیلئے خدا کا حکم آصف وزیر کے ساتھ تھا۔ حضرت سلیمان کا تخت ہوا میں اڑانے کیلئے خدا کا حکم حضرت سلیمان کے ساتھ تھا۔ مسیح علیہ السلام کے سب معجزوں کیلئے خدا کا حکم حضرت مسیح کے ساتھ تھا۔ مسلمان یہ تسلیم کرتا ہے اور انکو خدا کے برگزیدہ بندے

ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہے اور اسے یقین ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ذات بھی ان عقائد سے خوشنود اور رضامند نہ ہوگی۔ یہ سب تو تمام عقیدۂ توحید کے خلاف ہیں۔ اور مسلمان کو اسکے آقا رسول امی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد ربانی سے مدد پاکر توحید کا ایسا شربت شیریں پلایا ہے۔ جس کے لطف و لذت کا احساس اسکے دل و دماغ سے اگر وہ مسلمان ہو تادم مرگ دور نہیں ہوسکتا۔

سوئم: یہ عریضہ نگار جناب مسیح علیہ السلام کو ایسا پاک اور مطہر سمجھنے سے عاجز ہے آنجناب کو اور آپکی والدہ مقدسہ کو شیطان مس ہی نہ کرسکتا ہو۔ اس ذکر کو عیسائی مراسلہ نگار نے رسول عرب (صلعم) کے ارشاد کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں اپنے آقا رسول عربی (صلعم) کے ہر ارشاد کو تسلیم کرنے کیلئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ اور جن متبرک الفاظ کو قول رسول ؐ کے عنوان سے سنوں اور میری اپنی عقل و ہوش کے خلاف ہو جب بھی اپنی عقل کو ناقص جانتا ہوں قول رسول میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھتا۔ البتہ جب کبھی کوئی لفظ قول رسول (صلعم) کے نام سے سنوں اور اسکے خلاف قرآن کریم کا کوئی مضمون دیکھ پاؤں تو اس صورت میں قرآن کو ضرور مقدم اور راجح قرار دیتا ہوں۔ اور یقین رکھتا ہوں کہ قول رسول ؐ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ جو ایسا قول بیان کیا جائے اسے رسول ؐ کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ چنانچہ انبیا علیہم السلام کی طہارت اور پاکیزگی کی نسبت قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰىٓ	ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا جسنے کوئی تمنا کی ہو اور اسکی تمنا میں
اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ	شیطان نے وسوسہ کی آمیزش نہ کی ہو۔ پس خدا شیطانی وسوسہ کو دور فرما
ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (حج پارہ ۱۷ ع ۱۳)	دیتا ہے اور اپنی آیات کے حکم کی تاکید کردیتا ہے۔ اللہ علم والا اور حکمت والا ہے

اس آیت میں صاف فرمایا ہے کہ ہمارے حضرت سے پہلے جو نبی اور رسول مبعوث ہوا ہے اسکے دل میں تمناؤں کے اندر شیطانی وسوسہ نے دخل پایا ہے۔ مگر چونکہ نبی کے ساتھ وحی ربانی کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ آگاہ فرمادیتا ہے۔ اور ہدایت ربانی کو شیطانی وسوسہ سے علیحدہ کردیتا ہے۔ یہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا اور وحی ربانی کی وساطت سے وسوسہ کو زائل کرنے کا عمل ہر نبی اور رسول کے ساتھ ہوتا آیا ہے تو مسیح علیہ السلام اس عام قاعدے سے کب بری ہوسکتے ہیں۔

چہارم: عیسائی مراسلہ نگار فرماتے ہیں کہ "خدا حیّ و قیّوم یعنی زندہ اور غیر متغیر ہے تو مسیح بھی دو ہزار سال سے زندہ اور غیر متغیر آسمان پر بیٹھا ہے"۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "آپ پر موت قبضہ نہ کرسکی کیونکہ آپ روح اللہ ہیں"۔ اس مضمون میں انھوں نے جس آیت اور حدیث کا مطلب ادا کیا ہے۔ مسلمان اس کا مفہوم معین کرنے میں بہت اختلاف رکھتے ہیں۔ یعنی مسیح کو اٹھانے سے زندہ اور مع جسم کے اٹھانا مقصود ہے یا جس طرح خدا کے پاک بندے خدا کے حضور میں پیش ہوتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام بھی وفات پاکر اسی طرح حاضر ہوگئے ہیں آیت اور حدیث سے مسلمان گمان غالب پیدا کرتے ہیں۔ انھیں یقین کا درجہ نہیں دیتے۔ مگر میں پہلے اظہار کرچکا ہوں کہ میں اپنی جانب سے ایسے تمام الفاظ کا مفہوم کوئی جو کچھ قرار دے۔ سردست سب کچھ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگر قرآن و حدیث کا یہ مطلب ہو کہ مسیح علیہ السلام اب تک زندہ ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے تو میں اسے

دنیا میں آخری نبی ہیں۔ اب قیامت تک کوئی اور شخص نبوت کا منصب لیکر دنیا میں نہیں آسکتا۔ یہ عقیدہ مسلمانوں کا مشہور ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ دوسرے قرآن کا ارشاد ہے کہ ہر شخص جو دنیا میں آیا دائم و قائم نہیں رہ سکتا۔ ہر جاندار پر موت طاری ہوگی فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ	ہم نے تم سے پہلے کسی کو ہمیشہ زندہ نہیں رکھا۔ اگر تم مر گئے تو کیا کفار ہمیشہ رہینگے؟ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے (انبیا پارہ ۱۷ ع ۳)

نیز فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝	ہم نے پیغمبروں کے ایسے جسم نہیں بنائے جو خوراک نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ زندہ رہے ہیں۔ (انبیا پارہ ۱۷ ع ۱)

پس مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر تشریف لے جائیں اور شوق سے دوبارہ زمین کی سیر فرمائیں۔ خدا کی قدرت سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ ہمیں صرف یہ اصرار ہے کہ جسطرح آپ خدا کا بیٹا ہونے اور الوہیت رکھنے سے عاری ہیں۔ اسی طرح آپ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ تو نبوت کے منصب سے بھی عاری ہونگے۔ اور سب احکام شریعت میں ہمارے آقا علیہ السلام کا اتباع کریں گے۔ اور دوسرے آپ خواہ ہزارہا سال کی عمر پائیں۔ آپ عاجز انسان کی طرح کسی نہ کسی وقت موت کا شکار ہوں گے۔ حیّ و قیوم ایک ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ اور ہمیں کوئی تعجب نہیں اگر حق تعالےٰ نے پہلی زندگی میں آپ کے دل شکستہ مصیبت زدہ اور ناکام رہنے پر رحم فرمایا ہو اور اپنے علم میں یہ دیکھ کر کہ آپ کی قوم آئندہ انہیں ملنے گی۔ تو خدا بنالیگی۔ اور جانے کے بعد آپ کی روح بھی اس غلط عقیدہ سے افسردہ رہیگی اپنی حکمت کاملہ سے یہ انتظام کیا ہو۔ کہ آنجناب کو سردست دنیا سے جدا کرلیں۔ اور آخر زمانے میں ایسی قوم کے پاس آپ کو دوبارہ بھیجیں۔ جو آپ کی صحیح قدر و منزلت سے آگاہ ہوں۔ آپ کی گذشتہ نبوت کا اعتراف کریں۔ اور آپ کو اپنا اسلامی بھائی اور محترم مہمان سمجھ کر آپ کا کما حقہ احترام کریں۔ آپ وفات پائیں تو آپ کی پاکیزہ روح پر ہمیشہ درود اور سلام بھیجتے رہیں۔ اور آپ کی آئندہ زندگی میں اور موت کے بعد آپ کی ذات اقدس کو اور آپ کی روح مطہر کو ہمیشہ شادکام رکھیں۔ اور آپ کی حسرتوں کی جو آپ نے اپنی قوم کے غلط خیالوں سے برداشت کی ہیں مکمل تلافی کریں۔ آپ کا اب تک زندہ رہنا اور دوبارہ تشریف لانا آپ کے تمام غم و اندوہ کو خوشی سے بدلنے کا باعث ہو۔

پنجم۔ مسلمان مسیح علیہ السلام کو آپ کے عجیب معجزات کی بنا پر باقی انبیاء مرسلین علیہم السلام سے اعلیٰ اور افضل ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جناب مسیح اور تمام حیرت انگیز کرشمے دکھانے والے انبیاء اور صلحاء کے دست ہائے مبارک سے جو فوق العادت اور خلاف قیاس کرشمے ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ اپنے اپنے وقت کی ضرورت اور ان اقوام کے ذہنی میلان کی وجہ سے قدرت ربانی کے حکم سے ظہور میں آئے ہیں۔ جو گذشتہ تاریک زمانوں کے اندر حق و باطل میں تمیز کرنے کے لائق ذہن رسا اور طبع سلیم نہ رکھتے تھے بچوں کی طرح انہیں کوئی طلسم دکھا کر ڈرانا اور ریجھانا منظور ہوتا تھا۔ ان اوقات میں جو انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے۔ قدرت خداوندی کے خاص اور عجیب مظاہر دکھا کر قوم کے خوش نصیب افراد کو اپنی جانب اور خدا کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اور اس ضرورت کی وجہ

اس کام کی طاقت نہ رکھی جاتی۔ توفات خداوندی کی حکمت اور مصلحت اندیشی کے خلاف ہوتا۔ لیکن کام کرنے والے کی فضیلت اور برتری اس جاہ وحشم کے مہیا کرنے سے ثابت نہیں ہوتی۔ جو کسی ملک پر حکومت کرنے والے کے لئے بادشاہ وقت اسے خدمت پر متعین کرنے کے وقت عنایت کرے بادشاہ کی خوشنودی اور کام کرنے والے کا اعزاز واستحقاق اس وقت ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ حاکم حکومت کے تمام فرائض اپنے بادشاہ کے تمام اغراض ومقاصد کو باحسن وجوہ پورا کرنے میں اور اپنی تمام ملازمت کا زمانہ خوبی وحسن عمل کے ساتھ بسر کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔ حکام بااختیار میں سے کسی کو افضل ماننے کے لئے یہ دیکھنا غلط ہے۔ کہ ملک پر قابض ہونے کے وقت اسے کتنی طاقت دی گئی۔ دیکھنے کی بات یہ ہے۔ کہ اس نے کام کرنے کے بعد ملک کی حالت کو کس قدر سنوارا اور رعایا کو بادشاہ کی اطاعت پر کس قدر ثابت قدم بنایا۔ اسی طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت جو حشمت واقبال انہیں دیا گیا ہے۔ وہ ان کے فرائض متعلقہ کی ضرورت کے مناسب عطا ہوا ہے۔ ان کی افضلیت اور برتری کو تسلیم کرنے کے لئے دیکھنا یہ ہے۔ کہ انہوں نے خلق خدا کو کیسی ہدایت دی۔ اور ان کے اخلاقی جذبہ کو اور خداشناسی کے مشق کو کس قدر پرورش کیا اور کس حد تک پہنچایا۔

ہم کو سردست جناب مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل وکمال میں غور کرنا ہے۔ کہ انہی دو مقتدر ہستیوں کی نسبت عیسائی اور اسلامی عقیدت باہم مختلف رنگ اختیار کرتی ہے۔ کہنے والے سب کچھ کہہ چکے ہیں اور ہمیں کسی تازہ حقیقت کی پردہ کشائی مطلوب نہیں۔ مگر تاہم کام بہت دشوار ہے۔ آسمان عظمت کے دو سیاروں کی نورافشانی میں باہم مقابلہ ہے۔ اور ظلمت معاصی میں سرتاپا ڈوبا ہوا قلب سیہ کار خامۂ تاریک نگار کو حرکت میں لانے کی جرأت کرتا ہے۔ چھوٹا منہ ہے اور بڑی بات۔ یہ ناپاک اور کثیف بندہ مقدس اور مطہر ارواح لطیفہ کی نسبت اپنے عجز وانکسار سے نادم اور شرمندہ ہو کر جرأت کی معافی مانگتا اور اس گزارش کا اقدام کرتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کے عہد میں ملک پر حکومت رومیوں کی تھی۔ جو دین سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آبادی یہودیوں کی تھی جو سب کے سب اس تازہ تحریک کی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ رومیوں اور یہودیوں میں سے کوئی متاثر نہ ہوا۔ گنتی کے چند نفوس ایمان لائے۔ ان میں سے بھی بعض بے وفا نکلے۔ مسیح علیہ السلام بیکسی میں گرفتار ہوئے اور قابل دار قرار پائے قرن ہائے دراز کے بعد آنجناب کی تعلیم روم ویونان میں اس وقت پھیلی۔ جبکہ توحید ربانی، باپ کے ساتھ بیٹے کی اور روح القدس کی الوہیت کو ملا کر نجاست شرک سے آلودہ ہو گئی۔ اور بی بی مریم اور حواریوں کے مجسموں نے رومی بت پرستوں کی ہوس پرستی کو تسکین دی۔ اور کفر وشرک کی وہ تمام عمارت مکمل ہو گئی جسے آجکل رومن کیتھولک کہتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کا نعرۂ توحید بھی انہی الفاظ میں سنا گیا ہے کہ "اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو"۔ ان لفظوں نے باپ کے ساتھ بیٹے کے وجود کا خیال پیدا کیا۔ اور خدائے وحدت تین میں سے ایک سمجھا گیا۔ خدا کو ایک ماننے کا اور توحید پر یقین کرنے کا سامان ہی پیدا نہ ہوا۔ مسیحی مذہب نے دنیا میں پورا اقتدار حاصل کیا۔ اور اکثر حکومت کرنیوالوں کے دلوں پر اس کا قبضہ ہوا۔ پروٹسٹنٹ عقیدہ نے اس کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا اور بت پرستی سے اور مریم کے مجسمہ کو سجدہ کرنے سے ایک حد تک روکا بھی گیا۔ مگر توحید کو باپ اور بیٹے کے رشتہ سے اور تین میں ایک سمجھنے سے مسیح علیہ السلام کا لایا ہوا دین، اول دن سے لیکر آجتک پاک نہ ہو سکا اور خدا کے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہونے کی آواز جو حضرت ابراہیم

کو آسمانی باپ کہنا بائبل سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ہمیں قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا کو باپ کے لفظ سے یاد کرنے کی عادت بنی اسرائیل میں پہلے سے تھی۔ یا خدا کا بیٹا ماننے کا عقیدہ رکھتے تھے اور اسی نے آسمانی باپ کا محاورہ زبان پر جاری کیا۔ یہودی حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا مانا (توبہ پارہ ۱۰ ع ۱۱)

اور یہی نہیں یہود اور انصاریٰ میں خدا کے بیٹوں کی ایک فوج ہمیشہ موجود رہتی آئی ہے ان کے سب راہب اور پیشوا اپنے تئیں خدا کا بیٹا اور اس کا پیارا کہتے رہے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ پارہ ۶ ع ۳) یہودیوں اور نصاریٰ نے سمجھا کہ ہم خدا کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔

مسیح علیہ السلام نے اسی طرز کلام سے خدا کو یاد کیا تو کسی کے دل میں خدا کی عظمت اور اس کا خوف پیدا نہ ہوا سب نے یہی سمجھا کہ وہ باپ ہے۔ اور باپ خفا ہو جب بھی ایک مجسٹریٹ کی طرح بیدردی سے سزا نہیں دے سکتا۔ حالانکہ ہم نے آخرت کا منظر ابھی دیکھا نہیں اسی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ جب خدا ئے قہار گرفت کرنیکا ارادہ ظاہر فرماتا ہے۔ تو اس کے غضب کی کوئی انتہا نہیں ہوتی طوفان اور زلزلہ کا وقت آتا ہے۔ تو خدا بچائے کوئی بڈھا اور بچہ کوئی عورت اور مرد رہائی نہیں پا سکتا۔ وجہ یہی کہ خدا کا کسی سے رشتہ اور ناطہ نہیں۔ وہ سب سے بے پروا اور سب سے بالا ہے۔ یہودی اسے باپ جانتے تھے۔ اور اسی لفظ سے حضرت مسیح نے یاد کیا۔ سب نے کہا وہ باپ ہے تو ڈر کیا۔ گناہوں سے اجتناب کرنے اور عبادت میں مشقت اٹھانے کی ضرورت کیا سب اپنے اپنے چیلوں کو لوٹنے اور دھوکا بازی کرنے میں مصروف رہے۔ مسیح علیہ السلام بہرحال سچے پیغمبر تھے۔ اپنی تئیں خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تھے۔ افسوس کرتے ہونگے۔ جس طرح ہمارے مولا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کے اصرار و انکار سے رنجیدہ ہوتے تھے۔ خدا نے جس طرح آنحضرت کو قرآن میں اکثر تسکین دی ہے۔ کہیں فرمایا ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (نحل پارہ ۱۴ ع ۱۶) اور صبر کرو تمھارے صبر کا اجر خدا کے پاس ہے۔ تم رنجیدہ نہ ہو اور جو فریب وہ لوگ کرتے ہیں اس سے تنگ نہ آؤ۔

کہیں فرمایا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شعراء پارہ ۱۹ ع ۱) کیا اپنی جان گنوا دوگے اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو تسلی دی گئی تھی۔ کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ بدنیت ہیں۔ خود غرضی کی وجہ سے مانتے نہیں ہیں ہم نے ابھی ہدایت کا کام ختم نہیں کیا۔ تمہارے بعد احمد نامی ایک اور پیغمبر مبعوث ہوں گے۔ وہ ایسی وضاحت سے ہماری الوہیت اور توحید کا اعلان کریں گے۔ کہ دھوکہ دینے والوں کی کچھ پیش نہ چلیگی۔ اور سب سعید روحیں بادۂ عرفان کے ذوق سے مست ہو کر رہینگی۔ اگر ایمان توحید کا نام ہے۔ تو اس وقت کے محاورہ سے جو دھوکہ ہوتا تھا۔ اور جس گمراہی کی شب تاریک میں ان لوگوں کو راستہ نہ سوجھتا تھا اس دھوکہ اور اس گمراہی کا وقت گذرنے کی اور آفتاب ہدایت کے طلوع کرنیکی خوشخبری سنا کر ایک غمگین دل کو خوش کرنا کیوں نامناسب تھا۔

چنانچہ اسی بشارت کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مبعوث ہوتے ہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی صدا بلند کی اور اپنے تئیں بندہ اور رسول کہنے سے زیادہ زبان کو حرکت نہ دی۔ خدا کو باپ کہنے سے خدا کی شفقت اور محبت کا خیال بیشک پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک استعارہ کا استعمال شاعرانہ خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ مگر جس ہدایت کا خاص وعام اور عالم وجاہل سب میں پھیلانا مقصود ہو۔ اور تمام غلط فہمیوں سے بچا کر روشن اور واضح طور پر عقیدہ کو دل میں اتارنے کا مدعا ہو تو بہادر انسان کی آمد پر شیر آیا شیر آیا کہنا غلط ہوگا۔ اس کا نام لیں اور اس کے اوصاف کا ذکر کریں جبھی تمام محفل کو اس کے استقبال پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ ورنہ شیر آیا کی آواز سن کر اگر کوئی عقلمند سمجھ لیگا۔ تو اکثر محفل والے شیر کے خوف سے بھاگ بھی نکلیں گے۔ اور محفل کو بکھیر دینگے پس خدا کے تصور سے بیشک دل گرمانے اور اس کی محبت میں سرشار کرنیکے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہنے سے بہتر کوئی لفظ نہیں۔ خدا کا نام لیا ہے۔ اور اس کے اعلیٰ اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ کون ہے جو اس جملہ کا مطلب نہ سمجھے اور دھوکا کھائے۔ یہ الفاظ بے خبر کو آگاہ اور جاہل کو عارف بناتے ہیں۔ اور جب یہ مقصود ہو کہ پیغام لانے والے کی عزت دیکھ کر لوگ پیغام بھیجنے والے کی عظمت کو فراموش نہ کر دیں تو لا الٰہ الا اللہ کا تصور پہلے اور محمد رسول اللہ کا خیال پیچھے لانا ضروری ہے۔ اور "ہمارا باپ" کہنے سے جاہلوں کا خیال اسی طرف دوڑ سکتا ہے کہ کہنے والا خدا کا بیٹا ہے۔ اسی کے آگے جھکو اسی کے سامنے سب مرادیں پیش کرو۔ یہ اپنے باپ سے کہکر سب کام بنا دیگا۔ بلکہ بیٹا ہے۔ بہت کچھ بغیر پوچھے کر دیگا۔ اور باپ اس کا کہا نہ ٹالیگا۔

نبی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کے قلب مصفا پر اسی نکتہ کا انکشاف ہوا اور ایسی غلط فہمیوں سے عوام کو محفوظ رکھنے کیلئے آنجناب نے تلقین ہدایت کو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے آغاز کیا اور پھر اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کو اس ترتیب سے پیش کیا کہ آپ کی عاجزی اور بندگی کا اظہار پہلے ہوا اور آپ کے اعزاز کا ذکر پیچھے۔ اعلان توحید ہر شک وشبہ سے پاک رہا۔ مخالفت بیشک ہوئی اور بہت جہد کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ مگر اعلان صاف تھا۔ اس کی آواز بلند ہوتے ہی صاف دلوں میں گھر کرنے لگی۔ سر تسلیم خم کرنے والے گھڑی گھڑی سے پیدا ہونے لگے۔ اور پھر یہ اثر عام پھیلتا گیا۔ دشمنوں کے ساتھ حامی اور ہمدرد بھی نظر آنے گئے بلکہ پہلے ماننے والے پیدا ہوئے پھر مخالف نظر آئے۔ مخالفت بڑی جماعت نے کی۔ اور بہت فساد پیدا کیا۔ مگر رفتار اسی جانب رہی کہ دشمن کم ہوتے گئے۔ اور آخر آنحضرت نے اپنی زندگی میں اور پوری صحت۔ اور قوت کی حالت میں ایک وقت ایسا پایا کہ جس طرف دیکھا محب دلنواز اور عاشق جانباز نظر آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان توحید کا فریضہ بھی خوبصورتی سے اور نہایت واضح اور روشن الفاظ میں ادا فرمایا۔ اور خلق خدا کو مائل کرنے میں بھی تمام انبیاء سابقین سے زیادہ اور مکمل کامیابی حاصل کی تو آنجناب کے سید المرسلین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

قرآن کریم آنحضرت کو مبارک باد دیتا ہے۔ اور آپ کے عہد بابرکت میں دین کے مکمل ہونے اور نعمت کو پورا کرنیکی خوشخبری سناتا ہے۔ ارشاد ہے:۔ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض ومنهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات وآتينا عيسى ابن مريم البينات (بقرہ) ان پیغمبروں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی بعض سے خدا نے ہمکلامی کی اور بعض کے درجات بلند کئے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو معجزے عنایت کئے۔

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ۝ اور تمہارے لئے وہ مذہب جسکا نام اسلام ہے پسند کیا (مائدہ پارہ ۶ ع ۱)

قرآن لوگوں کے فوج درفوج دین اسلام میں داخل ہونے پر خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (پارہ ۳۰) جب خدا کی مدد اور اسکی جانب سے فتح حاصل ہوئی اور تم نے لوگوں کو خدا کے دین میں فوج درفوج داخل ہوتے دیکھا۔ تو اپنے پروردگار کی حمد ثنا میں مصروف ہو جاؤ

قرآن امت مسلمہ کو سب سے بہتر قرار دیتا ہے اور فرائض ہدایت و ارشاد کے ادا کرنے پر تحسین کا اظہار فرماتا ہے۔ جس سے ان کے رسول خَيْرُ الرُّسُل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ تم سب سے بہتر قوم ہو جو بنی آدم میں پیدا کیگئی ہے نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اگر یہود و نصاریٰ ایمان لے آتے تو انکے لئے اچھا ہوتا۔ آل عمران پارہ ۴ ع ۱۲

یہ تمام کامیابیاں جنکا اعلان قرآن نے کیا ہے اور جنھیں تاریخ جھٹلا نہیں سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی پیغمبر کو حاصل نہیں ہوئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم طوفان سے تباہ ہوئی۔ مگر ایمان نہ لائی۔ عاد و ثمود اور قوم لوطؑ و شعیبؑ بھی سب فنا ہوئی اور بداعمالی سے تائب نہ ہوسکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ مگر اُسے جنگل میں سرگرداں چھوڑ کر انتقال فرما گئے۔ آپ کے بعد آپکے جانشین نے بنی اسرائیل کو ان کے وطن میں آباد کیا۔ عیسےٰ علیہ السلام کا انجام نہایت دردناک ہوا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ملک کو ایماندار دیکھنے کا موقع پایا۔ اور ہر طرف اللّٰہ اکبر کی ندا سُنی۔ اور پھر آنجناب کے خادموں اور فیض صحبت پانے والوں نے بہت تھوڑے عرصے کے اندر جبکہ آپ کے اکثر دیکھنے والے زندہ تھے۔ تمام مہذب دنیا پر اسلام کا سکہ جاری کیا۔ اور کوئی اسلامی تلقین و ہدایت میں مزاحمت کرنے والا باقی نہ رہا۔ اور وہ دین مبین جو دنیا کے ایک گمنام گوشہ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ عظیم الشان اور صاحب طبل و علم فرمانرواؤں پر غالب آیا۔ زمین کے خزانے اس کے قدموں پر گرے۔ اور دنیا کی تمام اقوام سے بڑھکر قوت و جبروت حاصل کرکے اقوام عالم کے ساتھ ہر طرح پر مقابلہ کرنے کے قابل ہوگیا۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ خدا کا دن ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اور اقوام دنیا زیادہ سے زیادہ ہزار سال تک عروج دیکھتی ہیں۔ پھر تنزل سے دوچار ہوتی ہیں۔ یہی ہزار سال مسلمان قوم کو ملے۔ بلکہ ہزار سال سے کچھ زیادہ۔ ہجرت کا واقعہ ۶۲۲ سنہ میں ہوا ہے اور اسی وقت سے اسلامی ترقی کی ابتدا ہوئی۔ جسے ۱۶۲۲ سنہ تک ہزار سال ہوتے ہیں۔ اور ۱۶۲۲ء تک ہندوستان۔ ایران۔ تاتار اور ٹرکی میں زبردست مسلمان فرمانروا حکومت کرتے تھے اور تمام مہذب دنیا ان کے زیرنگیں تھی۔ یہ تاریخی شہادت ہے۔ جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ کامیابی اسی کا نام ہے۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہم سب سردار انبیاء کہتے ہیں۔ صلوٰت اللّٰہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ۔ قرآن میں ارشاد ہے:۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ۚ (بقر پارہ ۳ ع ۳۳) ان پیغمبروں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ بعض سے خدا نے ہمکلامی کی اور بعض کے درجات بلند کئے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو روشن معجزے عنایت کئے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہونیکا ذکر حضرت موسیٰ کی نسبت ہے - اور روشن معجزوں کا اظہار حضرت عیسیٰ سے ہوا ہے اور درجوں کی بلندی جو حسن خدمت کا اور ادائے فرض منصبی میں کامیاب ہونے کا انعام ہے - اور جسکی شہادت زمانہ دے رہا ہے - یہ دولت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کو میسر نہیں آئی -

حضرت مسیح علیہ السلام کے رفقا میں سے بعض دشمنوں کا غلبہ دیکھکر خائف ہوئے - اور بیوفائی کا داغ اپنی پیشانی پر لگانے اور حضرت کی گرفتاری میں مدد دینے کیلئے مجبور ہوئے - ہمارے آقا کے ہمراہی اور خدام جس رنگ سے اپنے سرور مولا کے حضور میں جھکے تھے آنحضرت کی زلیست میں اسی خلوص و اسی جوش سے اپنا گھر بار اپنا مال اپنی جان اور اپنی اولاد اپنے مولا کے قدموں پر نثار کرنے پر زیادہ سے زیادہ آمادہ ہوتے گئے اور جس مصیبت میں انہیں ڈالا گیا جس دشواری پر غالب آنیکے لئے انہیں بلایا گیا - کسی جان نثار نے جو ایک بار اطاعت کا اعلان کر چکا تھا کسی قسم کی کوتاہی اور قصور کا اظہار نہ ہونے دیا - اور سب فرائض اپنے مولا کے مقصد اور مدعا کے مطابق پورے کرتے رہے - آنحضرت کا انتقال انکے لئے ایک جانکاہ اور جگر خراش حادثہ تھا - آنحضرت کے انوار و برکات کو آنکھوں سے اوجھل پایا اپنے سرپرست کے سایہ ہما پایہ سے محروم ہو گئے - جو تازہ انتظام تمام ملک میں کیا گیا تھا - اس میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ پیدا ہوا - ملک کی حدود پر رومن ایمپائر اور ایرانی سلطنت جیسی زبردست اور دنیا کی تمام حکومتوں سے بڑی طاقتیں موجود تھیں - جو اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر اندیشہ اور خوف میں مبتلا تھیں - اور سرحدوں پر بڑے بڑے سامان کے ساتھ فوجیں جمع کر رہی تھیں اور ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں اس طرف کی گرد آوری اور معائنہ کا کام بھی ہو چکا تھا - اور انتقال فرمانے سے پہلے آنحضرت ایک بھاری جماعت کو اس طرف دوبارہ جانیکا حکم بھی صادر فرما چکے تھے - اور انتقال کے بعد اندرونی اور بیرونی حصوں میں ہر طرف جد وجہد کو بروئے کار لانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی - حضرت کے غلاموں نے ان سب مہمات کو سرانجام دینے کا تہیہ کر لیا - اور ایسی خوبی سے اور ایسی خلوص نیتی سے تمام دشواریوں کے مقابلہ پر تیار ہوئے کہ نہ کسی کو بادشاہ اور فرمانروا نامزد کیا - نہ کوئی تنخواہ دار فوج بھرتی کی گئی نہ کسی سپہ سالار اور جرنیل کو خوفناک اختیارات سے ممتاز کیا گیا - سب یک دل اور یک زبان ہو کر صرف اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے اپنی اپنی جھولیوں میں اپنے گھروں سے ستو اور آٹا باندھ کر حاضر ہو گئے - جن کے پاس سواری اور آلات جنگ تھے وہ لیکر - اور جو خالی تھے وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بھائیوں کے ساتھ شامل ہوئے - اور جس طرف رخ کیا اپنی راست بازی اور انصاف پسندی سے حاجتمندوں کو راحت پہنچاتے گئے اور اپنی جانبازی اور بہادری سے جو مزاحم ہوا اسے نیچا دکھلاتے گئے - اپنے ملک میں ہر طرف امن رکھا - اور بیرونی ممالک کو یکے بعد دیگرے مسخر کرتے ہوئے ایک طرف قسطنطنیہ کی دیوار دل تک اور دوسری جانب سے چین کی دیوار اعظم تک خود صحابہ کرام یعنی صحبت داران رسول علیہ السلام کی زندگی میں خدائے بزرگ و برتر کا نام بلند کرتے ہوئے پھیل گئے - فرائض گرانبار رسالت کی یہ بجا آوری اور حسن خدمت دین میں یہ سرخروئی جو سرور انبیا علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات مبارک میں اور آنجناب کے بعد خود آنجناب سے عہد وفا باندھنے والوں کی زلیست میں ہوئی - تمام دنیا کو دیکھنے والے آفتاب عالمتاب کی آنکھوں نے روز ازل سے اس وقت تک کہاں دیکھی ہے - حقیقت میں سب کام خدا کا ہے اور ایماندار بندہ خدا کے فضل وکرم کے شکر سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا - مگر وقت کو دیکھنے اور وقت حاضر میں کام کرنے والوں کے جد وجہد کی تعریف ادا کرنے سے بھی انصاف پسند دل گریز نہیں ہو سکتا اور گریز کیوں ہو جبکہ خدائے برتر ان سب کی تحسین و آفرین کا اظہار فرماتا ہے - اور اپنی شان کارسازی کیساتھ اپنے کارکن بندوں کی حسن خدمت کو اس تمام کامیابی کا باعث قرار دیتا ہے - ارشاد ہے -

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ (انفال پارہ ۱۰ ع ۴) اے نبی تمہارے لئے اللہ کافی ہے اور مومن کافی ہیں جنہوں نے تمہاری اطاعت کی ہے

اور صرف یہی نہیں۔ حق تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام ہمراہیوں کا ذکر ایک اور مقام پر بغیر کسی خاص فرد یا افراد کی تخصیص کے اعلیٰ صفات کے ساتھ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (فتح پارہ ۲۶ ع ۱۲)

حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ہمراہ ہیں۔ وہ منکروں کیلئے سخت ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں۔ تم ان کو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی نشان ہیں ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے اثر سے۔

اور ایک جگہ ان بزرگوں کی نسبت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں پہنچے اور جن مدینہ والوں نے ان کی تواضع کی فرمایا ہے

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ؕ (انفال پارہ ۱۰ ع ۱۰)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے وطن چھوڑا اور خدا کے راہ میں جانیں دیں اور جن لوگوں نے انہیں ٹھکانا دیا۔ اور مدد کی وہی سچے دل سے خدا کو ماننے والے ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور فراخ رزق ہے۔

پیغمبر کا اپنی جان سے بے پروا ہو کر اپنی تکلیفوں کو بھلا کر اور اپنی راحت و آرام چھوڑ کر رات اور دن دم مرگ تک ادائے فرائض رسالت میں منہمک رہنے کا یہ اثر ہوتا ہے۔ جو قوم کے بچہ بچہ کی کایا پلٹ دیتا ہے اور سب کو اپنے برابر اپنے خدا کے کام میں محو کر دیتا ہے پیغمبر عرب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کارنامہ ہے جو آپ کو خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن اور سردار انبیاءؑ بناتا ہے۔ صلوا علیہ وسلموا۔

عیسائی مراسلہ نگار اپنے خط میں مسلمانوں کے گرفتار مصائب ہونے پر بھی افسوس کرتے ہیں اور بدبختی سے رہائی پانے کے لئے انہیں دین مسیحی کی پناہ لینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ہم اُنکی ہمدردی کا اور ان کے ایسے مشورہ کا جو اُنھوں نے بہتر سمجھ کر ہمیں تعمیل کرنے کی فرمائش کی ہے۔ شکر ادا کرتے ہیں۔ اور گذارش کرتے ہیں کہ ہماری بدبختی کی ایک صورت ہوئی ہے۔ کہ دنیا میں ہر طرف عیسائی مذہب کا غلبہ ہے اور انکی حکومت ہے۔ ان کا جاہ و جلال اور حشمتُ اقبال دیکھکر ہر شخص با دل نظر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ خدا ان پر مہربان ہے۔ اور انھیں ہر مقصد و مدعا میں کامیاب کرتا جاتا ہے۔ ان کی راہ اختیار کرنے اور ان کی طرز و روش پر چلنے میں ہم بھی اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کریں گے۔ یہ خیال دنیا میں اکثر غور کرنے والوں کے دل پر قبضہ کرتا اور دین و آئین کو بدلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اور کئی مسلمان بھی اس خیال سے مسحور ہو کر ملت اسلامیہ سے باہر ہوئے۔ اور دین مسیحی کی پناہ میں آگئے ہیں۔ مگر صرف حکومت اور غلبہ کو معیار صداقت قرار دیکر ایسا فیصلہ کرنے سے ہمیں قرآن کریم مانع ہوتا ہے۔ وہ سمجھاتا ہے۔ کہ دنیا کی کامیابی اور چیز ہے۔ اور حق تعالےٰ کے ساتھ صحیح تعلق پیدا کرنے کا ثمر اور ہے۔ اگر ہم کسی کو شرک اور کفر میں یقیناً مبتلا دیکھتے ہوں۔ تو اسکی دنیوی کامیابی سے ہمیں دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ قرآن کا ارشاد ہے:-

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ؕ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران پارہ ۴ ع ۱۰)

نہ دھوکا دیں تمکو آمد و رفت ملکوں میں ان لوگوں کی جو کافر ہیں۔ یہ حقیر سامان ہے اور پھر انکا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔ اور وہ بُرا گھر ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔ مَا یُجَادِلُ فِیْ اٰیَاتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَا یَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ (مومن پارہ ۲۴ ع ۱)

خدا کی آیت میں وہی لوگ شاخسانے نکالتے ہیں۔ جو کافر ہیں۔ تمکو انکا ملکوں میں آمد و رفت کرنا یعنی قابض ہونا دھوکا نہ دے۔

دنیا کی قوت و اختیار پر کوئی اعتبار نہیں۔ مسلمان نے پہلا قدم اٹھانیکے بعد دوسرا قدم تخت شاہی پر رکھا تھا اور اپنی شاہی کو فروغ دیتا ہوا دنیا کے بڑے حصے پر پھیل گیا تھا۔ اگرچہ بعد میں انقلاب بہت دیکھے اور دکھائے۔ اقوام عالم اسکی مزاحم ہوئیں۔ کبھی شکستیں کھائیں۔ کبھی فتح پائی۔ مگر جبتک اقبال مسلمانوں کا یاور رہا۔ ان پر غالب آنیوالی قومیں بھی انکے دین کی حلقہ بگوش ہوئیں۔ اور انکی قائم مقام بنکر انکے دین کو فروغ دینے اور انکی حکومت کو وسیع کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ یہ مناظر مسلمان ہزار سال تک دیکھتے رہے۔ اور اس میعاد کے آخر تک کوئی نجومی اور کوئی مورخ یہ اندیشہ نہیں کرسکا کہ انکے اقبال کا آفتاب کبھی زوال پائیگا۔ مگر بقاء و دوام ذات باری کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں۔ کہ خدا کا دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے اور قوم زیادہ سے زیادہ عروج پائے جب بھی ایک ہزار سال سے زیادہ با اقبال نہیں رہتی۔ بلکہ اکثر قومیں اس سے بھی کم مدت میں تباہ ہوجاتی ہیں۔ قرآن کریم اس قاعدے کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ؕ (حج پارہ ۱۷ ع ۱)

کفار تم سے کہتے ہیں۔ کہ ہم پر عذاب جلدی کیوں نہیں آتا۔ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا مگر بات یہ ہے کہ خدا کا ایکدن تمہارے شمار کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اس عرصہ کے بعد بھی عذاب آیا تو پھر خدا کی وعدہ خلافی کا یقین کرنا

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ؕ (سجدہ پارہ ۲۱ ع ۱۱)

خدا آسمان سے زمین تک سب مخلوق پر حکم نافذ کرتا ہے پھر حکم اسکی طرف واپس جاتا ہے یعنی تبدیل ہوتا ہے۔ ایک دن کے بعد جسکی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے۔

اس قاعدہ کے مطابق یہ ہمارا طلسم بھی ہزار سال ایک حالت پر جلوہ فگن رہنے کے بعد خواب و خیال ہوگیا۔ مسلمانوں کی حکومت رفتہ رفتہ ناپید ہوتی گئی۔ مگر ابتک دنیا کے کسی کسی گوشہ میں اسکا نشان موجود ہے اور مسلمان وہاں کے فرمانروا سمجھے جاتے ہیں۔ مگر زلزلے نے اور طوفان باد و باراں الٰہی نے آجکل کے دنوں میں ۱۹۴۷ء میں جس حصہ کو تباہ کیا ہے۔ وہ سب کہتے اپنے تئیں مسلمان ہیں۔ ظاہری طرز و روش سب اقبالمند قوموں کی رکھتے ہیں۔ اُن پر کوئی دشمن حملہ آور نہیں ہوا تو قدرت ہی انھیں سزا دینے کیلئے آمادہ ہوگئی اور اسکی شکل ہمیشہ سے یونہی ہوتی آئی ہے۔ اور اناطولیہ میں بھی یہی ہوئی۔ کہ قوم خدا کو بھولتی ہے۔ پہلے اور عذاب آتا ہے اسکے بعد اقوام عالم کے بڑھنے اور ابھرنے کا انجام یہی ہے۔ یورپ کی قومیں جنہوں نے اقبال کا منہ دیکھا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی میں اور ان پر عروج کے کل چار سو سال گذرے ہیں انکے ہمیشہ با اقبال رہنے کی کیا ضمانت ہے۔ کہ ایمان کی دائمی نعمت چھوڑ کر انکی تقلید کریں۔

مگر نہیں مسلمانوں نے تقلید کی اور وہ قدرت کے کلیہ قاعدہ کے مطابق اپنے اقبال کے ہزار سال گزارنے سے پہلے لیسد میں مبتلا ہوگئے۔ اور انمیں بدبختی نے دخل پالیا جو بتدریج نشوونما پاتی اور قدم بڑھاتی ہوئی ان کے ہر رگ و ریشہ میں سماگئی

مسلمانوں نے اپنی ترقی کے ابتدائی دور میں ایک منتہائے نظر کو قائم رکھنے اور دنیا کی تمام غلط ترغیبوں سے اجتناب کرنے میں پوری ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ مگر جب انہوں نے اپنی حالت کو بہتر پایا۔ اور اپنی نیک کوششوں کے دنیوی فائدوں پر قابض دیکھا تو ہمت میں سستی اور کوشش میں کمی آنے لگی۔ اور دنیا کو اپنے قدموں میں پایا تو اس کی لذتوں پر مائل ہونے لگے۔ اگرچہ ان کی دماغی اور روحانی قوتوں سے بہت یاوری کی۔ اور نیز اس مکمل اور مفصل ہدایت نامہ نے جو سرورِ عالم حضرت رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے عطا ہوا تھا۔ ہمیں ہر خطرے سے آگاہ اور ہر اندیشہ سے ہوشیار رکھنے کا کام دیا۔ مگر پھر بھی لذائذ دنیا کی کشش غالب آئی اور سستی اور کم ہمتی کو بڑھاتی رہی۔ اور آخر وہی ہو کر رہا جو ہمارے آقا سرورِ عالم رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ "ہم تمہاری تنگدستی اور خستہ حالی سے ایسے خائف نہیں ہیں جس قدر تمہاری تونگری اور خوشحالی سے اندیشہ رکھتے ہیں۔ جو آئندہ تم کو میسر آئے گی" چنانچہ دنیا نے جو مسلمان کے قدموں میں گری ہوئی تھی۔ اس کے دل ودماغ اور تمام ہوش وحواس پر تسلط کر لیا۔ اور دنیا کا جلوہ دیکھنے کے سوا مسلمان کسی کام کے قابل نہ رہا۔ قرآن مسلمان کی یاد سے بالکل اتر گیا۔ اور وہ جس دنیادار کو اس کے اپنے مدعا میں کامیاب دیکھتا گیا اسی کی پیروی پر آمادہ ہوتا گیا۔ کسی کو عیش وعشرت میں مصروف دیکھا۔ اور مسلمان نے اپنے تئیں عیاشی کی فراموشیوں میں محو کر دیا۔ کوئی بےفکری کے عالم میں بیکار بیٹھا نظر آیا۔ اور مسلمان بیکاری میں سونے کا عادی ہو گیا۔

قرآن کریم نے منجملہ اور مناہی کے لغو اور بے فائدہ کاموں سے بار بار منع فرمایا ہے۔ مگر مسلمان اپنی محفلوں کو بیکاری کے مشغلوں اور فضول کھیل تماشوں سے رونق دینے لگا۔ بیکاری نے مالی حالت تباہ کی اور ہم نے جھوٹ بولنے والوں۔ دھوکا دینے والوں اور وعدہ خلافی کرنے والوں کو ایسے موقعوں پر کامیاب پایا تو یہی راستہ اختیار کیا۔ یہ عمل ایک حد تک پہنچکر اور ہمارا عیب سب پر روشن کر کے بیکار ثابت ہوا تو چوری اور سینہ زوری پر آمادہ ہو گئے۔ شدہ شدہ اس حالت کو پہنچ گئے کہ کسی ہنر اور کسی فن میں مہارت نہ رہی۔ کسی کام میں محنت برداشت کرنیکی قوت نہ رہی۔ جو لوگ نئی روشنی کی تعلیم سے کچھ کچھ بہرہ ور ہوئے وہ چاہتے ہیں کہ کرسیوں پر بیٹھ کر قلم چلانے کا کام ملے۔ جو اس سے عاری ہیں وہ تجارت کا کوئی کام نہیں جانتے۔ چیزوں کی شکل بدل کر اور انہیں زیادہ مفید بنا کر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی ترکیب نہیں جانتے۔ بازار سے بنی بنائی چیز یا کچی جنس خرید کر سر پر اٹھاتے اور کوچوں میں پھرتے ہیں یا دکانوں پر لے بیٹھتے ہیں۔ اور فائدہ کی شکل جھوٹ اور فریب ملا کر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ سب کاسۂ گدائی لے کر ہجوم کرتے۔ اور اپنی بدحالی کے غلط قصے سنا کر ایسا حیران کرتے ہیں۔ کہ آدمی سچے محتاج اور پیشہ ور دھوکا باز میں تمیز نہیں کر سکتا۔

ہمارے افسر اپنے مدح کی خیر مناتے ہیں۔ حاجتمندوں کی امداد سے غرض نہیں رکھتے۔ ہمارے ماتحت اطاعت کرنا نہیں جانتے گستاخی سے بالادست کو ناراض کر دیتے ہیں۔ یا ایسی خوشامد اختیار کرتے ہیں۔ کہ حاکم کسی کا گلا کاٹنا چاہے۔ تو خوشی سے اس کا آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ جائز اور ناجائز میں تمیز کسی کو نہیں۔ خودغرضی سب پر غالب ہے۔ عقل سے کام لیتے نہیں۔ جلدی بدنام ہو جاتے ہیں۔ غرض تعریف کے لائق کوئی کام نہیں کرتے۔ کام سے جو عزت پیدا ہوتی ہے۔ وہ عزت نہیں رکھتے۔

رہی وہ ضرورت جو مسلمان کو خدا کی جانب متوجہ رہنے اور اپنی روح میں روشنی اور صفائی پیدا کرنے کی ہے۔ جب محسوس

فوائد کو حاصل کر نیکی ترکیب نہیں جانتے اور اس طرف سے جاہل رہتے ہیں۔ تو نامحسوس نعمت کی طرف خیال دوڑانے کا
ارادہ کیوں کر سکیں۔ مسجدیں سب مسلمان آبادی میں تعمیر ہوتی ہیں۔ ارد گرد مسلمانوں کے گھر ہوتے ہیں۔ اکثر دکاندار مسلمان ہوتے ہیں
ہونا یہ چاہئے تھا۔ کہ اذان سنکر کوئی مسلمان گھر میں یا دکانوں پر نہ رہتا۔ اور بازاروں میں نظر نہ آتا۔ جسے تلاش کرنا ہو خیال کرلے کہ وہ اس وقت
مسجد میں ہوگا۔ اور وہیں ملے گا۔ ہندو بھی کسی کو تلاش کرے۔ تو اس وقت مسجد میں پائے۔ اور سب مسلمانوں کو ایک آواز پر کھڑے
ہوتے جھکتے اور سجدہ کرتے دیکھے۔ مگر ہماری دکانیں بدستور کھلی رہتی ہیں گھروں میں بدستور آبادی رہتی ہے۔ معقول آدمی اپنی محفلوں
میں بدستور شطرنج بازی کے اندر اپنی دانائی اور نکتہ فہمی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ نوجوان آسان کھیل کھیلتے رہتے ہیں۔ یا بازاروں میں گشت
لگاتے۔ دکاندار دستوں سے ہنسی مذاق کرتے۔ گالی گلوچ بکتے۔ بلکہ مار پیٹ تک نوبت پہنچاتے رہتے ہیں۔ مسجدوں میں جاکر دیکھو
تو دو چار لب گور پہنچے ہوئے بڈھے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی نماز سے پہلے اور نماز کے بعد کسی نہ کسی کے ساتھ بحث میں لال پیلے ہوتے
اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے نظر آتے ہیں۔ ہماری مسجدیں بھی لڑائی کا دنگل بنی رہتی ہیں۔ یہ سب بدحالیاں دیکھ کر علاج بتانے والوں
کو غور کرنا چاہئے۔ کہ ہماری اصلاح ہمارے الہامی ہدایت نامے اور ہمارے رسول اکرم علیہ السلام کے کلمات طیبات کو آویزۂ گوش
بنانے میں ہے یا اس سے اور دور ہٹ کر کسی عاجز خدا کی خدائی پر ایمان لانے میں۔
بدراہیاں اور خود غرضیاں مسیحی دنیا میں بھی کم نہیں۔ بلکہ آجکل خاص قیامت آئی ہوئی ہے۔ اور سب بھیڑیئے بنکر خود اپنی برادری
میں جیسے بھیڑیا کمزور پاتے ہیں بھنبوڑ بھنبوڑ کر کھائے جاتے ہیں۔ بلکہ زور آزمائی کے شوق میں مست ہو کر برابر والوں کو بھی فنا کرنا
چاہتے ہیں۔ کوئی کمزور قوم ان کی قومیت میں جذب ہو کر کیا فلاح کی امید رکھ سکتی ہے۔ خود ان کے امن پسند افراد پر آگ برس رہی
ہے۔ وہ کسی اور غریب کا کیا بھلا کر سکتے ہیں۔

راقم محمود علی سابق پروفیسر رندھیر کالج کپورتھلہ حال مقیم شہر جالندھر



جنرل برقی پریس جالندھر شہر میں باہتمام محمد احمد خاں ذاکر پرنٹر پبلشر نے چھپوا کر دفتر رسالہ پیام اسلام اڈہ لبنیات جالندھر شہر سے شائع کیا۔

رجسٹرڈ ایل ۵۵۵ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیامِ اسلام

جالندھر شہر

مُدیرِ اعلیٰ: عبدالحق عباس + مُدیرِ معاون: محمد احمد خان ذاکر

جلد ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء شوال سنہ ۱۳۵۹ھ نمبر ۵

غزل

(جناب محمد عبدالغفور صاحب سلیمان نقشبندی گڑھوی)

خدا کے نام سے حسنِ کلام پیدا کر + پھر اس طلسم سے تسخیرِ عام پیدا کر

کلام جس میں نہ ہو وہ کلام پیدا کر + زمینِ شعر میں بیت الحرام پیدا کر

نہ عمرِ خضر کا سودائے خام پیدا کر + شہید ہو کے بقائے دوام پیدا کر

جہاں کے واسطے تازہ پیام پیدا کر + پیمبروں کی جماعت میں نام پیدا کر

ستارہ ساز ہوں میں اشک بار آنکھوں سے + فروغِ رخ سے تو ماہِ تمام پیدا کر

شہید ہو کے بناؤں میں دہر کو مشہد + تو قتل گاہ میں دار السلام پیدا کر

مرا مقام ہے سعیِ تمام سے آگے + تو پہلے منزلِ سعیِ تمام پیدا کر

مثالِ حضرتِ یوسف ہے خضرِ راہ ندیم + (خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ترا سخن بھی سلیمان ہو بقائے جہاں

دمِ مسیح علیہ السلام پیدا کر

محمد احمد خان ذاکر پرنٹر پبلشر کے اہتمام سے جنرل برقی پریس ریلوے روڈ جالندھر شہر میں چھپ کر دار القرآن جالندھر شہر سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کفر اور ایمان

وقت کا ایک اہم اور ضروری مسئلہ

(از قلم الحاج حضرت مولانا مولوی عبدالقیوم صاحب ندوی)

آج جبکہ زمانہ انتہائی نازک دور سے گذر رہا ہے ہر طرف سے لامذہبیت اور دہریت کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں خود مسلمانوں کے اندر طرح طرح کے فتنے اور فسادات برپا ہو رہے ہیں۔ اور بہت سی وہ علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ جن کے متعلق ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آج سے تقریباً ۱۴۰۰ سو برس پہلے فرما گئے۔ اسی حالت میں فتنوں اور فسادات سے اپنا دامن بچا کر نکل جانا یقیناً کمال اور بڑا کمال ہے اور ایمانی قوت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یوں تو مسلمانوں میں طرح طرح کے فتنے پیدا ہو ہی چکے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ تکفیر کا فتنہ ہے۔ جو اپنی پوری ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ مسلمانوں کے سروں پر سایہ فگن ہو گیا ہے۔ ذرہ ذرا سی بات میں کفر کے فتاوے نکل رہے ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ مخالفتوں میں مسلمانوں کو کافر اور مشرک بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت احکامات ہیں آپ نے فرمایا کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا پس تحقیق اسے قتل کر دیا (مسلم شریف جلد اول)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے مسلمان کو کافر کہا پس ان دو میں سے کوئی ایک ضرور ہوا (بخاری شریف باب تکفیر المسلم)

اس باب میں اس قدر احکامات نبوی ہیں کہ اکثر محدثین کرام نے اپنی اپنی مولفات میں پورے پورے باب باندھے ہیں اور ان میں اس باب کے موافق بکثرت روایات صحیحہ جمع کی گئی ہیں۔ صحابہ کرام جو تعلیم اسلام کے سچے ترجمان تھے ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اس وقت تک کسی کو کافر نہ کہتے جب تک وہ خود اس کا اقرار نہ کرتا اور اس کا عمل بالکل اسلام کے خلاف نہ ہو جاتا۔ یہی حال تابعین کرام اور بزرگ علماء دین اور ائمہ عظام کا تھا اس لئے فقہاء نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور نہایت اہمیت سے اس کا ذکر کیا ہے۔ فتاویٰ قینیہ جو ایک مستند کتاب ہے اس میں ہے کہ اگر کسی میں تمام وجوہ کفر کے ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی اسے کافر نہ کہنا چاہیئے۔ اسی طرح عالمگیری میں بھی صراحت ہے۔ ذیل میں جابجا اقتباسات نقل کریں گے، جن کو پایہ کے علماء کرام نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے یا علماء اسلام نے اپنی اہم جماعت افراد کو ان کے مشغلۂ تکفیر پر بذریعہ مکتوب قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے افہام و تفہیم فرمائی ہے۔ اس سے جہاں اس بات کی روشنی پڑیگی کہ مشغلۂ تکفیر

کس قدر برا اور شرعی جرم ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں باوجود سخت مخالفت کے بھی دیکھئے آپس میں کس قدر نرم لب ولہجہ کے ساتھ اس قسم کے مسائل طے ہوا کرتے تھے ایک اہل علم امام اپنے ہم عصر امام کو جو تشدد پسند تھے لکھتے ہیں کہ اے سب سے بڑے امام اور علم کے بادشاہ! عام مسلمانوں کو کفار کے ساتھ تشبیہ نہ دیجئے کہ جس طرح وہ لوگ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ عالم کا ایک بنانے والا ہے جو افضل ہے حکمت والا ہے پاک ہے تمام عیوب ونقائص سے ان کا عقیدہ یہ نہیں جیسا کہ کفار کہتے ہیں کہ اس تک بغیر کسی توسط کے ہمارا پہنچنا ناممکن ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم توسطات روحانیہ سے اس کا قرب حاصل کریں جو اس سے قریب ہیں ہم ان چیزوں کا قرب حاصل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے ہم اس صانع کا قرب حاصل کرتے ہیں یہ سب ہمارے رب اور الٰہ ہیں اور رب الارباب والٰہ الالٰہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہیں اور ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ کے قریب کردیں ایسی حالتیں ہم اپنی حاجتوں کا ان سے سوال کرتے ہیں اور اپنے احوال ان سے کہتے ہیں اور اپنی تمام باتوں میں انکی جانب رجوع کرتے ہیں اور وہ ہماری شفاعت ہمارے اور اپنے خدا کے سامنے کرتے ہیں اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک روحانیات سے ہم مدد حاصل نہ کریں اور یہ تضرع وابتہال کے ساتھ نماز وزکوۃ وذبح قربانی اورخوشبو وغیرہ سے ہوتا ہے اور وہ کافر ہیں اسی طرح نعوذ باللہ مسلمان کرتے ہیں اور کافر ہیں۔ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ کافروں نے جن کا یہ عقیدہ ہے ان سب نے ان دو اصلوں سے انکار کیا جن کو ہر رسول نے ظاہر فرمایا ہے ایک یہ کہ خدائے واحد کی عبادت کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور ایسی چیزوں سے انکار جن کی خدائے واحد کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔ اور دوسرے اللہ کے رسولوں اور ان چیزوں پر جو وہ رسل اللہ کے حکم سے لائے ہیں تصدیق واقرار اور فرمانبرداری کے ساتھ ایمان لانا۔ انتہی کلام ابن القیم ان وسایط پر غور کرو جو عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں کہ تم ان کو کس طرح غیر محل پر محمول کرتے ہو لیکن تم سے یہ کچھ تعجب بھی نہیں ہے کیونکہ اجماع کو شکست کرکے تم کلام اللہ اور کلام رسول اور کلام ائمہ اسلام کو محل صحیح پر محمول نہیں کرتے اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ تم اسی عبارت سے اس شخص کے مقابلہ میں استدلال پیش کرتے ہو جس نے اس کو نقل کیا ہے اور ظاہر طور پر بیان کیا ہے اور ان کے کلام صحیح کو عین مسئلہ سے دور کردیتے ہو اور تمہارا یہ عمل ایسا ہے کہ تم محکم کو ترک کرکے متشابہ کو اختیار کرتے ہو۔ اللہ ہم کو اور تم کو اپنی خواہشوں کی پیروی سے باز رکھے لیکن برکت حاصل کرنا ومسح قبر اور اس کی مٹی لینا اور اس کے گرد پھرنا اس کو بھی اہل علم نے ظاہر کیا ہے۔ بعض اہل علم نے اس کو مکروہات میں شمار کیا ہے اور بعض نے محرمات میں شمار کیا ہے لیکن ان میں سے ایک نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ ان افعال کا کرنے والا مرتد ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے بلکہ تم اس شخص کی بھی تکفیر کرتے ہو جو ان افعال کے کرنے والے کو تکفیر نہ کرے۔ یہ مسئلہ کتاب الجنائز کی فصل دفن وزیارت میت میں مذکور ہے اگر تم اس سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہو جو میں نے ذکر کیا ہے تو تم کو چاہئے کہ فروع اور اقناع اور ان کے علاوہ کتب فقہ کا مطالعہ کرو۔ اگر تم ان کے مصنفین میں قدح کرو تو تم سے کچھ بعید نہیں ہے لیکن تم کو یہ معلوم

ہوگا کہ ان لوگوں نے اپنا مذہب بیان نہیں کیا ہے بلکہ احمد بن حنبل اور ان کے مثل دوسرے ائمہ اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذاہب کو ذکر کیا ہے جن کے ہدایہ و درایہ پر امت نے اجماع کر لیا ہے۔ اگر تم انکار کرو تو وہ صرف عناد ہوگا اور مراتب عالیہ کا ادعا ہوگا اور ان دلائل سے استنباط ہوگا جو ائمہ ہدیٰ کے علاوہ لوگوں نے بیان کیا ہے پہلے ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اجماع کو توڑنا ہے **فصل** بر بنا اس کے کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ ان امور کا کرنا کفر ہے یعنی نذر اور دوسری مذکورہ باتیں یہاں پر ایک اصل ہے ان اصول میں سے چند اہل سنت نے اجماع کیا ہے جیسا کہ شیخ تقی الدین نے اور ابن قیم نے ان کا ذکر کیا ہے وہ یہ کہ اس امت کا جاہل اور مخطی جب اللہ پر اور ان تمام چیزوں پر جو رسل لائے ہیں . . . . . ایمان رکھتا ہے اگرچہ عمل کفر و شرک کرے وہ مشرک یا کافر نہ ہوگا اس لئے کہ جہل و خطا اس کا عذر ہوگا یہاں تک کہ اس کے سامنے ان چیزوں کا واضح طور پر بیان کر دیا جائے جن کا ترک کرنے کرنے والا کافر ہو جائیگا یا ایسی چیز کا انکار کرے جس کو دین اسلام نے بالکل ظاہر کر دیا ہے اور جس پر اجماع قطعی ہو گیا ہے جس کو ہر مسلمان بغیر غور و فکر کے جانتا ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آتا ہے اور سوائے اہل بدعت کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے۔ اگر تم کہو کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ الآیہ جس نے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا آخر آیت تک ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر کا تذکرہ اکراہ کے ساتھ کر رہے ہیں میں کہونگا کہ یہ صحیح ہے اور یہ آیت تمہارے اوپر حجت ہے نہ کہ تمہارے موافق جو کچھ انہوں نے تذکرہ کیا تھا وہ معاذ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتے تھے اور ان کے دین کو برا کہتے تھے اور اس پر ہر شخص کا اجماع ہو گیا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہے اور اس کو ہر مسلمان جانتا ہے اور باوجود اس کے اللہ نے اس شخص کو جو اس کفر کا جبر و اکراہ کی وجہ سے مرتکب ہوا معذور رکھا اور اس سے مواخذہ نہیں کیا۔ لیکن اللہ سبحانہ نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جس نے ایسے کفر کو مفصلاً قبول کیا۔ یہ اس کے علم و رضا سے ہوگا اور اس نے ایمان کے مقابلے میں اس کو جان کر اختیار کیا ہے یہی وہ کفر ہے جو آیۃ میں مذکور ہے اور جس پر مسلمانوں نے اجماع کر لیا ہے اور اس کو اہل علم نے اپنی کتابوں میں ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام مکفرات کا ذکر موجود ہے لیکن یہ امور جن کی بنا پر تم مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہو کسی نے اہل علم میں سے ایسا کرنے والے کی تکفیر نہیں کی ہے اور نہ ان کو مکفرات میں شمار کیا ہے۔ بلکہ اگر کسی نے ان امور کا تذکرہ کیا ہے تو اقسام شرک میں ذکر کیا ہے اور بعض نے محرمات میں ذکر کیا ہے اور یہ کسی نے نہیں کہا کہ جس نے یہ امور کئے وہ کافر اور مرتد ہے اور نہ اس آیۃ سے اس امر پر کسی نے حجۃ پکڑی ہے جیسا کہ تم نے اس آیۃ کو اپنے قول پر حجۃ گردانا ہے۔ لیکن تمہاری یہ بابت اس سے زیادہ عجیب تر نہیں ہے جیسا کہ تم ان آیات سے جو ایسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن کی حالت اللہ یوں بیان فرماتا ہے۔

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ جب اُنسے کہا جاتا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ روگردانی کرتے اور جو لوگ کہتے ہیں: اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ (کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے دیوتاؤں کو چھوڑ بیٹھیں گے) وہ لوگ جن سے کہا جاتا ہے اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى (کیا تم یہ شہادت دیسکتے ہو کہ اللہ کیساتھ اور بھی خداوند ہیں)

اور جو لوگ کہتے ہیں: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۔ (کیا اپنے متعدد خداوندوں کو ایک خدا بنالیا ہے)۔
باوجود اس کے تمام آیات کا نزول اور استدلال ایسے لوگوں کے لئے کرتے ہو جو گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدائے واحد کے کوئی اور خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا شریک کوئی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے ساتھ عبادت کئے جانے کا مستحق ہو۔ پس جو ان آیات سے ایسے لوگوں پر استدلال کرتا ہے جن کی اسلام کی شہادت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے اور جن کے اسلام پر مسلمانوں نے اجماع کر لیا ہے تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے اگر کوئی شخص اپنے مذہب کے موافق آیتہ سے استدلال کرے اگر تم سچے ہو تو ہم کو بتاؤ کہ کس نے اس آیتہ سے اس شخص کے کفر پر استدلال کیا ہے جس کی تکفیر مخصوص افعال و اقوال کی بنا پر تم کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ افعال و اقوال کفر ہیں اور خدا کی قسم تمہارے سامنے سوائے عبد الملک ابن مروان کے مثال کے اور کوئی مثال نہیں ہے جس دن اس نے اپنے لڑکے سے کہا کہ لوگوں کو اپنی اطاعت کی جانب بلاؤ پس جو شخص تجھے طعنہ سے کہے ایسا تو تم تلوار سے اس کے سر پر کہو ایسا یعنی اس کی گردن مار دو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں ایک دوسری اصل ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں دو مادے مجتمع ہوتے ہیں اسلام و کفر اور کفر و نفاق اور شرک و ایمان اور یہ کہ اس میں دو مادے جمع ہوتے ہیں اور اس سے کفر ایسا سرزد نہیں ہوتا جس سے وہ اللہ سے پھر جائے جیسا کہ اہل سنت جماعت کا مذہب ہے اور اس میں سوائے اہل بدعت کے کسی نے مخالفت نہیں کی ہے۔ اول وہ فرقہ جس نے سب سے پہلے جماعت سے علیحدگی اختیار کی وہ فرقہ خوارج ہے جنہوں نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خروج کیا ان کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور ان کے قتل اور قتال کا حکم فرمایا تھا اور فرمایا ہے کہ وہ اسلام سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے کمان سے تیر نکل کر دور چلا جاتا ہے اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کر دو اور فرمایا ہے کہ یہ اہل دوزخ کے کتے ہیں اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ اہل اسلام کو قتل کرتے ہیں۔
اور فرمایا ہے کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور اس کو اپنے موافق خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے لئے وعید ہے اسی طرح اور اقوال جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بابت ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ لوگ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور علی و عثمان و معاویہ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین جو ان کے ہمراہ تھے سب کی تکفیر کی اور مسلمانوں کی جان و مال کو اپنے لئے حلال کر لیا اور بلاد مسلمین کو بلاد حرب کر دیا اور اپنے خیال میں اپنے بلاد کو بلاد ایمان خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے کو اہل قرآن سمجھتے ہیں اور احادیث میں صرف ان کو قبول کرتے ہیں جو ان کے مذاہب کے موافق ہیں اور جو شخص ان کی مخالفت کرے اور ان کی رائے پر عمل نہ کرے وہ کافر ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور صحابہ نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور قرآن کے مطابق عمل نہیں کیا بلکہ اپنے گمان کے مطابق انہوں نے قرآن کے مطابق عمل کیا اور وہ اپنے مذہب کے لئے قرآن کی متشابہ آیت سے استدلال کرتے ہیں اور جو آیات مشرکین مکذبین کے لئے نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں اور اکابر اصحابہ کے لئے کہتے ہیں اور ان کو اپنے نزدیک حق کی جانب بلاتے ہیں اور مناظرہ کا مطالبہ کرتے تھے حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہ نے ان سے مناظرہ کیا اور ان میں سے چار ہزار آدمی حق کی جانب متوجہ ہوئے۔ باوجود ان تمام امور کے اور کفر صریح کے جو واضح تھا اور باوجود مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تم سے قتال نہیں کرتے اور تم کو مساجد میں عبادت کے لئے جانے سے نہیں روکتے اور تم کو منع نہیں کرتے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ساتھ ہوں پھر خوارج نے وعدہ خلافی کی اور مسلمانوں کو، امام کو اور ان کے ہمراہیوں کو قتال کے لئے بلایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ معہ اپنے ہمراہیوں کے نکلے اور ان سے قتال کیا اور ان کے ساتھ چار ہزار آدمی قتل ہوئے اور مسلمانوں پر متعدد امور جاری ہوئے جن کا بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے ان حضرات نے ان لوگوں کی تکفیر نہیں کی اور وہ حضرات صحابہ تھے تابعین یا ائمہ اسلام نہ تھے اور نہ حضرت علی و صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا کہ تم پر حجۃ قائم ہو گئی اور ہم نے حق کو تمہارے سامنے پیش کر دیا شیخ تقی الدین نے لکھا ہے کہ نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ صحابہ کرام نے اور نہ ائمہ اسلام نے کسی نے بھی ان کی تکفیر نہیں کی تھی۔ تم کو چاہئے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر غور کرو جو انہوں نے مدعی اسلام کی تکفیر کرنے سے باز رہنے میں اختیار کیا ان صحابہ میں سے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں ان میں سے امام احمد نے کہا ہے کہ صحیح ہوئیں ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس وجہوں سے اہل علم نے لکھا ہے کہ کل کو مسلم نے اپنی صحیح پر روایت کیا ہے پس اصحاب رسول اللہ و ائمہ مسلمین کے ہدایت پر غور کرو شاید اللہ تم کو طریق مسلمین کی ہدایت فرمائے اور اس آفت سے متنبہ کرے کہ اس وقت تم اس کو حدیث سمجھ رہے ہو اور بخدا یہ قوم کا راستہ ہے نہ کہ حضرت علی یا ان کے ہمراہیوں کا اللہ نے ہم کو ان کے آثار کی اتباع کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ اگر تم کہو کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حد سے گزرنے والوں کو قتل کیا ہے بلکہ ان کو آگ میں جلوا دیا درحالیکہ وہ مجتہد لوگ تھے اور صحابہ نے اہل ردۃ سے قتال کیا کیونکہ یہ صحیح ہے پس حد سے گزرنے والے لوگ وہ مشرک و زندیق تھے کہ مکر سے اسلام ظاہر کیا یہاں تک کہ ان کا کفر پورے طور پر ظاہر ہو گیا اور کسی پر پوشیدہ نہ رہا اور یہ اس لئے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ باب کندہ سے اس کے سامنے آئے تو انہوں نے حضرت علی کو سجدہ کیا تو حضرت علی نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ خدا ہیں حضرت علی نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ کے بندوں میں ایک بندہ ہوں تو انہوں نے کہا کہ بلکہ آپ ہی اللہ ہیں تو ان سے توبہ کرنے کو کہا اور دھمکی دی اور انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کیا تو زمین میں گڑھے کھدوانے کا حکم دیا اور ان میں آگ بھروا دی اور ان کے سامنے اس کو پیش کیا گیا کہا کہ اگر تم توبہ نہ کرو گے تو تم کو اس میں ڈلوا دونگا انہوں نے توبہ سے انکار کیا بلکہ کہا کہ تو خدا ہے تو ان کو آگ میں ڈلوا دیا جب ان کو آگ محسوس ہوئی کہ وہ اس میں جل رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب ہم کو محقق ہو گیا کہ آپ خدا ہیں کیونکہ سوائے خدا کے آگ سے کوئی عذاب نہیں کرتا یہ ان زنادقہ کا واقعہ ہے جن کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلوا دیا اس کو علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اگر تم دیکھو کہ کوئی اللہ کی مخلوق کو خدا کہتا ہے تو اس کو جلا دو ورنہ اللہ کی عبادت

کرو اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور اپنی فاسد رایوں اور لغو خیالات کی بنا پر کافروں کا قیاس مسلمانوں پر نہ کرو۔" ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لئے کفر کا کلمہ نکالنا کس قدر برا اور شرعی اعتبار سے کس قدر جرم عظیم ہے۔ یقیناً ہماری جماعت کو اس کا لحاظ کرنا پڑیگا اور وہ لوگ جو ذرا ذرا سی بات پر کفر کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں ان کو جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور ائمہ و تابعین اور بزرگان دین کی آرا کا اتباع کرنا پڑیگا۔ لیکن اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ کسی کافر کو بھی بوقت ضرورت کافر نہ کہا جائے۔ مقصد مضمون احتیاط و اعتدال ہے اور بس !!

خلافتِ الٰہی

عید کا دن

(از مولوی غلام قادر صاحب ماہرِ تبلیغ)

مسلمانوں اور ایمان والو یہ تو تم جانتے ہو کہ عید کا دن مسلمانوں کی خوشی کا دن ہے مگر کیوں؟ کیا اس لئے کہ اس دن ماہ رمضان کی مشقتوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اور عیش و عشرت کی فراغتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ نہیں۔ تو پھر کس لئے؟ اس لئے کہ روزوں کی مجاہدانہ مشقتوں سے وہ قابل اعتماد جہادی قابلیتیں حاصل ہو جاتی ہیں جن سے مجاہدانہ فتوحات کی امیدوں کا تعلق ہے جن سے اعلیٰ اسلامی زندگی کا لگاؤ ہے۔ جن سے اعلیٰ اسلامی عروج کی وابستگی ہے۔ جن سے وہ ربانی انقلاب ہمرشتہ ہے جس کے لئے اسلام اور مسلمان عالم غیب سے مشہود ہوئے ہیں۔

عید کی خوشیوں کا دن اور اسکا مقصد:

اگر یہ بات صحیح ہے تو اسلام اور ایمان کے فرزندو آج کے دن جو عید کا دن ہے ضرور خوشیاں مناؤ مگر کیسی خوشیاں؛ نفسانی خوشیاں نہیں جو نفس کی خاطر منائی جاتی ہیں۔ بلکہ ربانی خوشیاں جو تکمیلِ ربانیت پر منائی جاتی ہیں۔

لیکن کس طور پر خوشیاں مناؤ کیا بے مقصدانہ طور پر یعنی خوشیاں محض خوشیوں کی حیثیت سے نہیں کہ کسی مقصد کا تصور بھی شامل نہ ہو جن میں کسی عزم کا خیال شریک نہ ہو۔ بھلا ایسی تہی مغز خوشیوں کی اسلام میں کہاں گنجائش اور پُر عزم مسلمانوں کے لئے کیونکر زیبا۔ خوشیاں مناؤ اس طور پر کہ اسلام کے مقصد اعلیٰ کا تصور دماغوں پر چھایا ہوا ہو اور اس مقصد اعلیٰ کی خدمت کا عزم اعلیٰ دلوں پر طاری ہو۔ یعنی اس حالت سے خوشیاں مناؤ کہ یہ سوچتے رہو کہ فلاں چیز ہماری زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اور شکر ہے کہ ہم نے اس کی خدمت کی تھوڑی سی صلاحیت آج پیدا کر لی اور اس مقصد کے خدمت کے تازہ عزم بالجزم کے مالک ہیں۔

عزیزو! اور دوستو! میں تمہیں صاف صاف بتادوں کہ اگر تم تہی مغز اور بے مقصد و بے عزم خوشیاں مناؤ گے جیسکے تم عرصہ سے عادی ہو چکے ہو تو ان خوشیوں میں نہ برکتوں کا شمول ہوسکتا ہے نہ انکی کوئی قیمت ہوگی۔ اللہ اور رسول کی نگاہوں میں ایسی خوشیاں حیوانی خوشیاں بلکہ نفسانی خوشیاں ٹھہرائی جائیں گی۔ اس لئے تمہارے حق میں برکت نہیں بلکہ وبال ٹھہرینگی۔

خلافت الٰہی و حکومت ربانی:

تم لازماً دلوں میں سوچوگے اور زبان حال سے سوال کروگے کہ وہ مقصد اعلیٰ کیا ہے جس کو آج کی خوشیوں میں روح خوشی کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ اور جس کے لیے عزم اعلیٰ پیدا کرنے کی زحمت اٹھائی جائے۔ سنو سنو وہ مقصد اعلیٰ مختصر سے مختصر لفظوں میں خلافت الٰہی و حکومت ربانی ہے۔ خلافت الٰہی و حکومت ربانی کا قائم کرنا ہی وہ مقصد اعلیٰ ہے۔ جسکے لئے اسلام کو عرش سے فرش پر اترنیکی زحمت دی گئی۔ جسکے لئے مسلم قوم کو پردہ خفا سے عرصہ ظہور میں اتارا گیا جسکے قیام کیلئے جہاد و قتال کا فریضہ عائد کیا گیا جسکے اہتمام کے واسطے عزم جہاد کو لازم ٹھہرایا گیا جس کی جدوجہد کی صلاحیتیں پیدا کرنے کی خاطر روزوں کی مشقتیں فرض کی گئیں جسکے ساتھ ساتھ اصلاح نفس اور رجوع الی اللہ کا ضمیمہ اس لئے لگایا گیا کہ وہ ان صلاحیتوں میں روحانی رنگینیاں اور ربانی کیفیتیں شامل کرسکیں۔ تاکہ ہم اس مقصد کو روحانی خوش اسلوبی اور ربانی پاکیزگی کے ساتھ انجام دے سکیں۔

خلافتِ الٰہی اور حکومتِ ربانی کیا چیز ہے۔

اب تم پوچھوگے اور سننا چاہوگے کہ خلافتِ الٰہی اور حکومتِ ربانی کیا چیز ہے اس کا مطلب و منشا کیا ہے۔

سنو! حضرت رب العالمین کی ایک یہ مرضی ہے کہ انسانوں کی دنیا میں انسانوں ہی کی کوشش اور دانائی سے متفرق اور مطلق العنان حکومتوں کو جو رب کی بغاوت اور نفس کی اطاعت پر قائم ہیں توڑکر ایک ایسی وحدانی حکومت قائم کی جائے جسکی بنیاد رب کی اطاعت اور نفس کی بغاوت ہو جسکا امتیازی نشان لفظی طور پر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو۔ اور معنوی طور پر وحدت فی الکثرت اور جمعیت فی التفرقہ ہو اور جسکے بنیادی اصول عبدیت اور ربوبیت۔ اخوت یعنی بندگی، برادری برابری ہوں۔ بندگی رب کی برابری و برادری آپس کی جسکا اصل مقصود ربوبیت ہو یعنی پرورشِ ربوبیت کیسی؟ ربوبیت عامہ۔ ربوبیت کلی ربوبیت کامل یعنی عام پرورش۔ عالمگیر پرورش مکمل پرورش جسمیں کسی طرح کا کوئی امتیاز و فرق نہ رکھا جائے۔ ان دونوں ناموں کی خصوصی شرطیں بھی سن لو۔ خلافتِ الٰہی کا نام اسی خاص خیال کو ظاہر کرتا ہے کہ حکومت صرف حضرت الوہیت کیلئے ہے۔ انسانیت کیلئے صرف نیابت ہے حکومت نہیں۔ انسانیت اگر حکومت کا دعوے کرے تو یہ اسکی بغاوت ٹھہریگی اور وہ باغی ٹھہرائی جائیگی۔ حاکم صرف اللہ ہے۔ انسان فقط خلیفہ حاکم اور نائب حاکم ہے۔

حکومت ربانی کا لفظ اس خاص مطلب کو پیش کرتا ہے کہ اگر مجازی یا ظلی طور پر انسانیت کیلئے حکومت کا حق مان لیا جائے تو وہ ایسی حکومت ہونی چاہیئے جو حکومت ربی کا نمونہ ہو۔ اسکا دستور وہی ہو اسکی غرض وہی ہو۔ اسکا مرکز وہی ہو اسکی جائے امداد بھی وہی ہو۔ لا الہ الا اللہ کے معنی جسطرح دونوں ناموں کے مطلب ایک ہیں دونوں ناموں کی حقیقت بھی ایک ہی ہے خلافت الٰہی کے نام سے پکارو یا حکومت ربانی کے نام سے مطلب اسی حکومت سے ہے جو حضرت رب العالمین کے منشار و احکام سے لپٹی ہوئی اور اطاعت ربی اور خدمت خلق میں ڈوبی ہوئی ہو۔ یہی حکومتِ اسلام کا آخری نصب العین ہے۔ اس نصب العین کو ظہور میں لانا اور اسکی عملی صورت قائم کردینا اسلام کا سب سے بڑا علمی اور عملی کارنامہ ہے۔ اسی کو امر اللہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

یہی امر اللہ اسلام کا سارا نچوڑ اور عطر اور مرکز ہے۔ یہی چیز پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے۔ اپنے تفصیلی اصولوں اور قاعدوں اور ضابطوں اور ہدایتوں کی صورت میں یہی حاصل مطلب ہے۔ کلمہ کا پہلا جز لا الہ الا اللہ کا جو اپنی گہرائیوں میں اس حقیقت کو لئے ہوئے ہیں کہ توحید صرف خیالی معبودوں کو ہی مٹاتی [illegible] ہے بلکہ خارجی معبود یعنی حکومتوں کو بھی زیر و زبر کرتا ہے اور فقط خیالی و ذہنی عقیدہ توحید ہی منشاء توحید کو پورا نہیں کرسکتا بلکہ عالمگیر وحدانی ربانی حکومت قائم کرنا اسکے لئے ضروری ہے [illegible] کے معنی بھی امر اللہ ہیں جسکو عملی صورت دینے کیلئے محمد رسول اللہ صلعم مبعوث فرمائے گئے اور اس امر اللہ کی حفاظت